



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَمَا يَكْفُرُ الْإِسْلَامَ إِلَّا الْكُفْرَانُ

# رحمة للعالمين

رحمة للعالمين

قاضي محمد سليمان منصور پوری  
منصور پوری الشیخ

مؤلف

قاضي محمد سليمان منصور پوری الشیخ

ترجیح و تعبیق

میان طاہر



مركز القرآن الاسلامی



إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَسْئَلُكَ اللَّهُ بِمَا لَمْ يَحْكُمِ فِيهِ

# رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ

مترجم

قاضی محمد سلیمان مسلمان منصور پوری

ترجم و تفسیر

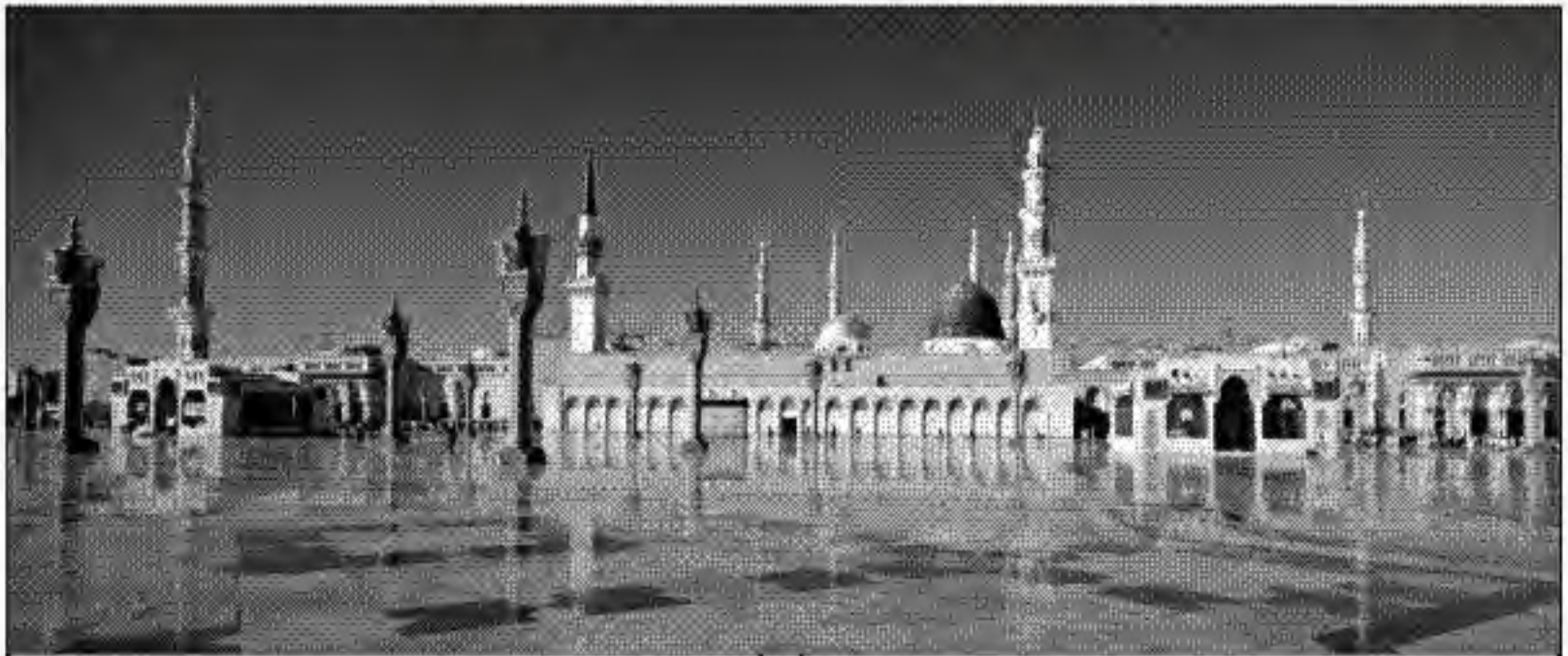
میان طاہر

مركز القرآن ایشیا



جلد سوم



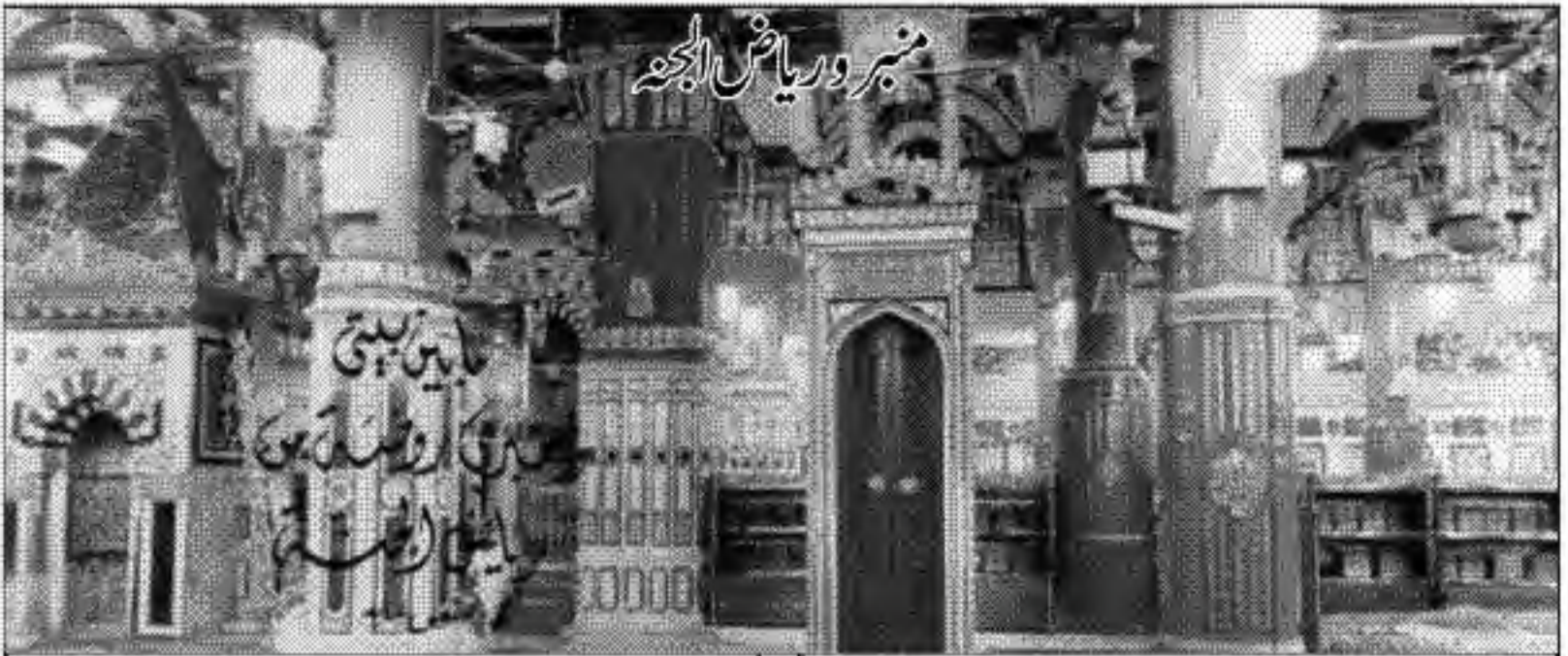


صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
686	خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ ﷺ	677	خصوصیت نمبر 26
686	نصرت بالرب	678	حالات نوح علیہ السلام
688	روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا	678	حالات ابراہیم علیہ السلام
689	حلت مخانم	679	حالات اسحاق علیہ السلام
690	عطاءئے منصب شفاعت	679	حالات یعقوب علیہ السلام
692	بعثت عامہ	679	حالات یوسف علیہ السلام
692	جوامع الکلم کا عطیہ	679	حالات داؤد علیہ السلام
693	معراج	680	حالات سلیمان علیہ السلام
702	ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کا راز	680	حالات ایوب علیہ السلام
703	قرآن کریم اور معراج شریف	681	حالات موسیٰ علیہ السلام
705	بیداری و خواب کی بحث	681	حالات ہارون علیہ السلام
707	معجزات نبویہ ﷺ	681	حالات زکریا علیہ السلام
711	پانی کا معجزہ	682	حالات یحییٰ علیہ السلام
715	دودھ کی برکت	682	حالات عیسیٰ علیہ السلام
717	تکثیر طعام	683	حالات الیاس علیہ السلام
719	خسین جزع	683	حالات اسماعیل علیہ السلام
721	حیوانات پر اثر	684	حالات ایسح علیہ السلام
722	افلاک پر اثر معجزہ شق القمر	684	حالات یونس علیہ السلام
732	اس معجزہ کی توثیق	684	حالات لوط علیہ السلام



منبر و ریاض الجنۃ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
734	دعائے عفت	725	معجزات قسم دوم
735	سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	726	اطلاع اخبار مستقبلہ
736	عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	726	جہاز بحری کی اطلاع
736	انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	727	پیش گوئی
736	مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	727	فتوحات ممالک کی پیش گوئی
736	تکبر کی مزا	728	فتح مصر کی پیش گوئی
736	شکستہ استخوان کی ڈرتی کا معجزہ	728	ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیش گوئی
737	اسماء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم	729	شاہ ایران کے متعلق پیش گوئی
755	سنت مصطفویہ صلی اللہ علیہ وسلم	729	معجزات قسم سوم
755	الْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِي	729	393 سال پیشتر کی پیش گوئی
757	الْعَقْلُ أَصْلُ دِينِي	730	654 سال پیشتر کی پیش گوئی
759	وَالْحُبُّ أَسَاسِي	731	656 سال پیشتر کی پیش گوئی
763	وَالشُّوقُ مَرَكِبِي	731	700 سال پیشتر کی پیش گوئی
764	ذِكْرُ اللَّهِ اِنْبِيسِي	731	855 سال پیشتر کی پیش گوئی
769	الْبَيْقَةُ كَنْزِي	731	1348 سال پیشتر کی پیش گوئی
770	وَالْحُزْنُ رَفِيقِي	732	زمانہ حال کی پیش گوئی
771	وَالْعِلْمُ سَلَاحِي	732	دور حاضر کی پیش گوئی
774	وَالصَّبْرُ رَدَائِي	733	معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
779	وَالرِّضَاءُ غَيْمَتِي	734	قل سے مصنون رہنے کی دعاء

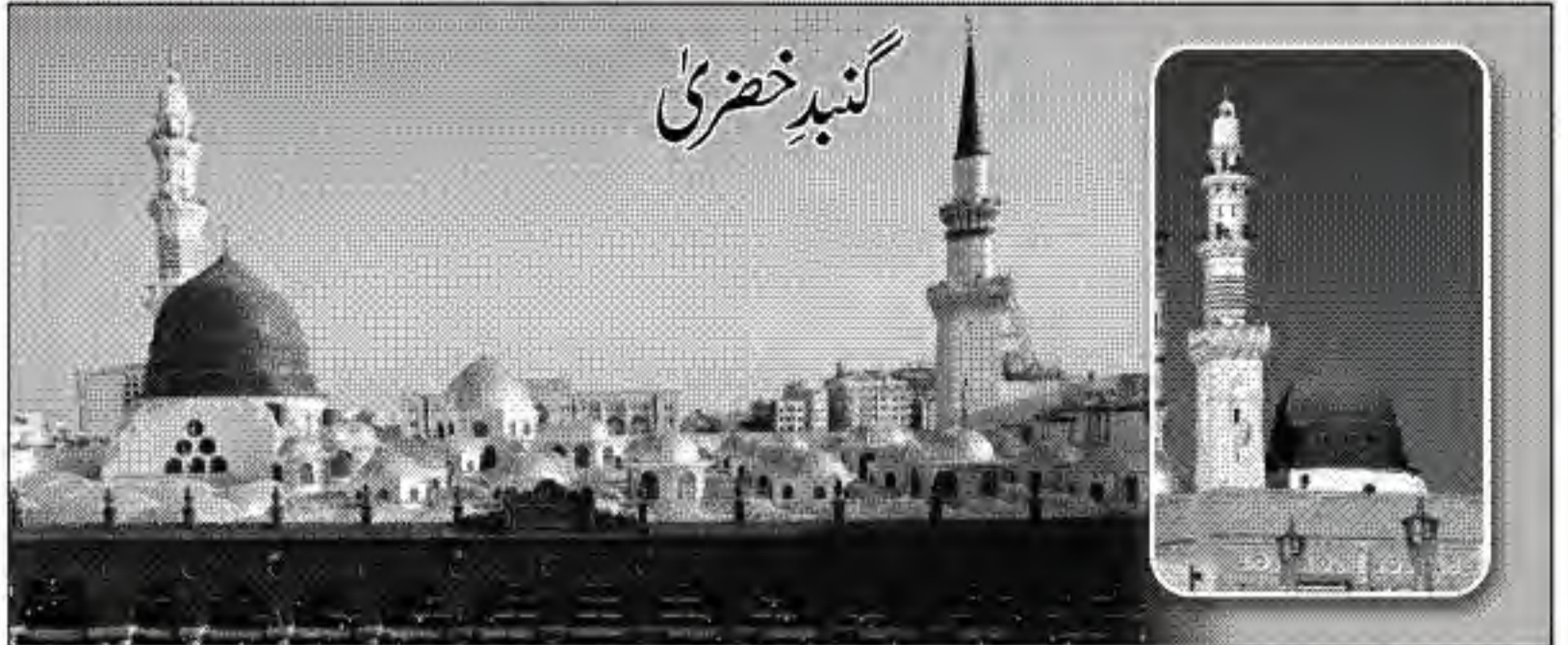


صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
814	پہلی پیش گوئی کہ اس کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا	781	وَالْعَجْزُ فَخَرِي
815	دوسری پیش گوئی کہ قرآن مجید زمین پر ہمیشہ محفوظ رہے گا	783	وَالزُّهْدُ حَرْفِي
819	نقشہ حروف تہجی	783	وَالْبِقِينُ قُورِي
822	تیسری پیش گوئی بابت جمع قرأت قرآن مجید	785	وَالصِّدْقُ شَفِيْعِي
822	چوتھی پیش گوئی کہ قرآن مجید کا حفظ رکھا جائے گا	786	وَالطَّاعَةُ حَسِي
822	پانچویں پیش گوئی کہ قرآن مجید کا حفظ کر لینا آسان ہوگا	787	وَالْجِهَادُ خُلُقِي
823	چھٹی پیش گوئی کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی	789	وَقَرَّةٌ عَيْبِي فِي الصَّلَاةِ
	ساتویں پیش گوئی کہ کوئی بطلان قرآن کے مقابلہ		
	میں نہ ٹھہر سکے گا		
823	اسلام کے متعلق چار پیش گوئیاں	791	✽ باب 2 ✽
824	پہلی پیش گوئی	791	✽ خصائص القرآن ✽
824	دوسری پیش گوئی	792	✽ ضرورت قرآن ✽
825	تیسری پیش گوئی	803	✽ فصاحت و بلاغت قرآن ✽
826	چوتھی پیش گوئی	804	✽ معانی عالیہ و مضامین نادرہ ✽
828	پہلی پیش گوئی کہ لڑائیوں میں مسلمانوں کو ہی غلبہ رہے گا	804	✽ تاثیر قرآن ✽
829	دوسری پیش گوئی کہ روئے زمین پر مسلمانوں کو حکومتیں حاصل ہوں گی	806	✽ نمونہ تعلیم قرآن ✽
830	تیسری پیش گوئی کہ اہل ایمان کی دنیوی حالت اچھی ہو جائے گی	807	✽ قبولیت قرآن ✽
830	چوتھی پیش گوئی کہ اہل ایمان کی دنیوی حالت اچھی ہو جائے گی	808	✽ خصوصیت قرآن مجید ✽
831	مہاجرین کے متعلق تین پیش گوئیاں	812	✽ قرآن مجید کا مصنف ✽
831	پہلی پیش گوئی کہ تکدستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے	814	✽ قرآن مجید کی پیش گوئیاں ✽
		814	✽ قرآن عظیم کے متعلق سات پیش گوئیاں ✽

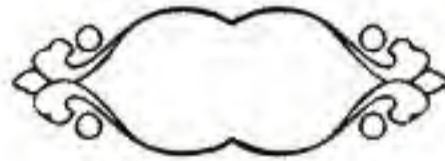


صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
850	غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں	832	پیش گوئی کہ عرب میں بت پرستی معدوم ہو جائے گی
852	یہود اور منافقین کے معاہدات پر دو پیش گوئیاں	833	پیش گوئی کہ مہاجرین کو دنیا میں اچھا ٹھکانا ملے گا
854	مسلمانوں کی تعداد کے متعلق پیش گوئی	833	پیش گوئی کہ اصحاب رسول ترقی و کمال حاصل کریں گے
855	یہودیوں کے متعلق 9 پیش گوئیاں	834	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش گوئی
858	عیسائیوں کے متعلق تین پیش گوئیاں	834	غیر اقوام کے مسلمان ہونے کی پیش گوئی
859	سلطنت روم و ایران کے متعلق دو پیشگوئیاں	835	اہل ایمان کے متعلق پیش گوئیاں
* باب 3 * * * *			
862	خصوصاً اسلام	839	پیش گوئی کہ قرآن مجید کے مخاطبین اولیٰ میں فتنہ عام پھا ہوگا
862	اسلام ہی دین التوحید ہے	839	مستہزئین مکہ کے متعلق پیش گوئی
867	اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے	841	قریش کے دشمنوں کے متعلق پیش گوئی
872	اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے	843	کفار مکہ کے متعلق پیش گوئی
877	اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کیا	843	کفار عرب کے متعلق پیش گوئی
879	اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے	843	پہلی پیش گوئی کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے
884	تذنیل	843	دوسری پیش گوئی کہ مشرکین عرب مرعوب ہوں گے
885	اسلام ہی دین العمل ہے	844	اہل مکہ کے خلاف دو پیشگوئیاں
886	اصول ارث و موارث	845	ابولہب کے متعلق پیش گوئی
889	اسلام ہی بانی اخوت ہے	844	ابولہب کی عورت کے متعلق پیش گوئی
895	اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند کیا	845	منافقین کے متعلق پانچ پیش گوئیاں
		848	مخلفین جہاد کے متعلق دو پیش گوئیاں





صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
920	✎ اسلام ہی فیضِ رساں دین ہے	898	✎ اسلام ہی غیر متعصب دین ہے
	✎ اسلام ہی نے ہدایت الہیہ کو ربوبیتِ خالقہ کی طرح	903	✎ اسلام ہی دینِ الحُب ہے
923	کُل عالم کے لئے عام بنایا	908	✎ اسلام ہی مساوات کا بانی ہے
927	✎ اسلام دینِ البر ہے	912	✎ اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا
928	✎ اسلام دینِ التقویٰ ہے	914	✎ اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے
931	✎ اسلام دینِ الصدق ہے	915	✎ اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے
933	✎ اسلام ہی دینِ الحسن و الجمال ہے	916	✎ اسلام ہی دینِ تمدن ہے





## تقدیم

### ”رحمۃ للعالمین“ اور اس کا مصنف

(از جناب علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

آج سے بیس (20) سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی۔ یہ مولوی انشاء اللہ خاں مرحوم ایڈیٹر ”وطن“ کی آواز تھی۔ انہوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ جوں کہ اسکے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں اس لیے مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خاموشی سے بیس (20) برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصانیف کی کئی جلدیں ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت عامہ حاصل کی۔ پھر یہ کس کو خیال آسکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیر باد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنا دے گا۔ اللہ کے سامنے میں اس کی دی ہوئی عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کی سزوکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصہ میں رکھی۔

رحمۃ للعالمین کے مصنف سے میں سب سے پہلے 1916ء میں واقف ہوا جب کہ حافظ عبدالعلیم تاجر کانپور نے اپنے وطن بسی میں سرہند کے قریب جو ریاست پٹیالہ میں واقع ہے ایک یتیم خانہ کے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔ مرحوم اس زمانہ میں ریاست پٹیالہ میں سیشن جج تھے دو بھی ریاست کے دوسرے عہدے داروں کے ساتھ کسی کے جلسہ میں آئے اور مجھ سے خلوص و محبت سے ملے اور دیر تک بعض پادریوں اور عیسائیوں کے ساتھ اپنے چند مناظروں کا ذکر فرماتے رہے۔ یہ طرفین کی محبت کا پہلا قدم تھا جو محمد دالغ مائی رحمۃ اللہ علیہ کی سر زمین میں ہم دونوں نے بویا۔

مرحوم مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور میرے بزرگ تھے مگر ان کی طرف سے انکسار و تواضع نے اور میری طرف سے اعتراف و اقرار نے اس حجم کی آبیاری کی اور رفتہ رفتہ اس درجہ اس میں بالیدگی ہوئی کہ اس شجر طوطی کے سایہ میں ہم نے بار بار آرام پایا۔ ندوۃ العلماء کی مجلس کے ہم دونوں ممبر تھے اور اس تعلق سے سال میں ایک دفعہ ضرور یک جا کی نصیب ہوتی۔ ایک دفعہ جب وہ اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس مسو کے صدر ہو کر آئے تو اعظم گڑھ آ کر ”دارالمصنفین“ میں بھی دورا تیں بسر کیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جانا کہ موصوف عامل بالحدیث ہیں۔ ایسے خاموش آئین بالہجر کرنے والے کو آنکھوں نے سب سے پہلی دفعہ دیکھا اور لطف روحانی اٹھایا میں نے حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا: ”یہ تو مدت العمر سے ہے۔“

مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور وفاقی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یکجا تھی وہ علم کے ملا اور دل کے صوفی تھے۔ صاف ستھرے رہتے تھے تبلیغ کے دلدادہ تھے۔ صلح پسند اور خاکسار تھے علم کی نمائش پسند خاطر نہ تھی اور ان سب سے بالاتر جو وصف

تھا وہ ذات پاک رسالت مآب ﷺ کے ساتھ شینگی اور عقیدت تھی۔ دوج کیے اور آخر دوسرے حج میں دیار حبیب ﷺ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی اور عبودیت کا سراں آستانہ اقدس پر اس طرح جھکا یا کہ پھر نہ اٹھایا۔ عشق باطن نے ظاہری نعمت کے ساتھ باطن کی یہ سعادت بخشی کہ اس سر زمین میں ان کو ہمیشہ کے لیے جگہ دی جس کے ذرہ ذرہ کے ساتھ ان کے رگ رگ کو وابستگی تھی۔

مرحوم نے اسلام کے فضائل اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں مگر ان سب میں بہتر اور جامع ان کی تصنیف ”رحمۃ للعالمین“ ہے۔ جس کے دو حصے خود ان کی زندگی میں چھپ چکے تھے۔ اور اب یہ تیسرا حصہ ان کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اس حصہ کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ قارئین دیکھیں گے کہ ایک عاشق رسول ﷺ کے قلم نے عشق و محبت کے نشہ سرور میں علم و عقل کی فرزاگی اور ہوشیاری کے ساتھ کتنی درسی اور دیدہ وری کی کیا کیا صنعت کاریاں کی ہیں۔ افسوس۔ یہ چشمہ فیض اب ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا مگر مجھے یقین ہے کہ جب تک ہندوستان میں اسلام کا دریا لہریں لیتا رہے گا رحمۃ للعالمین کے یہ کاغذی سفینے مسلمانوں کی سلامتی ایمان کے لیے اس میں چلتے پھرتے تیرتے تھرتے رہیں گے۔

مرحوم نے رحمۃ للعالمین لکھی اور رب العالمین نے اس دنیا میں اس کو قبول کے شرف سے ممتاز کیا۔ امید ہے کہ اس کی ”رب العالمین“ اور اس کے رسول ﷺ کی ”رحمۃ للعالمین“ دوسری دنیا میں بھی اس کی چارہ نوازی کرے گی۔

”رحمۃ للعالمین“ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جا بجا ہے۔ مصنف ﷺ کو توراہ اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے اس کی پوری واقفیت تھی۔ اسی بنا پر اس کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔

پیش نظر حصہ کہنے کو خصائص محمدی ﷺ کے بیان میں ہے مگر درحقیقت اس میں اسلام کے ان امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے جس کی بنا پر اس کو ”دین کامل“ کا خطاب ملا ہے۔ اس طرح اس میں آنحضرت ﷺ کے وہ فضائل و محامد درج ہیں جن کی بنا پر آپ ﷺ کو خاتم النبیین اور مکمل دین کا پر فخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔ مصنف کے دلائل ایسے دلنشین اور طرز ادا ایسا ستین ہے کہ اس کی یہ تصنیف ہر صاحب ذوق کے لیے باعث تسکین ہو سکتی ہے۔ زمانہ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ مصنف مرحوم نے اس کی پوری گہمداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الوفا والقیات و السلام کے وہ تمام امتیازات اور محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنے کے لائق تھے مرحوم نے ان کا پورا استحصا کیا ہے اور کہیں سے کسی کارآمد نکتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مناظرانہ طریق تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے مگر جس طرح خود مصنف ﷺ اس وصف میں ممتاز تھے اسی طرح ان کی یہ تصنیف بھی اس وصف میں امتیاز خاص رکھتی ہے۔ پوری کتاب مناظرانہ اور احقاق حق کی رودادوں سے لبریز ہے تاہم کہیں تہذیب اور مذاق سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔ ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ [المائدہ: 54]

اگر اس دنیا کی مقبولیت سے اس دنیا کے اجر جزیل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تو یہ کہنے میں قلم کو ہاک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصنف ﷺ کے جلال اعمال میں اس تصنیف کا شمار ہوا ہوگا اور غالباً یہی ان کا ایک کام ان کی مغفرت اور نجات کے لیے کافی ہوگا۔

کتاب کے دو پہلے حصوں نے عام قارئین کے علاوہ اسلامی مدارس و کاتب میں درس کی حیثیت سے بھی جگہ پائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ حصہ بھی اسی قدر مقبول ہوگا اور عام مسلمان اور طلبہ اس کے مضامین سے مستفید اور اس کے مطالب سے بہرہ مند ہوں گے۔

کسی مصنف کی یہ خوش قسمتی کیا کم ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے قلم کا خیر جاری رہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کا عمل باقی ہے۔ مرحوم مصنف خاک کے کسی گوشہ میں آسودہ ہے مگر اس کے ہاتھ کی جنبش نے کاغذ کے صفحات پر اخلاص و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں اس کی بہادرانہ شاہانہ سند قائم رہے گی اور اس کی خوشبو ایمان کے مشام جاں کو ہمیشہ معطر رکھے گی۔

قارئین میرے ساتھ دست پہ دے رہے ہیں کہ مرحوم کو رضائے الہی کی بہشت جاوید میں درجات عالیات نصیب ہوں کہ اس کے قلمی احسانات کا ہماری طرف سے یہی زبانی شکر یہ ہو سکتا ہے۔

والسلام  
سید سلیمان ندوی (رحمۃ اللہ علیہ)

29۔ محرم 1352ھ





## لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ رَبُّ الْمَلَكِ وَالنَّبِيِّ وَاللَّهِ الْمُرْسَلِينَ - قِيَوْمَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِينَ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ الْمَبْعُوثُ بِالصِّدْقِ وَالنُّورِ الْمُبِينِ وَرَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ - فَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَخَلْقَانِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ - آمِينَ اللَّهُ الْحَقِّ آمِينَ - آمَنَّا بَعْدُ:

قارئین کی خدمت میں کتاب رحمۃ اللعالمین کی یہ جلد سوم تمہاری ادب سے پیش کی جاتی ہے۔ اس جلد کے مضامین عرصہ ہوا کہ قلم بند کیے جا چکے تھے لیکن ہیرت نگار کے بیمار ہوجانے سے فراہمی و ترتیب مضامین میں تاخیر پرتاخیر ہوتی رہی۔

احباب کا شوق اور تقاضے اور راقم الحروف کی عداوت بڑھتی رہی۔ اب ان مضامین کو فراہم کر دیا گیا ہے لازم تھا کہ نظر ثانی کرنی جاتی مگر سفر حج کا داعیہ پیدا ہوا اور یہ ضروری کام ہو گیا۔ اب تو کلا علی اللہ روانگی سفر مبارک سے پیشتر ان اوراق کو مطبع میں روانہ کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

قبل ازیں اس کتاب کی جلد اول اور دوم شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت عام ان کتابوں کو عطا فرمائی ہے وہ محض اس کا فضل خاص ہے۔

بندہ مستمند نقش نگار حروف چند کے فہم و تصور سے بالاتر تھا کہ یہ کتاب مدارس اسلامیہ کے نصاب درسیہ میں داخل کی جائے گی۔ اور جامعہ عثمانیہ دکن، جامع عباسیہ بہاول پور و ندوۃ العلماء لکھنؤ و یونیورسٹی ہند و حمایت اسلام لاہور کے صاحبان فضل و کمال ان کتابوں کو جزو تعلیم قرار دیں گے اور جملہ مدارس ثانویہ اسلامیہ میں اس کی تدریس لازمی قرار دی جائے گی۔

امید ہے کہ اب قنات العلوم اس جلد سوم کو بھی حسن قبول کے شرف سے شرف فرمائے گا اور بزرگان دین و علمائے صدق اس کتاب کا ملاحظہ مہیا تہ التفات سے کریں گے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة: 127]

﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِسْرَائِيلَ وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

..... خاکسار.....

### محمد سلیمان سلمان منصور پوری (رحمۃ اللعالمین) (نبالہ، نواب)

[1] مصنف رحمۃ اللعالمین بی بیہ کا ارادہ بھی تھا مگر اسوں کہ پورا نہ ہو سکا اور آپ مسودہ نظر ثانی کے لیے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ چنانچہ ریل اور جہاز میں بھی کام کرتے رہے اور چند نئے ابواب کا اضافہ بھی کر دیا اور مکہ معظمہ تک پہنچنے تک اسے بالکل مکمل کر دیا۔ والہی پر جہاز میں آپ کا وصال ہو گیا اور یہ مسودہ کچھ عرصہ تک آپ کے اسباب میں ہی بند پڑا رہا۔ الحمد للہ! کتاب ازین سے طبع ہو کر نذر قارئین ہو رہا ہے۔

## خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خصوصیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق محققین کی بھی چند کتابیں ہیں، جو اسی زمانہ کے ایک خاص گروہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے موزوں کہی جاسکتی ہیں۔

مع ہذا جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے، اس کو دہرانا متلاشیان مزید کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر پوری وسعت کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم دفتر بن جائے، لہذا جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف "ماہر" کے تحت میں ہے۔ خصائص کا استنباط زیادہ تر آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیب کی خصوصیات کا جاننے والا اور وہی اس کثر غنی کی مفتاح فرمانے والا ہے۔

کی علم یا سو فہم کی وجہ سے جو غلطی مجھ سے ہوئی ہو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے: اول خصوصیات وجود گرامی۔ دوم خصوصیات نبوت، جس کے فیضان میں عالم و عالمیان بھی داخل ہیں۔ آخر میں ایک حدیث پاک سے طریقہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توضیح کی گئی ہے۔ نیز اسمائے مبارکہ میں چند اسماء عالیہ کے معانی لکھ کر باب ہذا کو ختم کیا گیا ہے۔ **وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ**۔

## خصوصیات وجود گرامی

### خصوصیت نمبر 1

﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﴾ [التح: 29] "محمد اللہ کے رسول ہیں"

آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب بھی بتایا گیا ہے۔ ہر دو اعتبار سے آیت بالا خصوصیات نبویہ کا مظہر ہے۔

﴿ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت شان کے اظہار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہمایوں (بارکت) بھی اپنے ائمہ خصوصیت رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم میں کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے سخی کے کمالات نبوت کا شاہد بدل ہو،

بطور نمونہ چند اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے:

- آدم علیہ السلام: کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابو البشر کا یہ نام ان کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔
- نوح علیہ السلام: کے معنی آرام ہیں، باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔
- اسحاق علیہ السلام: کے معنی ضاحک، یعنی ہنسنے والا ہیں۔ ہشاش بشاش چہرہ والے تھے۔
- یعقوب علیہ السلام: پیچھے آنے والا، یا اپنے بھائی یسو کے ساتھ تو ام پیدا ہوئے۔
- موسیٰ علیہ السلام: پانی سے نکالا ہوا، جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا۔

- مکی علیہ السلام: عمر دراز۔ بوڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوں کا ترجمان۔  
 □ عیسیٰ علیہ السلام: سرخ رنگ۔ چہرہ گلکوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔  
 اسمائے بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کس طرح ستمی کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے۔  
 مگر اسم محمد ﷺ کی شان خاص ہے:

حضور کا ذاتی نام محمد ﷺ بھی ہے اور احمد ﷺ بھی ہے۔ ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدت مادہ موجود ہے۔ یعنی حمد سے بنے ہیں۔ اب معنی "حمد" کا سمجھنا ضروری ہوا۔  
 ثناء و تکریم: رفعت شان و رفعت ذکر اور اتزاز جود و عطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا حرف لام یہی بتا رہا ہے۔ اور اسم پاک "حَمْدٌ" بھی اسی راز کا انکشاف کرتا ہے۔  
 سیدنا حسن المؤمنین روح القدس ﷺ نے اپنے قصیدہ کے مشہور بیت میں گویا اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَسَقَىٰ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِحْمًا قَدُوا الْعَرْشِ مَحْمُودًا وَ هَلَا مَحْمَدًا

مُحَمَّدٌ: حَمْدٌ (مضاعف) سے مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔ ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔

ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ زمرہ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں، جو لوگ حضور ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی ان سچا و شیم کے مداح ہیں جن کا لزوم و ثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔

ہاں! حضور ﷺ ہی "مقام محمود" والے ہیں اور "لواء الحمد" حضور ﷺ ہی کے رایت شاہی کا نام ہے۔ حضور ﷺ کی امت کا نام بھی انہی مناسبات سے "حمادون" ہے۔

محمد و احمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد ﷺ وہ ہے جس کی حمد و نعت جملہ اہل الارض و السماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو اور احمد ﷺ وہ ہے جس نے رب السموات و الارض کی حمد و ثنا جملہ اہل الارض و السموات سے بڑھ کی ہو۔ لہذا اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی ہے۔ وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوت پر وال ہے اور مدلول بھی۔  
 یہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء ساکت و خاموش ہیں۔

﴿اسم پاک کے ساتھ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا علم بھی سورہ الفتح آیت 29، آل عمران آیت 144 میں موجود ہے۔﴾

رسول بروزن فعول بمعنی مرسل ہے۔ اللہ کی طرف مضاعف ہونے سے اس کے معنی یہ ہو گئے ہیں کہ اس کی رسالت صرف منجانب اللہ ہے۔ وہ کسی دوسرے کا پیغام نہیں سناتا اور کسی دوسرے کی بات پہنچانا اس کی شان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جہاں یہ لفظ بہ شکل مضاعف قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہوا وہاں معرف باللام مستعمل ہوا ہے اور اسی تخصیص کا عرفان دیتا ہے۔

آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ...﴾ [الفتح: 29] اور آیت ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ [آل عمران: 144] کی تخریج

سے آشکارا ہو گیا کہ فرقانِ حمید میں جہاں کہیں بھی ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ [تہما: 59] کی وحی موجود ہے اور وحی آیات اس کے ہم معنی پائی جاتی ہیں ان سے حضور ﷺ ہی کی ذاتِ باہرکات مقصود ہے اور حضور ہی کو رب العالمین نے مطاعِ عالم اور سید الانبیاء والامم مقرر فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جملہ اہل اسلام کا ایمان رہا ہے، مگر ہمارے زمانہ میں یہ عقیدہ محدث ایجاد کیا گیا ہے کہ رسول سے مراد آیات الہیہ میں خود قرآن ہے۔ لہذا اطاعت قرآن فرض ہے اور اطاعت محمد ﷺ فرض نہیں۔ آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ (جو زبیر عنوان ہے) کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے اس مسئلہ کا حل کیا جائے۔

اہل ایمان کو تدبر قرآن سے صاف طور پر واضح ہو جائے گا کہ لفظ رسول کا اطلاق صرف انبیاء کرام پر یا ان ملائکہ پر جو رسالت کا کام سرانجام دیتے تھے، فرمایا گیا ہے، لیکن لفظ رسول کا اطلاق کسی کتاب پر بھی نہیں ہوا۔ آیات ذیل پر غور کرو:

- حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے:  
﴿يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَا كَيْفِي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاعراف: 61]  
”اے قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔“
- حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے:  
﴿يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَا كَيْفِي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاعراف: 67]  
”اے قوم! مجھ میں نادانی کی کوئی بات نہیں، میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔“
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے:  
﴿وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاعراف: 104]  
”موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔“  
﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ لِمَ تُلَؤُنِي وَ قَدْ تَعْلَمُونَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ﴾ [الغف: 5]  
”جب موسیٰ نے کہا: اے میری قوم، مجھے کیوں ایذا دیتے ہو، تم تو جان چکے ہو کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔“
- حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے:  
﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ﴾ [التہما: 171]  
”سو اس کے نہیں مسیح عیسیٰ علیہ السلام بن مریم اللہ کا رسول ہے۔“  
﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ [المائدہ: 75]  
”مسیح بن مریم تو صرف رسول ہیں۔“
- ﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ﴾ [الغف: 6]  
”عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں۔“



□ حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے:

﴿ قَالَ إِنَّمَا رَسُولٌ رَّبِّكَ ﴾ [مریم: 19]

(مریم سے جبریل نے) کہا میں تیرے رب کا رسول ہوں۔

آیات بالا سے ہویدا ہے کہ سیدنا نوح و ہود و موسیٰ و عیسیٰ اور جبریل علیہم السلام کو قرآن مجید میں رسول بتایا گیا ہے۔ فیصلہ طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ سیدنا مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسول ہی فرمایا گیا ہے۔ تو پھر کیوں دیگر انبیاء کے ساتھ رسول پر معنی پیغمبر سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ معنی کیوں نہ سمجھے جائیں۔ ذیل میں وہ آیات درج ہیں جن سے کلمہ رسول اللہ کا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ثابت ہے، وہاں تاویلاً بھی کسی کتاب سے مراد نہیں ہو سکتی۔

① ﴿ لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ﴾ [التج: 27]

”اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ٹھیک ٹھیک سچا کر دکھایا۔“

یہ ظاہر ہے کہ خواب دیکھنا انسان کا کام ہے، کتاب کا نہیں۔ خواب نبی علیہ السلام نے دیکھا تھا قرآن مجید نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

② ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ لِرَسُولِ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ﴾ [النفاقون: 1]

”جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری شہادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

منافقوں کا آنا جانا دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔ تین جگہ حرف ’ک‘ خطاب موجود ہے۔

③ ﴿ بَلْ كُنْتُمْ أَنْ لَنْ تَقْلِبَ الرَّسُولَ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ ﴾ [التج: 12]

”ہاں! تمہارے گمان تو یہ تھے کہ رسول اور ایمان والے لوٹ کر اپنے اپنے کنیوں میں نہیں آئیں گے۔“

جانا لوٹ آنا، بچ جانا، کتبہ دار ہونا، یہ صفات قرآن کے ہو سکتے ہیں؟ غور کرو کہ رسول کو یہاں کتبہ دار صاحب اہل و عیال بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ دیگر مومنین کو بھی کتبہ دار کہا گیا۔

اس سے آگے بڑھو تو ایسی آیات بھی ملیں گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پر شمول ذکر قرآن پاک ہے۔

④ ﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ﴾ [المائدہ: 67]

”اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا دیجئے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے۔“

یقیناً قرآن مجید میں ﴿مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ ہے اور سیدنا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم وہ رسول ہیں جو آیت بالا کے مخاطب ہیں جسے بلیغ فرمایا وہ فرض تبلیغ ان پر عائد کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بھی غور کرو کہ إِلَيْكَ کا مخاطب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہے جس پر نزول قرآن ہوا۔

⑤ ﴿ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا ﴾ [البقرہ: 151]

”ہم نے اپنا رسول تم میں بھیجا ہے جو تم میں سے ہے، وہ ہماری آیات تم پر پڑھتا ہے۔“

آیاتنا تو قرآن مجید ہی ہے۔ اب اَرْسَلْنَا رَسُوْلًا كَمَا مَصَدَقًا كَوْنِ نَهْرًا۔ وہ مِنْكُمْ وَالَاكُوْنُ ہے جسے قریش میں حسب و نسب بھی حاصل ہے۔ کلام اللہ المنان تو کسی حسب و نسب کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [البقرہ: 128]

”شاندار رسول تمہارے پاس آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔“

قرآن مجید کی ایسی کوئی شخصیت ہے جو نوع بشر کے ساتھ مشارکت بھی رکھتی ہے۔ المختصر قرآن پاک نے نبی ﷺ کا اسم و علم بیان فرمانے کے بعد حضور ﷺ کا رسول ہونا اور پھر بحکم الہی مطاع اور مفترض الطاعت ہونا ظاہر کر دیا، مگر قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی الْقُرْآنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ موجود نہیں ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نہایت جزم و قطعیت کے ساتھ تلاء دیا کہ سیدنا و مولانا محمد ﷺ ہی وہ رسول پاک ہیں جن کا اتباع فرض ہے اور وہی کل عالم و عالمیان کے مخدوم و مطاع ہیں۔

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [النساء: 64]

”ہم نے ہر ایک رسول کو اس لیے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن سے کی جائے۔“

کا طفر حضور ﷺ ہی کے لیے ہے اور

﴿ وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء: 80]

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

کا فرمان واجب الاذعان حضور ﷺ ہی کے احترام و احتشام میں نفاذ پذیر ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے حضور ﷺ کی شان بلند کو نہایت ارفع و اعلیٰ ثابت کر دیا ہے۔

جملہ آیات بالا سے ثابت ہو گیا کہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وہی عبد اللہ کا فرزند، آمنہ کا جایا، نبی المدنی، الای، الہاشمی، القرشی، الکنانی، العدنانی، فخر اسماعیل ذبیح اللہ، دعائے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور بشارت عیسیٰ مسیح علیہ السلام ہیں۔

جن کی اطاعت عالم و عالمیان پر تا انفراس عین عالم و عالمیان فرض عین ہے اور یہ امر حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔

خصوصیت نمبر 2

﴿ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾ [البقرہ: 151]

”وہ رسول تم میں سے ہے“

یہاں مِنْكُمْ کے مخاطب قریش مکہ بھی ہیں جو سارے عرب میں مخدوم و مطاع مانے جاتے تھے، نیز اس کے مخاطب جملہ بنی نوع انسان بھی ہیں۔

لہذا قابل غور ہے کہ مِنْكُمْ فرمانے میں کیا خوبی و مصلحت ہے؟

واضح ہو کہ حضور ﷺ سے پیشتر دنیا کی مشہور مشہور اہم نے اپنے اپنے مقتداؤں کو جنس انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت دے رکھی تھی۔

ہندوؤں میں تیس (32) کے قریب ایسے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ ”اوتار“ کا خطاب لگا ہوا ہے۔ اوتار کے معنی ہیں کہ خود خدا منس (انسان) کے چولے میں آیا۔ یعنی ایشر نے شکل مادی اختیار کر کے جامد مخلوق پہن لیا ہے اور پھر انسان یا شیر یا خوک (خنزیر) یا کچھوا وغیرہ بن کر اپنی قدرت الوہیت کے نمونے ظاہر کیے۔

عیسائیوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو اوتار ہی کا درجہ دیا۔

اہل ہیت نے دلائی لاما کو خالقیت کی مسند پر بٹھلایا۔

اہل انگلستان نے کنگ آرثر (King Arthur) کی کرسی کو معصوم وغیر معصوم کی شناخت کا آلہ ٹھہرایا۔

اہل ناروے کا دوڈن بت صدیوں تک یورپ کا خدا بنا رہا۔

تاتاریوں نے بھی التقواییم کے مجہول النسب بیٹوں کو فرزند ان نور قرار دیا۔

زمان مصر نے بھی جمال یوسفی دیکھا تو جھٹ ان کے بشر ہونے کی نفی کر کے ان کو فرشتہ بزرگ کا لقب دیا۔

ان حالات میں ایک سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اس حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں اور بشریت کو مخلوقیت کا برترین درجہ

قرار دے کر خود کو بشر بتلاتے ہیں۔

اسی پاک لفظ **مِنْكُمْ** نے ایک طرف انسان کا **أَشْرَفَ مَا سَخَانَ** ہونا بتلایا اور دوسری جانب ان کو تاہمینوں کو نظر بلند پرواز کا ہم عنان بنایا۔ توہمات کے بادل چھٹ گئے، ظنون و ادبام کا پردہ چھٹ گیا، نادانانہ قنیت کا حجاب اٹھ گیا اور نقش حقیقت لوح قلب پر جاگزیں ہوا کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات اور اقتدار فوق الطبیعات کو رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ اس لیے سرور کائنات ہیں کہ کمالات عہدیت کا اتمام و احتشام حضور ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوا یا گیا ہے:

﴿ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مَّرْسُولًا ﴾ [بنی اسرائیل: 93]

”میں ہوں مگر بشر رسول۔“

پس ”مِنْكُمْ“ نے درجہ بشریت کو بالا بنا دیا ہے اور نبی ﷺ کی ذات ہمایوں کو کو تاہمینوں کی خیالی توجیہات سے ارفع و اعلیٰ

ثابت کیا ہے، جس سے حضور ﷺ کا رسول رب العالمین اور مبشر جمعین ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

خصوصیت نمبر 3

﴿ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ [انعام: 113]

(تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا)

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔

اب لفظ **عَلَّمَكَ** ظاہر کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

دنیا میں شاعر کو تعلیم قوت شہنائی و بینائی یعنی حیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام "تعلیم پاجانا" رکھا جاتا ہے۔  
انبیاء کی تعلیم ان کے قلب سے شروع ہوتی ہے ﴿ اَنْزَلْنَاهُ عَلٰی قَلْبِكَ ﴾ لہذا اللہ کی تعلیم دینے اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَنْسِي ﴾ [الہن: 6] "ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔"

تعلیم ربانی کا نسیان سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلم یا معلم میں نہیں پائی جاسکتی۔ جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی موجود ہیں اور اخبار مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور عہد حال کے احکام بھی بکثرت ہیں۔ تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی الامی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ کے لیے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے، پھر چالیس (40) سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلم سے نا آشنا ہی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کے دفتر کھول دیئے۔ آیت اولین:

﴿ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾ [العلق: 1-3]

"پڑھا اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔"

پڑھاؤ ڈالنے کے حضور ﷺ کی الف۔ با۔ تا۔ کی حقیقت خلقت انسانی سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں مشی فلسفی بھی حیران ہیں۔

لہذا آیت بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔

خصوصیت نمبر 4

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ [الشرح: 1]

"کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھولا۔"

شرح صدر کے متعلق ایک روایت ہے جسے صحیح مسلم میں انس بن مالک سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق نبی ﷺ کے عالم صغریٰ سے ہے، جب کہ حضور ﷺ وائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ میں تھے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ انھوں نے سینہ مبارک میں اثر عجیب بھی دیکھے تھے۔  
شرح صدر کے متعلق دوسری روایت صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہما عن مالک بن معصوم والی ہے جس میں شرح صدر شب

معراج کو بہ مقامِ حظیم ہوا تھا۔ [1]

قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے۔ وہ روایات بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور بائیں ہمد و سبج تر معانی کا بھی اظہار کرتا ہے۔ آیات ذیل پر غور کرو۔

﴿قَمَنْ يُّرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يَضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ [الأنعام: 125]  
 ”جس شخص کو اللہ راہِ راست دکھانا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔“

﴿أَقَمَّنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ﴾ [الزمر: 22]

”بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔“

﴿وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ [العل: 106]

”لیکن جن کا سینہ کفر کے لیے کھلا ہے، ان پر اللہ کا غضب ہے۔“

﴿وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي﴾ [الشعراء: 14]

”میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان رواں نہیں۔“

﴿قَالَ رَبِّ شَرِّحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي﴾ [طہ: 25-26]

”کہا: اے رب میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان بنا دے۔“

□ آیت اول میں شرح صدر اسی حالت کو فرمایا گیا ہے جب ہدایت الہی توفیق راہ اور رفیق سا لگ ہو جاتی ہے اور سینہ میں دین صحیح کا شوق جوش زن ہوتا ہے۔

□ آیت دوم میں ہے کہ رغبت صحیحہ اور شوقِ اصلیہ کے بعد دینِ حقہ حاصل ہو جاتا ہے اور پھر برکاتِ دین کے انوار کا حصول ہوتا ہے۔  
 □ آیت سوم میں ہے کہ جس شخص کا رجحان و میلان بہ جانبِ کفر ہوتا ہے وہی شرح بالکفر کا مصداق ٹھہرتا اور غضبِ الہی کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

□ آیت چہارم و پنجم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہیں جب ان کو تبلیغ و انداز کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا، تب انہوں نے اسی خدمت کو خوف و ہراس سے دیکھا اور عرض کیا کہ میرا سینہ اس بار خدمت سے بھنچا جاتا ہے۔ اس حالت نے جرأت کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب ان کو اطمینان مزید منجانب اللہ عطا فرمایا گیا تب انہوں نے آیت پنجم والی دعا کا استعمال کیا۔

ہاں گاندہ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ صداقت و حقانیت کا غلبہ ہو جائے اور قلب کو وہ اطمینان کلی مل جائے جو ہدایت و نور تک فائز ہو جانے کے لیے کافی ہو۔

نبی اللہ ﷺ کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ ابلاغ و انداز کے لیے ہمت عالی اور عزمِ مہراخ اور استقامتِ محکم حاصل ہو،

کسی بادشاہِ جبروت، کسی کافر کی فرعونیت کا رعبِ سینہ صافی پر سائے گلن نہ ہو سکے۔ اپنی تہمتی، بے کسی، بے سرو سامانی کا خیال بھی اٹھ جائے۔

اب آیت زینت عنوان کو سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کے ساتھ ملا کر پڑھو کہ جب حضور کو ﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ کا فرمان ملا تو حضور ﷺ نے کوئی عذر نہیں کیا، کسی خوف و ہراس کا اظہار نہیں فرمایا تکذیب کا خوف، قتل کا ڈر قلب پاک کے نزدیک بھی نہ آسکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تو ایک فرعون کے پاس جانا تھا لیکن نبی ﷺ کے معاندین میں سینکڑوں فرعون طینت تھے۔ فرعون تو ایک حکومت منظر کا حکمران تھا، اس لیے اس قتل موسیٰ علیہ السلام کو باضابطہ کونسل میں پیش کر دیا تھا۔

﴿قَالَ لِلْمَلَآئِكَةِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ﴾ [الشعرا، 34-35]

”فرعون نے اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ تو بڑے علم والا جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم لوگوں کو جادو کی طاقت سے تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب تم بتلاؤ کہ مشورہ کیا ہے؟“

سرداروں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو مہلت دے۔ مگر عرب کے سفاک و خونریز نہ تو کسی کونسل (Council) کی رائے کے پابند تھے اور نہ کسی سے مشورت کرنے کے روادار۔ نبی ﷺ حکم ملتے ہی فوراً انذار و تبلیغ کے لیے اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

وہ سینہ جواب تک علوم درسیہ سے خالی تھا، نور و معرفت کا خزینہ اور ہدایت و عرفان کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ ہزاروں درہزار علوم و حکمت کے رموز و اسرار اس سے نکلنے اور اہل دنیا کے دنی کو ظلمات سے نور میں لانے کا سبب ٹھہرتے ہیں۔

آیات قرآنیہ پر تدریس کرنے والا جب دیکھے گا کہ شرح صدر وہ مقام رفیع ہے، جس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو خود طلب مسالت کرنی پڑی اور نبی ﷺ کو قتل از سوال یہ عطیہ ہوا اور پھر خود رب العالمین نے حضور ﷺ سے اس کی تصدیق کا سوال بطور استفتاء تقریری فرمایا۔ تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت بالا میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیت علیا کا اظہار فرمایا گیا ہے

خصوصیت نمبر 5

﴿وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ﴾ [المشرق، 12]

”ہم نے تیرے بوجھ کو تجھ سے اتار دیا۔“

”وِزْر“ بارگراں کو کہتے ہیں۔ حَمَلٌ وِزْرٌ کسی دوسرے کو بارگراں سے سبکدوش کر کے خود اس کی ذمہ داری کو لے لینا ہے۔ انہی معنی میں ہے: ﴿وَلَا تَسْرُدْ وَازِرَةً وِّزْرًا أُخْرَى﴾ ”کوئی گناہ گار کسی دوسرے گناہ گار کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔“

وزیر: وہ عہدہ دار ہے جو سلطنت کی تمام ذمہ داریوں کا مروج ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر جب باریت ڈالا گیا تو انہوں نے دعا کی تھی۔

﴿وَاجْعَلْ لِي وِزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي﴾ [طہ: 29-30]

”میرے گنہ میں سے ایک کو میرا وزیر بنا دے۔ میرا بھائی ہارون اس منصب کا شایان ہے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ فرانس ہوت کی ادائیگی کچھ آسان نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو پہلے ہی دن وزیر ملنے کی درخواست کر دی تھی، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں ایک دستاویز رکھا تھا اور آفتاب عالم تاب کی طرح فضا میں چھائے ہوئے تاروں کی کثرت پر یا عالم پر طاری شدہ گہری ظلمت پر نظر نہ کرتے ہوئے بذات واحد علم تو حید اور راہت تبلیغ کو بلند فرمایا تھا۔ اس ایثار و بے جگری اور اس اطاعت و فرماں برداری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت فرماتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے۔

زبان عرب میں موازرت پہ معنی معاشرت مستعمل ہے۔ وَازْرَتْ فُلَانًا مَوَازِرَةً کے معنی ہیں اَعْتَنَهُ، عَلِيَ اَعْرَمَ یعنی اس کام میں مدد کی۔

وہ بوجھ کیا تھا؟ مفسرین کے اقوال متعدد ہیں اور یہ ضروری ہے کہ بعض کو بعض پر ترجیح ہو۔ ترتیب کلام پر نظر غائر ڈالو۔ یہ آیت (الْمُتَشْرِكُ لَكَ صَدْرُكَ) [المشرک: 16] اور ﴿وَرَكْعَتَا لَكَ فِي شُكْرِكَ﴾ [المشرک: 4] کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ لہذا یہ زیادہ موزوں ہے کہ اس آیت کا زمانہ بھی ہر دو حالتوں کے درمیان میں ہو۔

اس وزر کا اندازہ مندرجہ ذیل آیات سے ہو سکتا ہے:

① ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ اَنْ لَا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ [الشعراء: 13]

”کیا تم اپنی جان کو ان کی اس حالت پر ہلاک کر دو گے۔“

② ﴿فَلَا يَخْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يَسْرُونُ وَمَا يَعْهَدُونَ﴾ [النس: 76]

”ان کی باتوں سے آپ کے دل پر صدمہ نہ ہونا چاہیے۔ ہم ان کی چھپیں اور کھلی حالت کو خوب جانتے ہیں۔“

اہل ضلالت کا کفر و کرم و شرک پر جمود، دلائل سمعیہ و براہین بصریہ پر التفات سے انکار، عقیدہ آباء پر اصرار، تحقیق حق سے فرار، فواحش کی کثرت، اباطل کی اشاعت، انسانیت کا فقدان، سعیت کا زور، یہ سب وہ امور تھے جن کا ستناد کھینا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بار خاطر تھا۔ قوم کا ایسی نجاسات میں آلودہ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پروردول پر سخت صدمہ تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اعانت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم رفتہ رفتہ پھیل گئی کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹتی گئیں۔ رب العالمین نے ملک کے گوشہ گوشہ سے ان پائیزہ منش لوگوں کو ابھارا اور خدمت عالی میں ان کو پہنچایا، جو اسلام کے لیے سابقین اولین ٹھہرے۔

انہوں نے نہ صرف اپنے لیے خدائے روح حاصل کی، بلکہ سینہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ درد دل بھی اخذ کیا جو کہ درد مندوں کا غم گسار ٹھہرا اور مجروحوں کا چارہ کار بنایا۔ مثلاً صدیق الامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اموی، قہری، جہمی، خندومی، اسدی، عدوی، قبائل میں نور تبلیغ پہنچایا، حبشی، بربری، سوڈانی، امت و غلام کو ﴿مُسْفِرَةٌ صَاحِبَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ﴾ [ص: 39] ”روشن، خندہ رو، بشارت یافتہ چہرے“ کی جماعت میں داخل کیا۔

خاتم الاخلاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آل ہاشم و آل بنو طالب میں نصرت و معیت کا آوازہ لگایا۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ریگستان میں اور عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے طائف کے کوہستان کی چوٹیوں پر اس پیغام کو پہنچایا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں تبلیغ کا باقاعدہ مدرسہ کھولا۔ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار حبش میں اسی پیغام کی صدا بلند فرمائی۔

یہ وہ نظارہ تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔ یہ وہ نظارہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک، بازو کی





قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقص دل کو ضرور اچھل پڑنا چاہیے تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو یہ سب کیا کیوں ہوئی اور پیش گوئیاں یاد نہ تھیں؟ جو انانجیل: معنی، یوحنا، کی تصانیف کا مایہ خیمہ ہیں۔  
کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ وانی ایل نی کی ان برکات سے بے خبر تھا؟ جس نے ہائیل کے کافر و جاہر بادشاہ کو یہودی حفاظت و اکرام پر  
آمادہ کر دیا تھا، جس نے لاکھوں ایمان داروں کو قتل و صلیب سے بچا لیا تھا، جس نے سینکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر  
شواب سے کھول دیا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شلتی ایل کی خدمات کا علم نہ تھا؟ جس نے اسیری سے رہائی پا کر اتنا بڑا ایوان پر و خلم تعمیر کر دیا تھا جو  
ہیکل سلیمان سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا علیہ السلام کی کہانت [1] اور حضرت یوحنا پتسمہ دہندہ [2] کے زہد و عبادت اور وعظ و تذکیر  
کے حالات سے نا آشنا تھا۔ ان سب کا جواب منفی ہے۔

پیارے عزیز واپرو فیہ سراطس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہچانتا ہوا، بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں  
سے صرف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔

اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ کارلائل کو انبیاء علیہم السلام میں سے صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا۔ اسی لیے  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر اسے بس کرنا پڑی۔ دیکھو حکماء و شعراء اور فلاسفوں کی صف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کا انتخاب  
کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہذا اگر وہ چاہتا تو بحث نبوت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔

لہذا ہماری دلیل اور ابھی متین و وثیق ہو جاتی ہے اور پتا لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مورخانہ تحقیقات کی نگاہ سے  
آفتاب نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تب اسے ہزاروں سال کے عہد و سنج کے آسمان پر اور کوئی کو کب نبوت نظر نہ آیا، جسے وہ اس آفتاب  
کے دوش بدوش اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ ایک صحیح الاعتقاد عیسائی، گیمبرج یونیورسٹی جیسے دارالعلوم کا مسلمہ استاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز  
ہے ہزاروں انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا اور سینکڑوں انبیاء علیہم السلام کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا  
نمونہ پیش کر سکتا تو سیدنا مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وجود باجوہ کا ذکر کر سکا۔ اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا جو قرآن حکیم میں ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [21: اب: 21]

”تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ملیں گے۔“

[21] رفعت ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں، اسے بھی یاد رکھنا چاہیے، ہم نے موجودہ ہائیل سے عبارت کر دیا ہے سیدنا  
ابراہیم علیہ السلام سے لے کر یعقوب و موسیٰ، داؤد و سلیمان، یسعیاہ، مریمیاہ، دانی ایل، حزقی ایل، حقوق، ملاکی، یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام نے محامد  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نعوت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسالیب بدیعہ اور علامات متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے

[22] لفظ کہانت عیسائی اصطلاح میں اخبار عن الغیب میں آتا ہے اور اسی لیے وہ اس لفظ کا اطلاق انبیاء کی پیش گوئی پر کیا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی یہاں اس لفظ کا استعمال اسی  
معنی میں کیا ہے۔ [23] ایک عیسائی مذہبی رسم

جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔

انجیل اول کے مصنف سینٹ متی (Saint Mathew) نے ان چند پیش گوئیوں کی تائیدات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔

اگر کوئی منصف ہے تو ان جمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اس کا موازنہ کرے اور پھر ان آیات بیانات کو دیکھے جو بائبل ہی کے اندر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر ثابت و متحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو صحت صادقہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل ان کو مضامین بائبل پر حاصل تھی، ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیح علیہ السلام کی ذات گرامی سے تھا۔

ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیح علیہ السلام ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں ان پیش گوئیوں کو لیتے ہیں جو جناب متی کے زمانہ تک بطور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان سب رکھیں کہ اسی موجودہ بائبل کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام مقام ولادت اور دار ہجرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے قبائل کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برسر پیکار آنے والی قوموں کے نام اور ان کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں کہ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کی صحیح تفسیر ہیں اور ان سے یہ امر بہ وضوح ظاہر ہو جاتا ہے کہ رب العالمین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔

بے شک اس فضیلت علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم ثابت نہیں ہوا۔ وَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ.....!

خصوصیت نمبر 7، 8، 9

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ [انجیل 3]

”تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔“

﴿وَلَا جِزْرَةَ خَيْرٍ لَّكَ مِنَ الْاُولَى﴾ [انجیل 14]

”آخرت تیرے لیے بہتر ہے۔“

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ [انجیل 15]

”تیرا رب تجھے اتا دے گا کہ تو راضی و خوش ہو جائے گا۔“

ہر سہ آیات سورہ النحل کی ہیں۔ علمائے مفسرین کا اتفاق ہے کہ ابتدائے بعثت میں اول کلام الہی کا نزول ہوا اور اس کے بعد وحی

میں ابطاء (دیر و درنگ) ہوا۔ وحی کارک جانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب صادقہ کی ترقی اور شوق کی افزونی کا سبب ٹھہرا۔

یہ ظاہر ہے طلب و اشتیاق تردد و اضطراب سے جدا نہیں رہ سکتے۔ قلب و روح پر وحی ربانی نے جو باب علوم و حقائق کھول دیئے



﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ [المجن: 1] ”اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا۔“  
یہ درس گاہ بسم اللہ تھی۔ آئندہ معارف و حقائق کے دروازے کھلے رہیں گے اور انوار و برکات اور مشاہدات تدریسیات کے ترشحات چمن آرائے نبوت ہوں گے۔ نصر و تمکین کا نشان سر بلند ہوگا۔ فراوانی علوم اور کثرت مؤئین کا نظارہ خوش آئند۔  
چنانچہ یہی ہوا کہ ترتیل و تنزیل کے ساتھ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ یا نکل میں پہلے سے یہ پیش گوئی موجود تھی، حکم پر حکم، حکم پر حکم، تھوڑا یہاں، تھوڑا وہاں۔

عطا و نوال کی مقدار کو خود جناب رسالت مآب ﷺ کی خوشنودی و رضا پر مقرر فرمایا گیا اور عطیہ کا اندازہ نہ صرف تعلق و اضطراب کے ازالہ کی حد تک مقصود کیا گیا بلکہ خود طلب و شوق کی فراخی اور دل و روح کی خوشنودی کو اس کی حد بتلایا گیا ہے۔  
یہ انتہائی فضل و اکرام کی، یہ حدی تکمیل کمالات کی۔

یہی نبی ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے کہ عطیہ کی مقدار خود حضور ﷺ کی خوشنودی و رضامندی کی حد تک بڑھا دیا گیا ہے۔  
اسی خصوصیت کی تکمیل فرماتے ہوئے رب العالمین نے حضور ﷺ کے اصحاب کو بھی ضلعت رضوان سے مشرف فرمایا ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [التح: 18]

”اللہ مومنوں سے رضامند ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کرتے تھے۔“

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ [البینہ: 18] ”اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔“

فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْقَائِمُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ﴾

”ایمان لانے والے جنہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں مال اور جان سے جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں بہت بڑے درجے والے ہیں اور یہی مراد کو پہنچے ہوئے ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضوان اور جنات کی بشارت دیتا ہے، بہشت میں دائمی نعمتیں ہیں ان کے لیے۔“  
[النوب: 20-21]

فرمایا:

﴿وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [النوب: 72]

”اللہ کی رضوان تو سب سے بڑھ کر ہے اور یہی سب سے بلند تر کامیابی ہے۔“

فرمایا:

﴿وَرَضِيَتْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدہ: 3]

”میں خوش ہوں کہ اسلام تمہارا دین ہو۔“

﴿مَا سَبَعْنَا بِهَذَا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا أُجْرَةٌ ۝﴾ [احزاب: 20] (لہذا آخرت کا ترجمہ مانا جا سکتا ہے۔) خازن نے تحریر فرمایا ہے: وَغَسَلُ الْأَجْرَةَ عَلِيٌّ ظَاهِرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْأَجْرَةَ مَعًا أُولَى۔

ہمارا یقین و ایمان ہے کہ یہ شان نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ کے دست مبارک پر ایمان لانے والوں کو بھی رضائے رحمن اور خوشنودی منان کا گراں مایہ عطیہ ارزانی فرمایا گیا اور اس طرح پر وہ وعدہ صادق پورا کیا گیا، جو آیت زیب عنوان میں ہے۔  
﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ [الحی: 5] ”تیرا رب تجھے وہ کچھ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔“  
اس کا مکمل نظارہ اہل ایمان یوم الدین کو ملاحظہ کریں گے جب کہ ان کے طلب و سوال اور وہم و گمان سے بھی سیکڑوں درجہ بڑھ کر انعامات کا نزول فرمایا جائے گا۔

خصوصیت نمبر 10

### ﴿النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ﴾ [الاعراف: 157]

”وہ نبی امی ہیں“

امی یہ محقق ہے کہ سیدنا مولانا محمد المصطفیٰ ﷺ کے سوا ﴿الْكَرْسِيُّ الْأُمِّيُّ﴾ اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔ حضور ﷺ کا یہی لقب انبیائے کرام ﷺ کو اور سابقہ ام کو بتلایا گیا ہے۔ علماء نے اسم امی کے متعلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں قارئین کے لیے ان پر غور و ملاحظہ فرمادیں۔

① امی: ام القرئی کی نسبت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام ام القرئی فرمایا ہے:

﴿وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَيْمِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ [الانعام: 92]

”کہ تو ام القرئی والوں کو اور اس کے گرداگرد کی بستیوں کو ڈرانے۔“

مشہور قدیم جرمن مؤرخ سپرنجر (Sprunger) اور سکریڈر (Sacradet) کا قول ہے کہ ان محققین کی رائے بالکل درست ہے جو اولاد و نسام کا اصل وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔ اسلامی روایات صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی ”بلدہ مکہ معظمہ“ جہاں خانہ بدوش قوموں نے قیام کیا اور بربریت و وحش کو چھوڑ کر عمران و تمدن کی زندگی میں داخل ہوئے۔  
الغرض تاریخ اور روایت کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ ”ام القرئی“ ہے۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف توجہ کرنا چاہیے، انہوں نے بنائے کعبہ کے وقت یہ دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ [البقرہ: 126]

”اے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور یہاں والوں کو میوہ جات کھلایا کیجیو۔“

دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں: ﴿وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ [البقرہ: 129]

”ان میں ایک شاندار رسول بھی جو انہی میں سے ہو مبعوث کرنا۔“

دعاے ظلیل میں دو باتیں عجیب ہیں:

① اس بستی کے رہنے والوں کے لیے جہاں کی زمین ناقابل زراعت ہے، میوہ جات اور ثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔

ان الفاظ کی برکت آج تک نظر آرہی ہے کہ مکہ کے بازار سبزیوں، ترکاریوں اور گونا گوں میوہ جات سے بھرے نظر آتے

ہیں۔ یہ علامت ظاہری اس امر پر دلالت ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے خلیل کی دعا کو من و عن شرف قبولیت بخشا۔

② یہی دعا بوضوح بتلا رہی ہے کہ صرف خوراک جسمانی یا لذائذ کام و دہن تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا بلکہ روحانیت کے لیے دعا کے الفاظ زیادہ پر زور تھے۔ وعدہ کا رسول اور دعائے خلیل علیہ السلام کا رسول ﷺ مبعوث ہوا اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا۔ اس کے جنسی و نسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس بہتی کے سردار تھے۔ لہذا ام القرنی کی نسبت سے اسے امی کہنا درست ٹھہرا۔

③ امت کی "ت" بہ وقت نسبت گر گئی ہے، جیسے مکہ سے مکی۔ اندر میں صورت ام امی اس حدیث صحیحہ کی تفسیر ہے جو صحیح مسلم میں بروایت انس رضی اللہ عنہ موجود ہے۔

انا اکثرت الانبیاء تبعاً کثرت امت کے لحاظ سے میں سب انبیاء سے بڑھا ہوا ہوں۔ ④

④ ام امی: ام کی طرف منسوب ہے اس اعتبار سے نبی ﷺ بیوہ پاک فطرت و عصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب و نقائص سے ایسے ہی پاک و صاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔

ام المؤمنین عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے انہی معانی پر نظر رکھتے ہوئے اشعار ذیل نبی ﷺ کی شان میں پڑھے تھے اور ان اشعار کو سن کر آقائے نامدار نہایت مسرور الوقت ہوئے تھے۔ ⑤

وَمَبْرُوءَةٌ مِّنْ كُلِّ غَيْرٍ حَيْضَةٍ  
وَإِذَا نَظَرْتُ إِلَى أَسْرَةٍ وَجْهِهِ

”آپ ذہنی مرض، دودھ پلانے والی کے بگاڑ وغیرہ جیسے ہر عیب سے پاک ہیں۔ جب تو ان کے چہرہ انور کو دیکھے تو

حیران و ششدر رہ جائے۔ جب وہ اپنے مالک کی تحمید کرتے ہوئے بزدلوں کے مقابل آتے ہیں۔“

⑤ امی: ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ حضور ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم و فنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور حضور ﷺ کے لوح قلب پر تقریر یا تحریر کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔

ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے، جو ایک ایسے بچے کی ہوتی ہے جو نہ کتب گیا، نہ درس لیا، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا، نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔

یہودیوں نے اسی لیے اہل عرب کا نام امیون رکھ دیا تھا۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا أَلَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأَمِينِ سَبِيلٌ﴾ [آل عمران: 75]

”یہودی کہتے (کہ ہم ان امی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں، ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔“

یہی نام اہل عرب کے لیے معرفہ بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا﴾ [البقرہ: 2]

”اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔“

یہی لفظ اہل کتاب کے ناخواندہ اشخاص کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے:

① مسلم: 196/331 ② خصائص الکبریٰ جلد اول ص 20 بروایت خطیب و ابن عساکر و شیخی۔

﴿ وَ مِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ ﴾ [البرقہ: 78]

”یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں، جن کو کتاب کا کچھ علم نہیں۔“  
الغرض لفظ امی سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ طرز و طریق خواندگی اہل دنیا سے بالاتر تھے۔  
اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّوْنَ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَارْتَابَ الْمُبِطُونَ ﴾ [احکاب: 48]  
”اے رسول! قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ تمہارے دست راست نے کبھی کوئی خط  
کھینچا تھا، تب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔“

معنی بالا کے لحاظ سے اسم نبی الامی حضور ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ہے۔

واضح ہو کہ نبی، نباء سے ہے اور نباء واقعہ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی وہ ہے جو علم عالیہ اور وقائع عظیمہ کی  
اطلاع اہل عالم کو دیتا ہو اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف سے مضاف ہوتا ہے تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور شرائع  
عالیہ اور نوامیس ربانیہ کی اطلاع براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو نباء سے بھی مشتق بتایا گیا ہے۔ نباءت کے معنی مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو، جہاں کوئی انسان  
اکتساب و محنت و ریاضت سے نہیں پہنچ سکتا اور اس مقام پر اس کے فائز ہونے کا سبب محض اصطفاۃ ربانی ہوتا ہے۔

نبی الامی کے وصف نے بتلا دیا کہ حضور ﷺ حرف شناسی و خط کشی سے تو دور ہیں اور بائیں ہمد علوم عظیمہ و آیات کاملہ کا  
صدر حضور ﷺ سے برابر ہوتا رہا۔

اہل سیرت جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا، بلایا جاتا اور حضور اس طرز خطاب سے خرسند و  
مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جو نبی کسی شخص کو ذرا شہد بد کہنے کی لیاقت ہوئی تو وہ اپنے لیے فاضل، ماکمل، الوذی،  
الہمی، العلامہ وغیرہ الفاظ سننا اور کہلانا پسند کرتا ہے اور یہ ہر ایک صاحب قلم و زبان آدر کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ  
اصلیت سے بڑھ کر اس کے علم و فضل کا اندازہ لگایا جائے، لیکن ایک سیدنا محمد ﷺ ہیں جن کو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور امی  
ہونے کا اقرار ہے۔ اس اعتراف و اقرار پر بھی ہزاروں علماء، سیکلز و فلاسفر حاضر ہوتے، زانوں نے ادب تہہ کرتے اور اقرار کرتے کہ ان  
لوگوں کا علم و فہم اور حضور کا عرفان و نظر و قلم کی مثال رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ سب دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ محاسن اخلاق، محامد اعمال، تدبیر منزل، سیاست  
مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو کھلی، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے۔ اس کی درس گاہ  
قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرائین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی  
پہلو پہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور آن و احد اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت امی لقب

سے عَلَّمَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي کا نور بخش ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کا دعویٰ متحقق ہو رہا ہے۔  
 ﴿۵﴾ لقب امی کی وجہ یہ ہے کہ اول انبیاء ابو البشر آدم علیہ السلام سے لے کر آخر الانبیاء بنی اسرائیل عبد اللہ صلی بن مریم علیہ السلام تک  
 جملہ انبیاء و مرسلین نے حضور ﷺ کے نعوت عالیہ اور اوصاف جلیہ بیان کیے۔ الف سے آدم اور میم سے مسیح مراد ہے اور یائے نسبت  
 اسی رازی کا شرف ہے۔

امی و گویا بزبان فصیح از الف آدم و میم مسیح ﴿۱﴾

خصوصیت نمبر 11

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ﴾ [الکوثر: 11]

”ہم نے تجھے کوثر عطا کیا“

کوثر بروزن فوعل ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لیے ہے، جب اسے  
 بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت ہالائے کثرت اور فراوانی میں از فراوانی اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا الْكَوْثَرُ خَيْرُ الْكَثِيرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ  
 إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بَشِيرٍ قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ السَّعِيدُ النَّهْرُ الَّذِي  
 فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ. ﴿۱﴾

”ابو بشر نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ  
 تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی۔ ابو بشر کہتے ہیں، میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ لوگوں  
 کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے۔ سعید نے جواب دیا: ہاں او جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر  
 ہی میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔“

حوض کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔ ﴿۱﴾ لہذا حوض کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے  
 ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زینب عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات لامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی  
 ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

ازاں جملہ:

﴿۱﴾ امت محمدیہ ﷺ ایسی نبوت جامعہ، ریاست عامہ، دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی۔

اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ:



﴿ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴾ [النساء: 80]

”جس شخص نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“  
کا فرمان صادر ہوا۔

اور اسی نبوت کے گلہائے رنگین میں سے ہے کہ:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ [النساء: 64]

”ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لیے بھی کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت کی جائے۔“  
کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔

صاحب کوثر رضی اللہ عنہ وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الہی جاری ہوا۔

صاحب کوثر رضی اللہ عنہ وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔

صاحب کوثر رضی اللہ عنہ کی نبوت وہی نبوت ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت انتہائے عالم سے

ملی ہوئی ہے۔ رب العالمین کے کلام پر غور کرو، وہ یہ بھی فرماتا ہے:

﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ﴾ [آل عمران: 18]

”اللہ کی شہادت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔“

نیز وہ یہ بھی اعلان فرماتا ہے:

﴿ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ﴾

”اللہ کی یہ بھی شہادت ہے کہ محمد رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔“

جب رب المشرقین و رب المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدق و مؤکد فرماتا ہے تو نبوت محمد رضی اللہ عنہ اور رسالت

مصطفویہ رضی اللہ عنہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

ازاں جملہ:

② کوثر سے مراد اسلام ہے، وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول و منظور ہی نہیں۔

وہی اسلام جس کا انبیائے عظام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ اعلان فرمایا۔

وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع اور اصلاح و فلاح ظالمین کا ذخیرہ ہے۔

ازاں جملہ:

③ کوثر سے مراد کثرت امت محمدیہ رضی اللہ عنہم ہے، یہ کثرت حدود و کے احاطہ سے باہر ہے اور یوم فی یوم ترقی پذیر ہے۔

1881ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ (37500000) بیان کی جاتی ہے اور 1921ء کی مردم شماری

میں ان کی تعداد پونے سات (67500000) کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس (40) سال سے اکیلے ہندوستان میں

مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دو چہند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس پیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے

یہ لفظ اس کے اکثر اقوام میں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ بحر نما میں گر رہی ہیں۔  
یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے سوتوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے  
آسانی پر چھا رہا ہے۔

ازاں جملہ:

کوثر سے مراد قرآن مجید اور کتاب حمید ہے۔

یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شانجائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد جس کی مدح و ثنا کے استیفاء سے عاجز ہے۔ عمر نوح اور فہم  
بجبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصر اسرار قرآن ہی سے قاصر ہیں۔ بے شک یہی کتاب قلم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے۔ یہی  
مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزات انبیاء علیہم السلام کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مبارک  
میں اس معجزہ کا وجود نمونہ پایا جاتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اثر دھابن جانا، پھر اثر دھات سیرت اولیٰ پر عود کر جانا، ایک ایسا نظارہ ہے جو کہ کوہ طور کے بعد فرعون ہی  
کے دربار میں دیکھا گیا۔ وہی عصا بنی اسرائیل کے لیے انجبار ماء کا آلہ بنا۔ ضرورت باقی رہی تو وہی عصا کا عصارہ گیا۔ پھر وہی  
عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ، دائمی معجزہ ہے، ابدی معجزہ ہے، اس کا اعجاز ہر وقت، ہر  
آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت وہ ہر حین پیش کر سکتا ہے، بے شک یہ  
ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب رب رحمن ہونا ضروری تھا۔

کوثر سے مراد وہ فضائل کثیرہ اور محامد جمیلہ اور نعوت منکاشہ ہیں جو وجود باوجود مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مندرج و منطوی تھے:

<input type="checkbox"/>	اثابت آدم علیہ السلام	اور	استقامت نوح علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	علم اسماعیل علیہ السلام	و	علم خلیل علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	درس اور لیس علیہ السلام	و	حفیث شیت علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	حقانیت اخیس علیہ السلام	اور	عاقبت بنی یعقوب علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	نورانیت یوسف علیہ السلام	و	صالحیت صالح علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	ہدی ہود علیہ السلام	اور	جمیعت شعیب علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	لطف ہود علیہ السلام	اور	عبرت عزیز علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	شکوہ سلیمان علیہ السلام	و	امدود یحییٰ علیہ السلام
<input type="checkbox"/>	داد و داد علیہ السلام	و	دعائے یونس علیہ السلام

(3) آج کل پاک و ہند میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد چھتیس کروڑ (350000000) سے تجاوز ہے۔

□ ایاب ایوب علیہ السلام	و	ذباب زکریا علیہ السلام
□ امامت بارون علیہ السلام	و	ایناس الیاس علیہ السلام
□ زبدی علیہ السلام	و	علوم موسیٰ علیہ السلام
□ احسانیت لقمان علیہ السلام	و	انقیاد و خضر علیہ السلام
□ مساعی السبع علیہ السلام	و	کفایت ذوالکفل علیہ السلام

### عليهم الصلوة والسلام

یہ ایسے الوان گونا گوں ہیں جو الہی شمس حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں۔ رحمۃ اللعالمین کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگ خاص میں رنگین بنا دیا ہے۔

⑥ کوثر سے مراد سید کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صحاح اللغات نے تحریر کیے ہیں۔

یقیناً حضور ﷺ سید ولد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو "یس" کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔

پانچویں حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سید ہیں۔ حضور ﷺ ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر و شرک کو دور فرمایا۔

حضور ﷺ ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشم کو رسوا کو بینائے حقائق بنایا۔

حضور ﷺ ہی وہ نور بخت ہیں کہ قلب عالم کو منور اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔

حضور ﷺ ہی وہ عبد کامل ہیں کہ انسانیت کو تخت سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیہ کوثر نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور امید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگان جمال حضور ﷺ کے زلال

الطاف سے بہرہ یاب اور عطشان خشک زبان حضور کے جام کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہوں گے۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ (آمین)

### خصوصیت نمبر 12

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۚ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَ

يَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۚ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح: 1-3]

① آیت بالا میں فتح مبین کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اور اس کے نتائج بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

② مقدم و مؤخر ذنب کا غفران

③ اتمام نعمت

④ صراط مستقیم کی ہدایت

⑤ نصر عزیز کی یادری و معیت

علمائے کرام نے ذنب ما تقدم و ما تاخر پر خوب بحث کی ہے اور ان کا غفران بتلایا ہے۔



اہمیت قانونی، اخلاقی، آئینی کا اندازہ بہت کم بزرگوں کو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اسی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور ان نتائج اور فوائد اور برکات کو آشکارا فرمایا جو انعقاد صلح کے مترتب ہونے والے تھے۔

صحیح بخاری (باب عمرۃ الخدیجیہ) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگ یوم الفتح سے مراویح مکہ سمجھتے ہو، ہاں فتح تو وہ یہی ہے مگر (گروہ صحابہ) تو حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو یوم الفتح قرار دیا کرتے تھے۔ (1)

روایت بالا سے واضح ہو گیا کہ معاہدہ حدیبیہ اور بیعت الرضوان کا نام "فتح مبین" ہے۔ اس جگہ معاہدہ حدیبیہ کے فقرات متعدد روایات کو جمع کرنے کے بعد درج کیے جاتے ہیں۔

هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَسَهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَعَلِيٌّ:

یہ وہ سمجھوتہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو (کاشف قریش) کے درمیان ہوا۔ یہ کہ:

- (1) أَنْ يَخْلُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَتَطْلُوفَ بِهِ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ  
سال آئندہ میں مسلمانوں کو بیت اللہ اور طواف سے نہ روکا جائے گا۔
- (2) وَلَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسَّلَاحِ إِلَّا السَّيْفُ فِي الْقِرَابِ ، يَخْلُوفُونَ لَهَا مَكَّةَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ  
مسلمانوں کے ساتھ ہتھیار نہ ہوں گے بجز تلوار کے جو میان سے باہر نہیں نکالی جائے گی مکہ مسلمانوں کے لیے تین (3) دن تک خالی چھوڑ دیا جائے گا۔

(3) وَلَا يَخْرُجُ مِنْ أَهْلِهَا بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَّبِعَهُ وَأَنْ لَا يَمْنَعُ مِنْ أَصْحَابِهِ أَحَدًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يَقِيمَ بِهَا۔  
اس وقت اہل مکہ میں سے کوئی شخص اگر مسلمانوں کے ساتھ جانے کا ارادہ بھی کرے تو اسے ساتھ نہیں لے جایا جائے گا، لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔

- (4) وَعَلَى أَنْ جَاءَ الْقُرَيْشُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يَرُدُّوهُ إِلَى الْمُسْلِمِينَ  
اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائے گا تو اسے واپس نہ کریں گے
- (5) وَمَنْ جَاءَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْقُرَيْشِ بَرُدُّوهُ إِلَى الْقُرَيْشِ  
لیکن اگر قریش کا کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ اسے واپس کر دیں گے۔

(6) وَعَلَى مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ فِي عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَعَهْدِهِ دَخَلَ فِيهِ وَمَنْ دَخَلَ فِي عَقْدِ قُرَيْشٍ وَعَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيهِ۔  
قبائل میں سے جو کوئی پسند کرے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کی جانب کو پسند کرے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو گیا ہے۔

- (7) وَعَلَى أَنَّ الْحَرْبَ تَوْضَعُ بَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِينَ۔  
دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی۔

(8) وَعَلَى أَنْ بَيْنَنَا عَيْبَةٌ مَكْفُوفَةٌ فِي صُدُورِ مَلِيحِهِ (9)  
آپس کے سب جھگڑے فراخ جو صلگی کے ساتھ طے کیے جائیں گے۔

معاہدہ بالا کو اگر دنیا کا کوئی سلیٹس مین (مدبر و سیاست دان) دیکھے گا تو سمجھ لے گا کہ مسلمانوں نے بہت ہی دب کر، بلکہ گھٹیا شرائط پر معاہدہ کیا تھا۔

لیکن ہادی اسلام ﷺ نے اسی کو فتح مبارک بتلایا اور قرآن مجید نے اسی کو فتح مبین فرمایا۔ وہ کھلی فتح کیا ہے؟

- ① وہ یہ ہے کہ کینڈنوز جنگ آور قریش نے دس سال (10) تک چپ رہنے، جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔
- ② وہ فتح یہ ہے کہ جائین میں آمدورفت کی راہ کھل گئی۔
- ③ وہ فتح یہ ہے کہ اب مسلمانوں کو قبائل کفار میں تبلیغ کا موقع مل گیا۔ حقیقت اسلام کو سمجھنے کے بعد جموں نے شکوک زائل ہونے لگے اور ظنون باطل ٹھہرے۔

لفظ فتح کا استعمال جنگ کی فیروز مندی پر بھی کیا جاتا ہے اور صل مشکلات پر بھی اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اسلام کے لیے یہی فتح مبین تھی کہ اشاعت اسلام کی دشواریاں جاتی رہیں۔

اب آیت ذریعہ عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے۔

① اس کے معنی گناہ بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزی احکام شرعیہ کے معنی میں ہے۔

② اس کے معنی الزام کے بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق ملکی یا قومی یا حکومت کے احکامات کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔

جب ہم ذنب ہفتسین کو دیکھتے ہیں جس کے معنی ”وہم“ ہیں تو اہتقاق اوسط کے اصول پر ذنب الفتح و سکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔

ذنب بفتح اول۔ اسی ذول کو کہتے ہیں جوڑی کے سرے پر بندھا ہوا ہو۔ یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب رہبری کرتا ہے۔

لہذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی گناہ اللہ کا تھا۔

قرآن مجید کی زبان سے سنو، موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُون﴾ [اشعرا: 114]

”انہوں نے مجھ پر ایک الزام لگا رکھا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔“

ظاہر ہے کہ فرعون یا قوم فرعون کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی گناہ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا لہذا اس کا ترجمہ ”الزام“ بھی صحیح ہے۔

تاقوانا لفظ ”الزام“ اور لفظ ”جرم“ کے معنی میں بہت تفاوت ہے۔ ”الزام“ کا اطلاق اس نسبت سے جرم پر کیا جاتا ہے کہ ہادی

انگسٹر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک کسی شخص پر کسی فعل ممنوعہ ملک یا قانون کا مرتکب ہونے کی بابت گمان کیا جاسکے۔ اور ”جرم“

کا اطلاق اس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر فرعونوں نے قتل عمد کا الزام لگا رکھا

تھا اور اس فعل کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا قتل و قصاص تھی۔

موسیٰ علیہ السلام فرعونوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ سٹیجی دماغ سے ذوق ”نیت“ کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے

اور اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادتاً منجر بہ ہلاکت ہو سکتا ہے یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اس کا منجر بہ

ہلاک ہونے کا ظن غالب ہو سکتا ہے۔

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موی علیہ السلام کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام قتل لگایا گیا تو وہ 323 تعزیرات ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادمی فعل رہ جاتا ہے جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

[2] حدیث میں ہے: إِذَا تَصَافَحْتَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔ [3]

صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنی میں اس جگہ تحریر کیا ہے: اَيْ عَهْلٍ وَشَحْنًا يَعْنِي ذَنْبَ كَعْنِي يَهَا كَعْنِي اَوْرَثَكَ دَلِي هِيَ۔ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ وَاللَّامِئِينَ﴾ یہاں نبی اور مومنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔

ان جملہ امور کو مد نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت زبیب عنوان میں ذنب بمعنی الزام قوم ہے، اور "ما تقدم" سے مراد زمانہ قبل از ہجرت اور ما تاخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے۔ علماء سیرت آگاہ ہیں کہ نبی ﷺ پر کفار نے جو الزامات و اتہامات لگائے تھے، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے اور بعد از ہجرت الگ۔

### اتہامات قبل از ہجرت

یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے۔ یہ اوروں سے سن کر فسانے بنا لیتا ہے، اس کے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے جو اسے ایسی پڑھت پڑھاتا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

### الزامات بعد از ہجرت

یہ قوم میں پھوٹ ڈالنے والا ہے، مکہ کو جاڑنے والا ہے، بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو ماں سے جدا کرنے والا ہے، ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا، قومی انتظامات کو پرانگندہ کر دیا، وغیرہ وغیرہ۔

### مومنین پر بھی ایسے ہی الزامات لگائے جایا کرتے

بے عقل ہیں، کوتاہ بین ہیں، کہینے ہیں، غلام ہیں، ناقابل التفات ہیں۔ آیت ﴿تَزُقِرِيْ اَعْيُنُهُمْ﴾ ان کی نگاہوں میں حقیر ہیں۔ "میں انہی امور کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمد ﷺ کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔

آیت ﴿لَا تَنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفِقُوْا﴾ [المنافقون: 7] جو شخص رسول ﷺ کے ارد گرد ہیں ان کو خرچ نہ دو یہ خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ "میں یہی بات ان کو بتائی گئی ہے۔

عروہ بن مسعود نے بھی جب وہ قبل از اسلام نبی ﷺ کے حضور میں سفیر قریش کی حیثیت سے آیا تھا۔ یہی الزام مسلمانوں کو زور زور مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ اس کا جواب سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا ثمر شیریں یہ ہوگا کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹنے سے سب اگلے پچھلے الزامات اٹھ جائیں گے، دب جائیں گے، زیر خاک ہو جائیں گے۔ لفظ غلظ کے لغوی معنی بھی یہی ہیں: صداقت رسول ﷺ آشکار ہوگی۔ بصارت کھل جائے گی۔ بصیرت بیدار ہوگی۔ اتہامات و الزامات کی لغویت کا خود ان لوگوں کو اقرار بہ ندامت و انفعال کرنا ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح کے بہت جلد مترتب ہو گئے تھے۔

بشارت دوم: ﴿وَيَوْمَ نُنْعِمُ عَلَيْكَ﴾ [سورہ 6] ہے۔ ”اللہ اپنی نعمت کو آپ پر پورا کرے گا۔“  
یعنی صلح حدیبیہ کا ثمر دوم اتمام نعمت ہوگا۔ آیت بالا میں جس کا سال نزول 6ھ ہے۔ اتمام نعمت کا وعدہ ہے اور آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ [المائدہ: 3] میں نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔“

میں جو 9 ذی الحجہ 9ھ کو نازل ہوئی، اس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔ اتمام نعمت کے معنی ہیں اتمام اشاعت دین اور کمال تبلیغ دین متین اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفائے قریش کے اندر رکی ہوئی تھی وہ روک بھی اٹھ گئی۔ موانعات کے دور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے، پھر پچاسوں اور سینکڑوں کی تعداد میں داخل اسلام ہونے لگے تھے۔

بشارت سوم: ﴿وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ [سورہ 2] ہے، ”سیدھی راہ پر اللہ تجھے لے چلے گا۔“  
جولح کا تیسرا ثمر شیریں ہوا۔ یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگ راہ بنے ہوئے تھے، جس شاہراہ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا وہ صاف ہو جائے گی۔ اور حضور کو اپنی تعلیم پر چلانے اور ساکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔  
بشارت چہارم: ﴿وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا﴾ [الت: 3] ”اللہ تیری مدد بڑی دست نصرت کے ساتھ فرمائے گا۔“  
ہے جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہوگا۔

یعنی نصرت الہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکار ہوگی۔ قلوب میں کشش، ارواح میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔ میسوں نہیں سینکڑوں نہیں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ صداقت کے جو یا، حقیقت کے طالب بن جائیں گے۔ حتیٰ کہ ﴿يَذُخُّونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ [النصر: 2] ”اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔“ کا نظارہ چشم ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔  
نصرت الہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے:

﴿إِنَّا نَنْصُرُوهُ لَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيًا إِذْ هَمَّ فِي الْعَارِ﴾ [البقرہ: 40]  
”اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے تو اس کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا اور رسول ﷺ کو ایلم اس وقت دو میں سے دوسرا تھا اور وہ دونوں اس وقت غار میں تھے۔“

ہاں! نصرت الہیہ ہی کا کرشمہ تھا کہ نبی ﷺ اور صدیق ﷺ دونوں غار کے اندر موجود ہیں اور کفار اشرار برسر غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں، مگر نصرت ربانی کام کر رہی ہے۔ یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو گئے ہیں۔



غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا، قریش کے انعام اور بت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام راستہ کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا۔ یہ تین سو (300) میل کا راستہ سینکڑوں اعداء دین کا روکا ہوا تھا۔ پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر خوش اسلوبی سے طے ہو جاتا ہے۔ بنو کنانہ کے مدلی سردار نے اگر تعاقب بھی کیا تو منہ کی کھائی اور بریدہ اسلمی نے بھی اگر تعاقب کیا تو زمرہ خدام میں منسلک ہو گیا۔ حضور ﷺ کے قدم سینت لڑوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اس اہل ایمان تک لے جاتا ہے اور اہل مدینہ اس نعمت خدا داد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ یہودی آنکھیں بھی اس نظارہ سے جس کی خبر حقوق نبی نے دی تھی پتھر جاتی ہیں۔

اب چھ (6) سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی ام القرى اور اس کے حوالی میں قدرت رہا یہ اور نصرت الہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھانا منظور ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ فتح مبین اور اتمام نعمت اور ہدایت راہ مستقیم و عزت کے معنی سیرت رسول پاک ﷺ ہمیشہ سے مشکلات اشاعت کی دوری اور مواعلت تبلیغ کا اندفاع کر رہے ہیں جس کا نتیجہ اعلیٰ کلمۃ الحق اور ظہور صداقت و بروز حقیقت رہا ہے۔

سبے شک یہ سب وعدے، یہ جملہ بشارات حضور ﷺ ہی کی حیات طیبہ میں منجانب اللہ پورے فرمائے گئے تھے۔ لہذا آیت زریب عنوان حضور ﷺ کی رفعت شان اور منصب عظیم کی مظہر اتم ہیں اور حضور ﷺ کی خصوصیات کی میرین کرنے والی ہیں۔ مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سراپا نور کے مغفور الذنب ہونے کا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

تحریر بالا تو حضور ﷺ کے مداح علیا کی اور زیادہ وضاحت کن ہے۔ اگر وہ ذات قدسی جسے رب العالمین نے

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: 21]

”تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔“

فرما کر اہل عالم و عالمیان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے، مغفور الذنب نہ ہو تو پھر عصمت انبیاء کے کیا معنی رہ سکتے ہیں؟ میرا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں، منزلت و وسیلہ کے سریر آرا (تخت نشین) ہیں، شفیع المذنبین ہیں۔ شفاعت کبریٰ حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے: اَقْدَمُ وَمِنْ دُونِهِ فَحَتَّ لَوَالِي وَ لَوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِي ”آدم اور ان سے نیچے سب برگزیدہ لوگ میرے جہنم سے کے نیچے ہوں گے اور حمد کا جہنم اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔“ حضور ﷺ ہی کا مرات کمال ہے۔

الغرض عصمت کاملہ اور شفاعت کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زریب عنوان سے ان معانی کا استفادہ بھی ہو گیا کہ اعداء دین نے جو الزامات سرور کائنات ﷺ پر لگائے تھے، ان کا ازالہ بھی حضور ﷺ کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری اور اشاعت اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ سب بیت العکبوت (کھڑی کا گھر) ثابت ہوئیں۔

قریش نے سمجھا تھا کہ جب نو مسلم لوگ اکسٹراڈیشن (تحويل مجرم کا قانون، Extradition) کے مجرم بن جائیں گے تو قریش کے جبر و ستم اور بند و قید کے خوف سے آئندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہوگا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا مل جائے گا کہ وہ ترک اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آ کر جملہ حقوق شہریت سے مستمع رہ سکیں گے اور مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائیں گے، مگر یہ دنوں خیال چھوٹے نکلے اور صرف اشاعت اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملا دیا اور عظیم اکلیم نے اسی معاہدہ کو فتح سمین اور نصر عزیز بنا دیا۔

بے شک کوئٹہ میں آنکھ تو یہ نہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ دو شخص جو رات کی تاریکی میں گھروں سے نکلے اور غار کی تہ میں چھپ کر رہے، یہی کل دنیا کے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے شرک کی ظلمت اور جہل کی تاریکیاں دور ہوئیں، توحید کا نور گھر گھر پہنچا اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود غشی اور میلہ سجاج کی نبوت کا ذبہ کے دعاوی مفاک ہلاک میں ڈالے گئے اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں مستاصل کی گئیں۔

اسی طرح اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوئٹہ اندیشان قریش کی عقل اور سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ جو مسلمان مسلمانوں سے یہ طور مجرم حاصل کیے جائیں گے وہی لوگ جس وزندان میں بیٹھے ہوئے مبلغ اسلام کی شان دکھلائیں گے اور بیسیوں کو مسلمان کر سکیں گے۔

جو لوگ "اسلام بزور شمشیر" کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ ان کی آبادی اور سکونت کے انتظام کی حامی بنتی ہے اور بائیں ہمد کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا، جس سے اس حمایت و حفاظت و جذبہ داری کا قاعدہ اٹھایا ہو۔

المختصر آیات زبیر عنوان سے نبی ﷺ کی خصوصیات، خوبی آسکار ہیں اور مضمون ہذا کی مناسبت سے اس قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى نَبِيِّهِ وَحَبِيبِهِ وَآلِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ وَتَارِكٍ وَسَلَّم

خصوصیت نمبر 13

﴿ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ﴾ [انفال: 17]

”جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہ پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا“

یہ آیت سورہ انفال کی ہے، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حمر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورہ انفال کا نزول یہ مقام بدر ہوا۔ ﴿﴾ لہذا ثابت ہو گیا کہ جس واقعہ کی طرف آیت بالا میں اشارہ ہے، وہ بھی غزوہ بدر ہی کے واقعات سے ہے۔

اہل التفسیر و اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے قریش کے لشکر کو دیکھا تو زبان سے کہا، الہی! یہ قریش ہیں، فخر و غرور میں

چور، تیرے نافرمان، تیرے رسول ﷺ کے کذب، میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں، جبریل علیہ السلام آئے۔ کہا حضور ﷺ ایک

مشت خاک لیجیے اور قریش کی طرف پھینک دیجیے اور نمونہ قدرت باری ملاحظہ کیجیے۔

نبی ﷺ نے نکر یوں والی مٹی کی مٹی بھری اور لشکر اعداء کی طرف پھینک ماری۔ اس لشکر خود سر میں ایک ہزار (1000) کے قریب وہ لوگ تھے، جن کے کبر و افتخار کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ یہ مٹی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پٹی اور ان بے بھران حقیقت کو بتلا گئی جو رسول پاک ﷺ کی شان سے اندھے ہیں وہ اسی امر کے سزاوار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں اور خاک راہ ان کے لیے سرمہ بنے۔ واقعہ عجیب تھا کہ مشت خاک اور ایک ہزار (1000) اعمی القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے، اس لیے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا کہ اس میں دست قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقل انسانی کے لیے عجوبہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ ﴿مَا رَمَيْتَ﴾ کی نفی اور ﴿إِذْ رَمَيْتَ﴾ کے اثبات میں اور ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ کے نتیجہ سے اتحاد ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہذا یہ سمجھ گئے کہ یہی آیت ہے جو حقیقت محمدیہ ﷺ کے چہرہ سے برقع کشا ہے، مگر ایسی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے:

کہ نبی ﷺ کے خلق عظیم کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کی عفو اور درگزر اور قوم پروری پر نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعداء کی نگاہ میں بھی اس لیے تعجب خیز تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تو کبھی بدی کا بدلہ لینے والے نہ تھے۔ ان کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کے لیے کبھی اٹھتا نہ تھا، ہم لوگوں نے تیرہ (13) سال تک مکہ میں سن سن کر دیکھ لیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں آف تک نہ کرتے تھے، ہاتھ میں جنبش دینا تو کیا، زبان کو ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد ﷺ کو کیا ہو گیا کہ اس کی عادت بدل گئی؟ کیا اس کی فطرت میں تبدیلی آگئی؟ کیا اب بھی خلق محمدیہ ﷺ کو دنیا کے لیے نمونہ بنایا جائے گا؟

رب العالمین کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے حبیب پاک ﷺ کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں، جھٹ اس کی نفی فرمادی اور بتلادیا کہ اخلاق محمدیہ ﷺ تو وہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلمہ ہیں، مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی کا ذاتی فعل شامل نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیر انداز کے ہاتھ میں ایک کمان کا ہے۔ لہذا ہمارے رسول ﷺ کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو اور اسے ہمارے ہی جلال کی شان سمجھو۔

﴿إِذْ رَمَيْتَ﴾ میں فعل کا اثبات اسی حیثیت سے ہے جو کمان کا تیر اندازی میں ہے اور ﴿مَا رَمَيْتَ﴾ فعل نبوی ﷺ کی نفی اسی حقیقت پر ہے جو تیر انداز کے سامنے کمان کی ہے۔ لہذا آیت کا محل اصلی ذات رسول ﷺ ہے اور اہل اسلام کے لیے سبق ہے کہ ہم سب پر بھی اعداء کے ان اعتراضات کی جوابدہی لازم و واجب ہے جو حضور ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بھری و کوتاہ بینی سے زبان پر لاتا ہو۔

کمان کو تیر انداز اور ہندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد و حلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے؟ ہاں! آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے، اسی سورہ انفال کو پڑھو کفار مکہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی۔

﴿اللَّهُمَّ إِنَّ كَمَا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا جِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ [انفال: 32]

”اللہ! یہ محمد ﷺ کی نبوت اور تیر انداز نام لے کر آیات قرآنی کی تلاوت اگر وہ درحقیقت تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے۔“

دیکھو ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ یہ دعا تو کرتے ہیں کہ ہم پر پتھر برسے اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر محمد ﷺ سچا ہے، اس کی دعوت سچی ہے تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبول حق کا جوش ہمارے اندر پیدا کر دے۔

ان پر پتھر آؤ گا ہونا ضروری ہو گیا تھا، کیوں کہ حقانیت اسلام کے لیے انھوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا، لہذا رسول ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشت خاک ان پر پھینک دو۔ جب یہ مشت خاک سب کی آنکھوں میں پینچے گی تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں اس طرح پتھروں کا آسمان سے برسا بھی بعید نہیں۔

لہذا یہی معجزہ بھی ہے اور منکرین کے لیے ان کی خود منہ مانگی بات کے اصول پر حجت و دلیل بھی۔ اس توجیہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیے۔

کہ رمی جہارہ سے رامی کا مقصد ان لوگوں سے براءت و بیزاری کا اظہار بھی ہے، جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں جو بوجہ حبش باطن حقانیت و صداقت سے اس قدر دور ہو چکے ہوں کہ بظاہر آثار رشد بھی ان سے معدوم ہو چکے ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بمقام منی مغوی شیطان پر تین بار رمی جہرات فرمانا اور پھر نفاذ حکم الہی پر یکمال طوع و رغبت مستعد رہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزند جلیل ﷺ اور وعائے ابراہیم علیہ السلام نے بھی بدر میں اسی نمونہ کا اتباع فرمایا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک شریر انفس کو خامب و خامر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

فخر الانبیاء ﷺ کی ایک ہی مشت خاک نے ایک ہزار (1000) طائفی و باغی فوج اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرمادیا۔

محمد عربی کا بر دے ہر دوسرا است  
کے کہ خاک درش نیست خاک بر سرا  
الغرض یہ آیت حضور ﷺ کے خصائص خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ



## خصوصیاتِ ثبوت

خصوصیت نمبر 14

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ [آل عمران 164]

”نبی لوگوں پر اللہ کی آیات کو پڑھ کر سناتا ہے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے چاہا کہ خدمت اسلام میں وہ کام کریں جو سخت مشکل ہو، مسلمانوں نے بتلایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید کا سنانا ہے۔ یہ دھن کے پکے تھے، قریش کے مجمع میں پہنچنے اور تلاوت قرآن شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاپس آئے تو ان کا سارا بدن ابولہبان تھا اور زخموں نے چہرہ کو بے پہچان بنا دیا تھا۔<sup>(1)</sup>

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو آیات قرآنیہ کا پڑھ کر سنانا کتنا کٹھن کام تھا اور نبی ﷺ ہر روز ای کام میں لگے رہتے تھے، آبادی مکہ کے اندر ہر ایک مجمع میں حضور ﷺ پہنچتے تھے اور قرآن سناتے تھے۔ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے تھے اور اسے پیام الہی پہنچاتے تھے۔ آبادی سے باہر بھی جتنے راستے آنے جانے والوں کے تھے، ان سب پر دن کی روشنی میں اور رات کی تاریکی میں حضور ﷺ جاتے تھے اور قرآن کی تلاوت سے آنے جانے والوں کے کانوں میں حکم الہی ڈالتے تھے۔

عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا، جہاں حضور ﷺ نہ پہنچے ہوں اور حضور ﷺ نے تبلیغ بذریعہ تلاوت اور اشاعت بذریعہ دعوت نہ فرمائی ہو۔ عکاظ کا ذرہ ذرہ اور طائف کا پتہ پتہ حضور ﷺ کی تلاوت کا گواہ ہے۔

غور کرو، اس گوہر مقدس کی جرأت و فتوت، نجدت و جلالت پر رزم گاہ عالم میں جملہ افراد عالم بلکہ اقوام عالم کے خلاف اپنی زبان کھولتا ہے، ہر ایک کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے۔ ہر ایک کا شیشہ پندار سنگ براہین سے توڑتا ہے، ہر ایک کے بت بطلان کو سندان حقانیت پر پھوڑتا ہے۔

اسے نہ ضرب کا ذرہ، نہ ضرر کا غم، نہ خوف و خطر کا اندیشہ۔ اس کا سینہ دھجکے نیزہ و تیر سے دل نہیں چراتے، اس کی زبان بیان توحید سے بند نہیں ہوتی، اس کی سرگرمیاں لوگوں کی سردمہری سے ٹھنڈی نہیں پڑ جاتیں۔ مال کی طبع، حکومت کی لچاہٹ اسے اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ تلاوت آیات کتنا کٹھن، دشوار اور خطرناک کام تھا اور یہ نبی کریم ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، جسے حضور ﷺ نے ایسی خوش اسلوبی سے پورا کیا کہ اپنی آواز کو ہر ایک غافل تک پہنچایا۔ ہر ایک فحلت زدہ کو خواب سے چونکایا اور ہلا خرسب کو ”بیدار“ کر کے چھوڑا۔

آج اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کا عمل سہل و آسان سمجھتا ہے تو اسے بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مخالفین کے زمرہ میں تلاوت کا کام فی

الواقع آج بھی آسان نہیں اور اب اگر کسی قدر سہولت پیدا بھی ہوگئی ہے تو یہی اسی تلاوت نبوی ﷺ کی برکت اور اثر ہے، جس کے لیے حضور ﷺ خود گونا گوں مصائب اور بولکھوں نواجب کی برداشت کر چکے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلاوت کی دو صورتیں ہیں:

① خود اپنے لیے پڑھنا، اس کے آداب الگ ہیں، مثلاً حسین صورت، حضور قلب، معافی پر فکر و تدبر، حقائق و معارف کی خواہی۔

② دوسروں کو پڑھ کر سنانا، وہ دوسرے بھی کون؟ مخالفین دین، جن کے کان سننے سے اور دل سمجھنے سے سخت منکر ہوں۔

ان کو اس طرح سنانا کہ ثواب ابدی، عذاب اخروی، نعمائے الہی، رضوان ربانی سننے والے کو مشکل نظر آنے لگیں، بدن لرز جائے اور دل کانپ اٹھے، آنکھ کھل جائے اور طبیعت اپنے سابقہ اطوار سے رک جائے۔

یہ کام بے شک بدرجہ کمال حضور ﷺ ہی کے کرنے کا تھا اور قرآن گواہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کام کو حمدی کے ساتھ سرانجام دیا اور اسی لیے حضور ﷺ کا یہ طریق ”خصوصیت“ میں داخل ہوا۔

خصوصیت نمبر 15

﴿وَيَعْلَمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: 151]

”نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔“

آیت کا خطاب جملہ اہل عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں، جن سے دنیا واقف و بے بہرہ ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے صادق المہجہ نے استعداد و تقاضا اور قابلیت مستمعین کا اندازہ کرتے ہوئے اعلان فرمایا تھا۔  
 اِنِّ لِيْ اُمُوْرًا كَثِيْرَةً اَيْضًا لَا قَوْلَ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ تَسْمِعُوْا اِلَّا اَنْ وَاَمَّا مَنِيْ جَاةَ ذٰلِكَ رُوْحَ الْحَقِّ فَهُوَ يُرْسِدُكُمْ اِلَى جَمِيْعِ الْحَقِّ۔ ①

اردو انجیل کی عبارت یہ ہے:

”میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔“ ②

حضرت مسیح علیہ السلام کا قول بالا بتلا رہا ہے کہ جتنی تعلیم انھوں نے قوم کو دی، وہ کم تھی یہ نسبت اس تعلیم کے جو باقی رہ گئی تھی۔ اس فقرہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تعلیم کا سبب یہ نہ تھا کہ سننے والے ایسی ابتدائی حالت میں تھے کہ ان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایم اے پاس استاد کسی پرائمری کلاس کو تعلیم دینے لگے اور وہ ان کو بہت سی علمی باتیں بتا سکے اور نہ سمجھا سکے، اس لیے کہ شاگردوں کی سمجھناقص ہے۔

① یونٹ 16 باب۔ نقل از کتاب المقدس عربیہ مطبوعہ آکسفورڈ 1871ء، نقل از انجیل اردو مطبوعہ حرابور 1870ء، یہ واضح رہے کہ الفاظ ”بتا دے گی“ بہ صیغہ مؤنث اس لیے ہے کہ اردو زبان میں درج مؤنث ہے اور نہ آنے والے کا نام روح الحق ہے اور بہ صیغہ مذکر عربی عبارت میں موجود ہے۔

بہر حال نتیجہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام جیسے نیک استاد کی تعلیم کا حصہ اور بہت بڑا حصہ دنیا کو اس وقت نہ مل سکا۔  
اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیحی مذہب کی اس کمی کو کسی زمانہ میں پورا کیا گیا، جہاں تک ہم کو عیسائی عالموں سے معلوم کرنے کا اتفاق ہوا، وہ بتاتے ہیں کہ عیسائی کاسٹ کے دن اس کمی کو پورا کر دیا گیا۔  
عیسائی کاسٹ (Pante Cast) کا ذکر کتاب اعمال کے دوسرے باب میں ہے اور اس کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رفع مسیح سے پچاس (50) دن بعد کا ہے، الغرض پہلے ہی سال کا۔  
عیسائی کاسٹ (Pante Cast) کے معنی کتاب احبار (موسیٰ کی تیسری کتاب) کے باب 22 میں یہ بتائے گئے ہیں کہ عید صبح کے ایام میں نذر کی قربانی کا پیش کرنا۔

ہاں کتاب اعمال سے ظاہر ہے کہ اس عیسائی کاسٹ کے دن مسیح علیہ السلام کے بارہ (12) کے بارہ (12) شاگرد جمع تھے، ان کو ایک زور کی آواز سنائی دی اور شاگردوں کو جدا جدا آگ کی سی زبانیں (شعلے) دکھائی دیں اور وہ ہر ایک پر بیٹھے اور سب غیر زبانیں بولنے لگے۔ آواز سن کر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ سب حیران ہوئے۔ ایک دوسرے سے گھبرا کر کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے اور لوگوں نے غصے سے کہا کہ یہ نئی شراب کے نشے میں ہیں۔ تب پطرس (Peter) نے اپنی آواز بلند کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ نشے میں نہیں۔ [1]  
16/2 - یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا کہ

17/2 - خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے تم پر بھیجوں گا۔

پطرس (Peter) کی تقریر کے بعد تین ہزار (3000) آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ (خلاصہ از کیم تا 42 درس باب دوم اعمال)  
عیسائی کاسٹ (Pante Cast) کے دن جو کچھ ہوا، اس پر شک کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ غور کی ضرورت ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ مسیح کی پیش گوئی جو باقی ماندہ صداقت کی مکمل تعلیم کے متعلق تھی، کب پوری ہوئی؟ عیسائی کاسٹ (Pante Cast) کے دن تو حضرت پطرس نے عین اس وقت جب کہ وہ روح القدس سے بھر پور تھا، یہ بتلادیا تھا کہ یہ حالت وہ ہے جس کا ذکر یوایل نبی کی معرفت ہوا تھا۔  
اب انصاف کا مقام ہے کہ پطرس مع روح القدس ظاہر کر رہا ہے کہ یوایل نبی کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ اور پادری بتلاتے ہیں کہ نہیں، بلکہ مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ کیا پادری کا یہ کہنا کہ پطرس کے سامنے سچ ٹھہرے گا اور پطرس روح القدس اس پادری کے سامنے جھوٹا قرار دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ لہذا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی کاسٹ (Pante Cast) کے دن مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی اور مسیحی علماء اس دن کے سوا اور کسی دن کا حوالہ بھی نہیں دے سکتے جب مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی ہو۔  
ساری دلیل کا لب لباب یہ ہوا کہ عیسائیوں کو بہت زیادہ صداقت کی باقی ماندہ تعلیم کبھی بھی نہیں ملی تھی۔

آیت زیب عنوان بتلاتی ہے کہ ﴿مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: 151] کی تعلیم نبی ﷺ ہی نے دنیا کو دی تھی۔  
اس دلیل کی صحت اس اندرونی شہادت سے بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو فرمایا تھا کہ روح الحق اس کامل صداقت کی تعلیم دے گا جو مسیح علیہ السلام نہیں دے سکے تھے اور اس عیسائی کاسٹ (Pante Cast) کے دن کسی ایک نئی بات کی تعلیم بھی نہیں دی گئی۔

[1] (Peter) نبی علیہ السلام کا حواری تھا۔ جسے 67 میں پچاس دی گئی۔

پطرس (Peter) نے اس واقعہ کو یوایل نبی کی پیش گوئی بتلایا یا صلیب مسیح کا واقعہ سنایا، مگر تعلیم کچھ بھی نہ دی گئی تھی۔

اندریں حالات ہماری برہان کھل ہو جاتی ہے کہ عیسائیوں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا۔

اس کے بعد یہودیوں کی حالت سنو۔ وہ یہود جو موسیٰ علیہ السلام کی مسند پر بیٹھنے والے تھے۔

وہ یہود جو ضرور کتاب دانی اور نوحوت کتاب داری سے سرشار تھے، قرآن مجید نے خود ان کو مخاطب بنا کر فرمایا تھا کہ

﴿ وَمَا أَوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ [نبی اسرائیل: 85] "یعنی تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔"

جب اہل کتاب کے یہ دونوں گروہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت اور قرآن پاک کے اعلان سے بہت تھوڑے علم والے ثابت

ہو چکے تو ضرور تھا کہ دنیا کو کبھی مکمل تعلیم دی جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نورانی میں وہ وقت آ گیا کہ

﴿ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرہ: 151] "جو کچھ آپ لوگوں کے علم میں نہ تھا" کی کمی کو پورا کیا جائے۔"

یہ بدیہی ہے کہ جب کتاب والے ہی اوصو سے نکلے تو دیگر اقوام کا تو علمی حیثیت میں ان سے ادنیٰ درجہ پر ہونا بالضرور ثابت ہو

گیا۔ لہذا آیت بالا کے مخاطب جملہ اہل عالم ہیں اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ منصب عالی ہوا کہ سب کو ایسی تعلیم دیں

جس سے دنیا آج تک بے بہرہ تھی۔

مسیح صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے متعلق یہ امر بھی شرح طلب ہے کہ اس پیش گوئی میں اسم "روح الحق" کا استعمال ہوا ہے اور

اناجیل اربعہ (4) میں اس مقام کے سوا اور کسی جگہ اسم خدا کا استعمال نہیں ہوا۔ [1] دوسرے مقامات پر تو روح القدس کا لفظ آیا ہے۔

عقبتی کا سٹ والے دن بھی پطرس نے روح القدس ہی کا لفظ استعمال کیا اور یہ ہر دو مقامات کا فرق بھی صراحتاً بتا رہا ہے کہ "روح الحق"

اور ہے "روح القدس" اور۔

روح القدس کو پادری صاحبان تثلیث کا جزو ثالث تسلیم کرتے ہیں، تو کیا کریں مگر روح القدس نے تو کبھی کوئی نئی تعلیم کسی کو

نہیں دی۔ چنانچہ خود کسی مسیحی عالم کی شہادت میں بھی یہ موجود نہیں کہ اسے راست بازی کی وہ باقی مائتہ تعلیم "روح القدس" سے مل گئی

ہے۔ جسے حضرت مسیح علیہ السلام اور پورا چھوڑ گئے تھے۔

آیت زب عنوان نے صاف طور پر بتلادیا کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔

قارئین دریافت کر سکتے ہیں کہ امور کثیرہ کیا ہیں؟ جو مسیح کی تعلیم میں نہیں پائے جاتے، بلکہ یہودیوں کی کتابیں بھی ان سے

خالی ہیں۔ اس کا جواب قارئین کو ہمارے دوسرے مضمون "خصائص القرآن" سے ملے گا، اسے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اس جگہ یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں جن کو علم

لذنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے کہ ان میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کی کو پورا کر دیا ہو جو با عرض ہے کہ ان

سب ایسے بزرگوں کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت پیشتر کا ہے۔ پس وہ لوگ مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح

نہیں ٹھہر سکتے۔

لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سریر آراء علوم ہیں جو فرش خاک پر بیٹھے اور خاکی ونوری، انسی و جانی کو ایسے علوم سے مستفیض فرمایا

[1] مشہور چار انجیلوں کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿لوقا﴾ ﴿متی﴾ ﴿مرکبہ﴾ ﴿یوحنا﴾



کہ یہ خاک کے ذرہ ہائے بے مقدار کو آسمان علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیاء بخش عالم و عالمان قرار پائے۔  
نبی ﷺ اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے علاوہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے۔ مسیح علیہ السلام کے بارہ (12) شاگردوں میں سے شمار کر لو کہ کتنے شاگردان کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے۔ دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جاسکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے کہ انھوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حالات زندگی کی اشاعت کی ہے اور بس۔

نبی ﷺ کی تیار کردہ جماعت میں ہر قسم و ہر صنف کے کالمین نظر آئیں گے۔

آپ دیکھیں گے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ملک واری و جہاں بانی کی تعلیم

ابو سعید و خالد رضی اللہ عنہما ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی،

معاذ رضی اللہ عنہ و ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان دین و دانش کی،

سلمان رضی اللہ عنہ و ابو ذر رضی اللہ عنہ زہد و تقاضی کی،

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہما حقائق علمیہ کی،

عثمان غنی رضی اللہ عنہ و ابن عوف رضی اللہ عنہما پرورش بنیادی کی و اعانت ایامی (بیوگان)۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و ابی بن کعب رضی اللہ عنہما انصاری فرائض الہیہ کی تعلیم کل دنیا کو دے رہے ہیں، نبی ﷺ!۔

یہ چند مبارک نام صرف تقریب و تقسیم مدعا کے لیے درج کر دیے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہ اقدس کا وہ کون سا تلمیذ ہے جو کشت

زار علوم کے لیے باران رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا شمار 2210 اور ابن عمر رضی اللہ عنہما (تعداد: 1630) و انس بن

ماک رضی اللہ عنہ (تعداد: 1286) کی روایات بھی اس کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کا شمار 5374 ہے۔ پھر ان کے سوا

اور بھی ایسے صحابہ جنی ہیں، جن کے نام مکتوبین روایات کے تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما (2260) جابر بن

عبداللہ رضی اللہ عنہ (1560) و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (1170) تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ اقدس کا ہر ایک طالب علم استاد عالم ہونے کی

شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت

﴿ اٰمِنُوْنَ لَا يٰعَلَمُوْنَ الْكِتٰبِ ﴾ [البقرہ: 78] کے الفاظ میں نمایاں ہے، یعنی ان پر اھ اور کتاب سے بے خبر۔

لیکن نبی ﷺ کے طفیل نہ صرف یہی لوگ ذرہ علیائے علوم کو پہنچے بلکہ ان کے شاگرد بھی ﴿ وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلٰذِقُوْا بِهِمْ ﴾ کی سند

سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ ہی کی جو دو عطا نے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر بھی پہنچایا۔

یہ حضور ﷺ ہی کے ادنیٰ ترین کنش بردار تھے جنھوں نے سپین و غرناطہ، بغداد و سسلی، تونس و الجزائر، ترکستان و چین و تاتار

میں سینکڑوں مدارس و مکاتب کھول دیئے تھے، جن میں جملہ اقوام و مسلم و غیر مسلم کو بلا تفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو

اقرار ہے، انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اس روش اور طریقہ کو دیکھیں جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعت خاطر کا اندازہ لگائیں جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علوم جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں ان کا معمول ہے کہ اس سے بخوبی ہویا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ابتداءً دنیا میں علوم کو پھیلایا۔

تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہذا ان غلاموں کے انفعال بھی حضور ﷺ ہی کے سنن ہدی کا بیان اور حضور ﷺ ہی کے اسوہ حسنہ کی برہان ہیں اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل و اختتام اعلیٰ کے ساتھ حضور ﷺ ہی میں پائی جاتی ہے۔

علاوہ یہ بیان نامکمل رہ جائے گا، اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج و اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے کیسے نمونے دکھلائے۔

ڈی رومینس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے اسے اللہ کی کمان جنگ بنانا یا انتقام الہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے رو ما بھیجا گیا۔ وہ جیل میں ہی مرا، اس کے لاش کو اور اس کی کتابوں کو جلادیا گیا جو حکم سوشلسٹ لاش کی بابت صادر ہوا تھا۔ اس میں اس سوشلسٹ کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا۔

گویا ساسی صالح اسی پاداش کا مستحق تھا۔

برونو (Bruno) کو 1600ء میں لمبی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلادیا گیا کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا یا اس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکارا ہوتا تھا۔<sup>[1]</sup>

کرویت زمین کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا۔ مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیئے گئے۔

چچک کانیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ 1721ء میں ایک عورت مسماة میری مونٹا (Marymonta) اسے یورپ میں لے گئی تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی حتیٰ کہ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔

امریکہ میں جب یہ طریق نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر (بے ہوش) کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے۔ جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔

کردنیال کسی سینس نے 8 ہزار قلمی کتابیں فرناط میں اس لیے موخت کر دیں کہ ان کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔ پروٹسٹنٹ (Protestant) کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کروندہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کی گئی۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو۔

کلغان نے سیر فیٹ (Searfiat) کو جلادانے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مجلس بیقہ کے انعقاد سے بھی خوشتر دین مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔

[1] مشہور اشائین فلسفی (1548-1600 م) جسے مجھے کے ساتھ ہاتھ کر زندہ جلادیا گیا۔

اسے زندہ دکھتی آگ میں کہاں کی طرح صرف اس گناہ عظیم کی پاداش میں بھونا گیا۔  
 فاتیح (Fabiaw) بھی 1729ء کو اسی جرم میں شہر تلوز میں جلایا گیا تھا۔  
 پاوری لوتیرا (Lothar)، ارسطو (Aristotle) کو ہمیشہ جھوٹا، ناپاک، خنزیر کہا کرتا تھا۔ [1]  
 علم برداران اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لیے ننگ چھٹی کی وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لیے ننگ دلی کی کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔  
 ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں جو مؤرخین اسلام پیش کرتے ہیں جن میں سے بیسیوں کا ذکر دیون پورٹ، لیمن پول اور ایڈورڈ گین نے بھی کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ روشنی اس منبع نور سے آئی جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت ﴿وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: 151] زریب عنوان ہے۔  
 ناظرین کو تاریخ عالم کے تخلص سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج حضور ﷺ صاحب معراج ہی کے فرق مبارک پر تاجاں دور خشان ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 خصوصیت نمبر 16

### ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [البقرہ: 129]

”ہمارا نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“  
 قبل ازیں تحریر ہو چکا ہے کہ کتاب قرآن مجید اور تعلیم الکتاب کے تحت میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و اختیہ شامل ہیں۔  
 لہذا خصوصیت ہذا کے تحت میں ”تعلیم حکمت“ کا مذکور ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:  
 ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [البقرہ: 269]  
 ”جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی۔“  
 آیت بالا سے آشکار ہے کہ فضائل محمودہ اور محاسن کثیرہ کا نام ”حکمت“ ہے۔ لفظ حکمت کا اثبات منصب نبوت سے علیحدہ بھی کیا گیا ہے۔  
 ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ﴾ [لقمان: 12] ”ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی تھی۔“  
 قابل غور یہ امر ہے کہ ”الکتاب“ اور ”تعلیم الکتاب“ کے بعد اب کون سی بات رہ گئی تھی جسے حکمت سے تعبیر فرمایا گیا۔  
 واضح ہو کہ ہدایات واضح اور بیانات راشدہ پر عمل کرنے کے موقع پر مختلف الامر لوگوں کی حالت بھی مختلف ہوا کرتی ہے۔  
 نبی ﷺ نے پیچیدہ معاملات کو عملی طریق پر حل کر کے صحابہ جن رضی اللہ عنہم کو مکمل تعلیم عطا فرمائی تھی۔  
 [1] نبی ﷺ رونق افروز مدینہ ہوتے ہیں تو اول مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کرتے ہیں اور پھر یہودان یشرب اور مومنین اسلام میں ایک معاہدہ قلم بند فرما کر ان کو بھی اتحاد و مہمیت میں شامل فرما لیتے ہیں۔ معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔  
 ﴿هَذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَ يَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ﴾  
 [1] ارسطو بابائے سائنس و طب 120 کتب کا مصنف (322-384 ق م)

فَلَدِحِقْ لَهُمْ وَ جَاهِدْ مَعَهُمْ إِنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ

یہ تحریر محمد انبی ﷺ کی جانب سے ہے کہ مومنین مسلمان مکہ و یثرب ایک قوم واحد ہوں گے اور جو لوگ ان کا اجراع کریں گے اور ان کے مجاہدات میں شامل ہوں گے وہ سب ایک ہی وحدت میں شامل ہوں گے۔

﴿۲﴾ وَإِنَّ يَهُودَآئِنِي عَوِفِ أُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ۔

یہودان بنی عوف بھی مومنین کی معیت میں قوم سمجھے جائیں گے۔

﴿۳﴾ وَإِنَّ يَنُحَافَةَ عَلَىٰ مَنْ حَارَبَتْ أَهْلَ هَذِهِ الصَّحِيفَةِ۔ ﴿۱﴾

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان باہمی امداد کا طریق جاری ہوگا خواہ کوئی بھی اس معاہدہ والوں کے خلاف لڑنے کو آئے۔

غور کرنے والا جب الفاظ معاہدہ کی گہرائی کا اندازہ کرے گا تو اسے یہ فعل بین حکمت نظر آئے گا۔

﴿۲﴾ سرور کائنات ﷺ نے مدینہ پہنچ کر ان سب راستوں پر آباد قبائل سے جو مکہ سے مدینہ کو آتے ہیں معاہدہ باہمی کا قائم و مستحکم کر لینا ضروری خیال فرمایا۔ بنو نضیر اور بنو مدعیج کے معاہدات اسی حکمت پر مبنی ہیں۔

﴿۳﴾ صلح نامہ حدیبیہ میں مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِكَيْفَا كَيْفَا تَقْرِيْشِ كَشْفِ مَعَاہِدِہِ اس پر معترض ہوا، وہ اپنی بات پر اصرار کرتا ہے اور کاتب نبی ﷺ بھی اس مقدس کتاب پر اتنا ہی جما ہوا ہے کہ جتنا یہ کلمہ پاک اس کے دل پر مرتسم ہے۔ یہ تکرار یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ صلح نامہ کا تمام رو جانا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں میں ”محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہوں اور ”محمد بن عبداللہ“ بھی ہوں۔ لہذا محمد بن عبداللہ لکھ دیا جائے۔ اس حکمت سے سارا مناقشہ ختم ہو جاتا ہے۔ ﴿۱﴾

﴿۴﴾ کفار مکہ نے کفار یثرب کو لکھا کہ وہ مہاجرین و انصار سے جنگ شروع کرویں۔ اگر یثرب والوں نے ایسا نہ کیا تو مکہ والے خود حملہ کر کے اپنے مخالفین کو فنا کر دیں گے۔ اہل یثرب پر دھمکی کا یہ جاوہ چل گیا اور انھوں نے مہاجرین و انصار پر حملہ کی تیاری کر لی۔ نبی ﷺ یہ اطلاع پا کر اہل یثرب کے پاس گئے اور یوں تقریر فرمائی۔

”تم اہل مکہ کی چال کو نہیں سمجھتے، وہ تمہارے ہاتھ سے تمہارے اعز و اقارب کو جو مسلمان ہو گئے ہیں قتل کرانا چاہتے ہیں، حالانکہ اگر تم کو اہل مکہ سے جنگ کرنی پڑی تو وہ مقابلہ اغیار سے ہوگا۔“

اس مختصر تقریر نے عجیب اثر کیا اور اہل مدینہ میں جو اندرونی جنگ شروع ہونے والی تھی رک گئی۔ اسی حکمت نے اہل اسلام کو اندرونی بے امنی سے محفوظ کر دیا۔

﴿۵﴾ طائف و حنین کے لوگ مسلمانوں پر حملہ آور اند بڑھے تھے۔ ان کو بمقام اوطاس شکست ہوئی۔ ان کی فوج طائف کے قلعہ میں حصار بند ہو گئے۔ محاصرہ کیا گیا۔ جب محصورین کو محاصرہ کی سختی محسوس ہونے لگی اور اندر کے آدمی یکاں یکاں قلعہ کی دیوار پھاند پھاند کر بھاگنے لگے تو نبی ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دیا۔

اس حکم سر اپارحم کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ کے بعد طائف کی تمام آبادی مسلمان ہو گئی۔

۱۶) ہرقل نے عرب پر حملہ کرنا چاہا، نبی ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ عرب کو روم کی فوجوں کا آماجگاہ بنا دیا جائے، خود آگے بڑھے اور عرب کی انتہائی سرحد پر جا کر ٹھہر گئے۔

اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ تمام ملک کی امداد لشکر اسلام کو بخوبی پہنچ سکتی تھی۔ ہرقل پر اس پیش قدمی اور جرات کا گہرا اثر پڑا اور اس نے عرب پر حملہ کے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

۱۷) 8ھ میں مکہ فتح ہوا تو وہاں سے تین سو ساٹھ (360) بت تو نکال دیے گئے مگر خود عمارت کعبہ کے متعلق کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ موجودہ عمارت وہ تھی جو حضور ﷺ کی نبوت و بعثت سے پانچ (5) سال پیشتر بنائی گئی تھی۔ اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کا طول کم کر دیا تھا۔ نبی ﷺ نے اپنا منشا بطور احسان تو ظاہر فرما دیا کہ عمارت کا بناء ابراہیم پر ہونا بہتر ہے مگر اس حکمت سے کہ ابھی قوم کی دین داری حدیث میں ہے۔ عمارت کو جوں کا توں چھوڑ دیا۔ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اس عمارت کے لیے مالی، بدنی امداد دی تھی۔ اس لیے یہ بعید نہ تھا کہ ان لوگوں کو اسی عمارت کا انہدام شاق گزرتا۔ نبی ﷺ نے دل داری و دل دہی کی بنیاد کو مضبوط فرمایا اور اینٹ پتھر کی عمارت کے لیے زیادہ اہتمام نہ فرمایا۔

امثال بالا اور اس اشباہ و نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کیوں کہ جملہ معاملات تمدن و اخلاق اور مصلحت شناسی میں تعلیم حکمت کو جاری رکھتے تھے۔

ہاں یاد رکھو کہ تعلیم حکمت میں یہ امر بھی شامل ہے کہ نبی ﷺ نے احکام و شرائع کو سلیقہ و حکم پر مبنی ٹھہرایا تھا اور ان احکام کی علت و حکمت کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہ ایک عجیب خصوصیت حضور ﷺ کی حکمت آموزی کی تھی، ورنہ حضور ﷺ سے پیشتر شرائع ماقبل میں بہت کم اس پر توجہ کی گئی بلکہ احکام کی تعمیل و عدم تعمیل کو علامت، اطاعت یا نشان طغیان کے اصول پر منحصر رکھا گیا تھا، جس سے لوگ سمجھنے لگے تھے کہ شریعت کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقائے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس پتھر کو ادھر سے اٹھا کر ادھر کر دے۔ اگر غلام نے پتھر اٹھا دیا تو فرمان بردار سمجھا گیا اور نہ اٹھا یا تو نافرمان قرار دیا گیا، حالانکہ اس حکم سے نہ آقا کا کوئی اصل مقصود تھا، اور نہ غلام کا کچھ فائدہ یا نقصان اس کی تعمیل یا عدم تعمیل میں مضمر تھا۔

ہاں دیکھو، کہ نبی ﷺ نے شریعت کو بطور طب روحانی مرتب فرمایا ہے۔ عضو عضو پر وارد ہونے والے امراض روحانیہ کا ذکر فرمایا، پھر ان کا علاج اور علاج میں مفروضہ و مرکب اشیاء کا استعمال سکھایا ہے۔ صحت قلب کی حفاظت کرنے والی حیات روحانی کو نشوونما دینے والی، روحانیت کے اعضائے ربیہ کو قوی و چست بنانے والی ادویہ کا ذکر درجہ بدرجہ فرمایا ہے۔

تکمیل نفس کے بعد حضور ﷺ کی تعلیم حکمت کا دور ثانی شروع ہوتا ہے اور تدبیر منزل ترتیب عالمہ کے مفصل احکام ملتے ہیں۔ دور ثالث میں سیاست مدن کے دروس کا آغاز ہوتا ہے۔ اقوام عالم اور بلدان جہاں کے واجبات و حقوق سے عالم دو عالم کو روشناس فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کے برابر فرض کو اور کسی نے بھی اس حسن تکمیل کے ساتھ ادا نہیں فرمایا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسماء اللہ الحسنى میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی "حکیم" ہے اور کتاب اللہ کی صفت میں بھی یہی اسم استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿لَيْسَ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ﴾ [یس: 2-1] اور اس کتاب حکیم نے حضور کو معلم حکمت بتلایا ہے، تو ان حوالہ جات سے

اول تو حکمت و دانش کا درجہ بلند تر ہو جاتا ہے اور پھر نبی ﷺ کے منصب عالی کا ارفع و اعلیٰ ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تعلیم حکمت کے متعلق مجھے نبی ﷺ کی صرف ایک حدیث اس مضمون کے اختتام پر لکھ دینی چاہیے۔ مضمون حدیث کی ہمہ گیری اور صاحب ارشاد کی حکمت آموزی کی وسعت کا اندازہ ناظرین خود فرمائی لیں گے۔

كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ إِذَا وَجَدَهَا أَخَذَهَا. (1)

”کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو، جہاں پاؤ، اسے اپنا مال سمجھو۔“

خصوصیت نمبر 17

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الاعراف: 157]

”اور ان کا بوجھ ہٹا کر دیتا ہے اور پھندے کھول دیتا ہے جو ان پر پڑے تھے۔“

آیت بالا سے روشن ہے کہ لوگوں کو بھاری بوجھوں نے دبا رکھا تھا اور ان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ ان بندشوں، قیدوں، زنجیروں، بندھنوں سے لوگوں کو نبی ﷺ ہی نے آزاد فرمایا تھا اور ایسا کرنا حضور ﷺ کی نبوت عامہ کا لازمہ ہے۔ نبی ﷺ کی نبوت عرب و عجم پر عام ہے اور حضور ﷺ کی دعوت میں سَاقَاةٌ لِّلنَّاسِ شامل ہیں۔ لہذا مفہوم آیت بالا کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قبل از بعثت نبوی ﷺ دنیا بھر کی ساری اقوام کسی کسی قیود بیجا میں گرفتار تھیں۔ ہم مختصر اعراب، یہود و نصاریٰ، مجوس و ہنود کا ذکر کریں گے۔ یہی وہ اقوام ہیں جن کو تمدن کے لحاظ سے کوئی منزل دی جاسکتی ہے۔

(1) عرب

بدکاری و زنا کاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور اپنے افعالِ قبیحہ پر فخر کرتے ہوئے ان کو اپنے اشعار کے ذریعہ مشتہر کیا کرتے تھے۔ شراب اور سخت نشیلی عریقات کا استعمال عام تھا۔ مدہوشی میں جو معیوب اور خراب باتیں سرزد ہوتیں۔ ان پر شرمندہ نہ ہوتے تھے۔ لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں، گانے بجانے، ناچنے کے لیے پالا کرتے تھے۔ ان کی زنا کاری کی آمدنی کو ان کے آقا اچھی آمدنی سمجھا کرتے تھے، جو عورتیں لڑائی میں گرفتار ہو کر آتیں ان کو قینات میں داخل کیا جاتا تھا۔

عورت کسی جانور کا دودھ نہیں دھو سکتی تھی۔ اگر کسی گھرانے کی عورت ایسا کرتی تھی تو سارا خاندان حقیر سمجھا جاتا۔ مال وراثت کا حصہ صرف بالغ مرد پاتے تھے، تمام عورتیں اور بچے اپنے والدین اور عزیز واقارب کے ترکہ سے قطعاً محروم رکھے جاتے تھے۔ بیوہ عورت پر متوفی شوہر کا قریبی رشتہ دار اپنی چادر ڈال دیتا تھا، عورت خوش ہو یا ناخوش، دو چادر والے کی بیوی بن جاتی تھی، سوتیلے بیٹے بھی اپنی سوتیلی ماؤں پر اسی طرح قابض ہو جایا کرتے تھے۔

عورتیں بے حجاب مجمع عام میں نکلا کرتی تھیں اور اپنے جسم کا قطنی سے مخنی حصہ عوام الناس کو دکھلانے میں عار نہ سمجھتی تھیں۔ مرد و زن جسم کو نیکل سے گودا کرتے، عورتیں مصنوعی بال لگاتیں، دانتوں کو دراتی سے تیز بناتی اور ان مصنوعی طریقوں سے خود کو نوجوان بنا کر جوانوں کو جل دیا کرتی تھیں۔

جو خاندان زیادہ شریف سمجھے جاتے تھے وہ زندہ لڑکیوں کو زیر زمین دفن کر دیتے یا چاہے عقیق (گہرا کتواں) میں دھکیل کر ہلاک کر دیتے تھے۔ اس فعل پر فخر کیا کرتے اور اسے اعلیٰ شرافت کا نشان سمجھا کرتے تھے۔

ازواج کے متعلق کوئی قاعدہ موجود نہ تھا اور محرم و غیر محرم عورتوں کی تمیز کے لیے کوئی صاف آئین منضبط نہ تھا۔

قمار بازی نہایت دل پسند شغل تھا اور مشہور مشہور لوگوں کے گھر "قمار خانہ عام" سمجھے جاتے تھے۔

ارواح خبیثہ (بدروحوں) کا اعتقاد عام تھا اور انسان پر ایسی ارواح کے تصرف تام کو تسلیم کرتے تھے۔ خیالی و وہمی دیوتا اور دیویاں مانی جاتی تھیں۔ ان کی شکلیں اور صورتیں عجیب عجیب بناتے اور اسی کے موافق ان کے بت گھڑے جاتے تھے۔ پھر مندروں میں استاپن کیے جاتے اور پوجے جاتے تھے۔ عموماً ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا بت الگ تجویز کیا کرتا تھا اور اپنی قسمت اسی بت کے قبضہ میں سمجھا کرتا تھا۔ اگر ایک قبیلہ کی عداوت دوسرے قبیلہ سے ہو جاتی تو اس کے بتوں سے بھی عداوت و نفرت کی جاتی تھی۔

گھوڑ دوڑ پر بازی لگانے کا بہت رواج تھا، اسے دھان کہتے تھے، گھوڑ دوڑ میں تین یا سات گھوڑے شامل کیے جاتے تھے۔

گھوڑوں کے نمبر لگانے میں کبھی اتنا اختلاف بڑھ جاتا کہ لڑائی چھڑ جاتی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔

اگرچہ غلاموں کا آزاد کرنا موجب فخر و مہابا ہت سمجھا جاتا تھا، مگر آزاد شدہ غلاموں پر مالک کا حق ملکیت قائم رہتا تھا۔ اس حق کو آقا دوسرے کے پاس فروخت یا بیہ بھی کر سکتا تھا۔

بتوں اور ارواح کی پرستش کی جاتی۔ ان کو سجدہ کیا جاتا، ان کی منت مانی جاتی، ان کے نام پر قربانیاں کی جاتیں، اونٹ، گائے، بکری، کاپیلوٹا بچہ ان کے نام پر ذبح کیا جاتا۔

زراعت میں زمین کا بہترین حصہ بتوں کے نام پر خاص ہوتا، اگر اس حصہ کی پیداوار کسی ارضی و سماوی حادثہ سے ماری جاتی تو زمین کے دوسرے حصہ کی پیداوار سے اس کمی کو پورا کیا جاتا۔

بھوک اور قحط کے وقت مویشی کا خون پی جاتے تھے، زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ جانوروں کی حرکات سے یا آوازوں سے شگون لیا کرتے، ٹوکے منتر مانے جاتے تھے، ان کی عقل و فکر پر توہمات کی پوری حکومت تھی۔

انتقام اور کینہ جوئی کو اچھا سمجھا جاتا۔ ایک ایک، دو دو نسل اوپر کے واقعات کا انتقام لیا جاتا اور اسے بہادری کا لازمہ سمجھا جاتا۔ عرب کے ملحق الہد و ملکوں میں جو جو فواحش اور قبائح موجود تھے، ان کو جلد اخذ کر لیا جاتا۔

حسب نسب پر غلو کے ساتھ فخر کیا کرتے، ہر ایک قبیلہ دوسرے قبائل کو ذلیل و حقیر سمجھا کرتا اور یہی بات بسا اوقات عداوت، منافرت اور جنگ کا موجب بن جاتی۔

خاندانی رسوم کی حکومت دل و دماغ پر قانون اور مذہب سے بڑھ کر حکمران تھی۔ رسوم کے مقابلہ میں حریت رائے کا وجود کم تھا۔ اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے قبائل اپنے ملحق الہد و اقوام غیر سے ساز باز رکھا کرتے، فارس، روم، حبش کو اپنے ہی ملک پر چڑھالانے پر ہوشیاری سے کام لیتے۔

ان کے مشہور مشہور بت مند رجذیل تھے۔





ان بتوں کی پرستش میں جن تکالیف اور مصائب نے اہل عرب کو اپنا شکار بنا رکھا تھا، انہی کو آیت پاک میں "اسر" اور "انفال" فرمایا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی پاک تعلیم ہی کے طفیل تمام عرب کو ان ہندشوں سے نجات ملی تھی۔  
اب یہود کا حال بھی معلوم کرو۔

(2) یہود

یہود اگرچہ صرف اسی قبیلہ کو کہنا چاہیے تھا، جو یہود اہل بیت علیہم السلام کی اولاد ہیں، لیکن اب یہ نام بہ عرف عام ان بارہ قبائل کا ہو گیا ہے جو درود (12) اسباط بنو اسرائیل ہیں۔

ذیل میں اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے سب فرزندوں کے نام بترتیب ولادت تحریر کیے جاتے ہیں:

نمبر شمار	نام	نام کے معنی	والدہ کا نام
1	روبن	نظر انا۔ پینا دیکھو	لیاہ بیگم
2	سمعون	سماعت	لیاہ بیگم
3	لاوی	جنت	لیاہ بیگم
4	یہوداہ	تحسین	لیاہ بیگم
5	دان	منصف	مسماة بلہا کنیز۔ راحیل بیگم
6	نفتالی	کشتی گیر یا پہلوان	مسماة بلہا کنیز۔ راحیل بیگم
7	جد	عسکر	مسماة زلفہ کنیز۔ لیاہ بیگم
8	آشر	نصیب	مسماة زلفہ کنیز لیاہ بیگم
9	آشکار	اجرت یا انعام	لیاہ بیگم
10	زیون	رفیق	لیاہ بیگم
11	یوسف	مزید	راحیل بیگم
12	بن یمن	دست راست کا فرزند	راحیل بیگم

یہودیوں کی عزت و شہرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے بڑھ گئی تھی۔ ان کے فرزند سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہر بر یہود اپنی خوشی سے اٹھتا بیٹھتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے چند ہی سال ہوئے تھے کہ ان کے فرزند رحعام سے دس اسباط (10) علیحدہ ہو گئے۔  
رحعام کی حکومت صرف دو فرقوں پر رہ گئی۔ رحعام کی اولاد شاہان یہود اور دوسری شاخ شاہان بنو اسرائیل کہلائے۔  
وہ یہ غلم جسے اللہ نے اپنا گھر کہہ کر منظور کیا تھا، چالیس (40) سال ہی کے بعد پھر مردود بانی ٹھہرا۔

یہودیوں کی تاریخ کو پڑھو، پھر وہ ہمیشہ کے لیے مصیبتوں کی داستان بن گئی۔ ان میں بت پرستی و بے ایمانی کا آغاز تو عہد سلیمانی کے آخری ایام ہی میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ بخت نصر نے دونوں شاخوں کا خاتمہ کیا۔ اس وقت سے ان کی تاریخ اسیری، مظلومی، جلاوطنی، غلامی کے واقعات سے لبریز ہے۔ یہ عہد سلطنت نیرو (بادشاہ روما) یعنی 70ء میں فلسطین یہودیوں سے بالکل خالی تھا، وہ ﴿مَلْعُونِينَ أَسْمًا نَّفْسًا﴾ [الحزاب: 61] کے پورے پورے مصداق تھے۔

جب قسطنطین اول عیسائی ہو گیا تو یہودیوں کی حالت آسائے سنگ میں پھنسے ہوئے دانہ کی سی تھی۔ ان کی قومیت کسی جگہ تسلیم نہ کی جاتی تھی۔ ان کو کسی ملک میں بھی آزاد شہری کے حقوق حاصل نہ تھے۔

دینی حالت بد سے بدتر تھی، موسیٰ اکلیم اللہ علیہ السلام کے عہد سے لے کر عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام کے زمانہ تک انہوں نے ہر ایک نبی اللہ کی تکذیب و تذلیل میں ہمیشہ سرگرمی دکھائی تھی۔ کتاب تورات ان میں موجود نہ رہی تھی۔ اس لیے حلال و حرام اور حفظ و رضا کا بیان صرف احبار کے اخبار و اعتبار پر رہ گیا تھا اور یہ لوگ اکل سخت، مردار خواری اور اخذ ربو (سود خواری) میں اتنے دلیر ہو گئے تھے کہ فتاویٰ شریعہ فروخت ہوتے تھے اور امیر و غریب کے مقدمات و مقدمات رشوت کے مطابق طے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں رسل و انبیاء علیہم السلام بکثرت و تواتر بھیجے، لیکن اسرائیلیوں نے کبھی ان کی نہ وقعت کی اور نہ نصرت، بلکہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے سے بھی نہ گئے۔

توہمات نے روحانیت مذہبی کو فنا کر دیا تھا اور من گھڑت زہد و افتقار نے شریعت کو ان کے حق میں لعنت ٹھہرایا تھا۔ سیدنا مسیح علیہ السلام ان کو سانپ اور سانپ کے بچے فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخذول قوم کے اغلال و اصر کو دور کر دینے کا عزم فرمایا اور ازراہ ترجم چاہا کہ ان کو بھی دنیا کی دیگر اقوام کی مجلس میں عزت کی جگہ عطا فرمائیں۔ اس مبارک خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی ایک معاہدہ بین الاقوامی منعقد فرمایا اور معاہدہ میں یہود کو تمدن کے حقوق مساویانہ سے معزز بنا دیا۔

ان کی دینی حالت کو درست فرمانے کی طرف توجہ کی گئی۔ یعنی احبار کے خود ساختہ فتاویٰ سے ان کو علیحدہ کر کے اصل شریعت سے روشناس فرمایا اور یہود کے مقدمات باہمی میں تورات کے احکام بینہ کے مطابق فیصلے صادر کیے۔

1] یہ جملہ مذاہب اس قوم کی اغلال و اصر سے رہائی دلانے کے لیے تھیں۔

2] شریعت موسوی کے احکام میں بھی شدت و سختی بہت زیادہ تھی۔ مثلاً توبہ کے لیے خودکشی یا تحریم دیت یا تحریم غنیمت یا سب کا قلعاً ترک عمل یا نماز کا کنیسہ سے باہر قدم جواز وغیرہ وغیرہ ان احکام میں سہولت و وسعت کا پیدا کر دینا بھی اصر و اغلال سے رہائی دینے کے برابر تھا۔

3] نصاریٰ

مسیح علیہ السلام نے اپنے لیے بارہ (12) شاگرد چن لیے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کے دو از وہ اسباط (12 قبیلے) کے سامنے مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے لیے گواہ ٹھہریں۔ ایسے کامل استاد کی موجودگی میں بھی یہ لوگ ایسے کچے نکلے کہ مسیح علیہ السلام نے کئی بار ان سے فرمایا کہ

اگر ان میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ ایسا اور ایسا کر سکتے، مسیح علیہ السلام ان کو ملامت فرمایا کرتے، کیوں کہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ ایک وقت بیدار رہ کر بھی وہ دعا و استغفار میں مشغول نہ رہ سکتے تھے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف بری کے بعد ان بارہ (12) شاگردوں کے درمیان عقائد اور اعمال کے متعلق سخت اختلاف نمودار ہو گئے۔

- ① احکام شریعت (توراة) کی پابندی ضروری ہے یا نہیں۔
  - ② اقوام غیر میں تبلیغ عیسائیت جائز ہے یا نہیں۔
  - ③ ختنہ صرف اسرائیلیوں کے لیے یا ہر ایک شخص کے لیے جو عیسائیت میں داخل ہو، ان مسائل پر خوب گرما گرم بحثیں ہوا کرتیں۔
- پولوس (Paul) یہودی ① جو بارہ شاگردوں میں نہ تھا، بلکہ مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں خود مسیح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ستانے والا تھا۔ اب عیسائیت میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کی علمی قابلیت، ان بارہ شاگردوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ تحریر و تقریر میں خاص شاگردان مسیح علیہ السلام کو ہالیتا تھا اور اس تعلیم کے مقابلہ میں جس کی بابت مسیح علیہ السلام نے ان کو اپنا گواہ ٹھہرایا تھا، ایک نئی تعلیم پیش کرتا رہتا تھا۔

پولوس (Paul) ہی تھا جس نے اپنے خواب کو شریعت سے بالاتر درجہ یا اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو نئی نسل کے لیے حلال ٹھہرا دیا۔ پولوس (Paul) نے اپنی زندگی میں ایک ایسی نظیر قائم کر دی تھی جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے شمع راہ بن گئی۔ کونسلوں پر کونسلیں قائم ہوتی تھیں، نئے نئے اعتقاد بنائے جاتے اور منظور کیے جاتے تھے اور پھر جو کوئی اس اعتقاد وحدہ شہ سے اختلاف رائے کا اظہار کرتا تھا، اسے نکوا اور موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔

کونسلوں کے نزدیک زیادہ ضروری فیصلہ طلب مسئلہ مسیح علیہ السلام کی الوہیت و ابنیت کا تھا۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو دو شخصیتوں اور ایک روح والا اور کسی نے مسیح علیہ السلام کو ایک شخصیت اور دو روح والا قرار دیا تھا۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو زندگی دنیوی تک بشر اور صلیب کے بعد ابنیت پر فائز بتلایا۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو قدیم عقیدے پر قائم رہ گئے تھے اور مسیح علیہ السلام کو بشر اور نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہ کرتے تھے۔

مثلیٹ کا اعتقاد بھی کونسلوں نے نکالا۔ اس اعتقاد کو افلاطون کی مثلیٹ (اللہ، عقل اور نفس کلی) سے لیا گیا تھا۔ افلاطون کے مسائل یونان میں عام تھے۔ اس لیے یونان میں اس مثلیٹ پر کوئی اعتراض نہ تھا اور یہ عقیدہ جلد پھیل گیا۔

مثلیٹ کے قائم کی بابت بھی اختلافات ہوئے۔ کسی نے مثلیٹ کے ارکان، اللہ، مریم اور مسیح کو کسی نے خدا، جون یعنی یوحنا اور مسیح علیہ السلام کو بتایا، کسی نے خدا اور مسیح علیہ السلام کو اقانیم خلاشہ ظاہر کیا۔

پھر روح القدس کے متعلق اختلافات شدید ظاہر ہوئے۔

- ① کسی نے بتلایا کہ مسیح کی پیدائش خدا اور روح القدس سے ہوئی۔
- ② کسی نے بتلایا کہ روح القدس کی پیدائش، خدا اور مسیح سے ہوئی۔ یہ اختلافات وہ تھے جو شجر عیسائیت کی جڑ میں جراثیم بن کر اسے بچ و بن سے کھوکھلا کر رہے تھے۔

① پولوس (Paul) یہودی قبیلہ بنیامین کا ایک کز فریبی تھا۔ روم کے شہر کرسس میں پیدا ہوا مسیحیت اختیار کرنے کے بعد اپنا نام پولوس ہی کے لحاظ نظریات کا دوہرا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا اصل ہانی یہی شخص ہے۔ جبکہ مسیح علیہ السلام کی الہامی تعلیمات ہرگز نہیں۔

روما و قسطنطنیہ اور مصر و یروشلم کے کلیسیا اپنے اپنے شرف و بزرگی کے مدعی تھے اور ایک دوسرے پر خارج از دین ہونے کے فتوے جاری کر رہے تھے۔

انہی ایام میں مریم علیہا السلام اور مسیح علیہ السلام کا نمونہ بننے کا شوق بھی ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ ہزاروں عورتیں اور ہزاروں ہزار مردان اور منک (راہبات در بہان) بن جاتے تھے۔ ان کا وجود مستند دنیا کے لیے بوجھ تھا۔ نیز کلیسا اخلاق و اعمال پر ایک بدناما و صہ تھا۔ کفارہ کے مسئلہ نے اعمال صالحہ کی رغبت کو مٹا دیا تھا اور مسیح علیہ السلام کے لعنتی اور جہنمی بن کر رنجات و ہندہ بن جانے کی مسرت نے وحشیانہ طبائع کی امنگوں کو مطلق العنان کر دیا تھا۔

مقدس جھوٹ کے مسئلہ نے ہر ایک فقہ کو اپنی اپنی خواہشات اور قیاسات کے مطابق اعلیٰ سندات بتا لینے کے اختیارات کامل عطا کر دیئے تھے۔ ان تمام خرابیوں نے مسیحیت کو نہایت مکروہ اور قابل نفرت بنا دیا تھا۔ پرسیٹر، آرڈین، ڈیکین بشپ وغیرہ کے ہاتھوں جو جو روتم عیسائیوں پر ہوئے ان کے سامنے ہیر و ڈیس اور نیرو کے مظالم بالکل بچے تھے۔ یہی حالت تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

اسلام کے نقل حمایت میں آ جانے کے بعد شام و مصر اور عراق کے عیسائیوں کو اپنے اپنے معتقدات پر رہ کر امن مطمئن کی زندگی نصیب ہوئی۔ اسلام کی حفاظت نے ان اغلال و اصر (تھکڑیوں، طوقوں) کو ان کے جسم سے اتارا، جنہوں نے عیسائیوں کے سر دوش اور عقل و ہوش کو زیر بار گرا کر رکھا تھا۔

#### ④ ہندو اقوام

اہل اسلام نے دریائے انڈ و یا سندھ کے شرق میں رہنے والوں کو انڈ و یا ہندو تعزیر کیا ہے۔ اس ملک اور قوم کی تاریخ قدیم بالکل تاریک تھی۔ تاہم ایسے آثار قوی پائے جاتے ہیں کہ اس ملک میں بھی کسی زمانہ میں علم کی ترقی ہو چکی ہے۔

ہندو قوم اور ملک اور مذہب و علم کا زوال مہابھارت کی جنگ سے شروع ہوا۔ ①

یہ جنگ کم از کم ڈیڑھ ہزار (1500) سال قبل از مسیح ہوئی تھی۔ ②

بیان کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان میں کوئی ایک شخص ایسا نہ رہ گیا تھا، جو فریقین (کور و پانڈو) میں سے کسی ایک کا جانب دار نہ ہو۔ ہم اندازاً قیاس کرتے ہیں کہ اس وقت ملک کی آبادی پانچ کروڑ (50000000) تو ضرور ہوگی۔ مگر جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کہ طرفین میں سے صرف بارہ (12) مرد زندہ باقی رہ گئے تھے۔ فاتحین نے یہ حالت ہوش بردہ کبھی تو انہوں نے بھی جلد از جلد اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ صدی پیشتر بد مذہب نے ظہور کیا۔ ③

بد مذہب نے پالی زبان کو اختیار کیا تھا اور سنسکرت پڑھنے پڑھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ ④

وید مت کی جگہ بد مذہب مت قائم ہو جانے سے قدیم مذہب کی کتابیں نیست و نابود ہو گئیں اور ان کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔

شنگرا چاریج (Shankar Achary) نے ان لوگوں سے کچھ مناظرے کیے اور اپنی علمیت کا رنگ جمایا، مگر وہ 33-34 سال

① ستیا رتھ پرکاش ② قدیم ہندوستان منصفہ رویش چندرت صاحب ③ بد مذہب کا اصلی نام سدھارتھ ہے۔ خاتمہ الہی نام کو تم بد مذہب تعظیمی نام ہے، جس کے معنی بیدار ہیں۔ کپل دستو نیپال کی لڑائی میں مایا کے کلن سے نجات سرودنا پیدا ہوا۔ اس کا باپ ساکھیا قوم کا سکھان تھا۔ سماؤ سمود سے شادی ہوئی۔ راجو لانا نام نرژند پیدا ہوا۔ 29 سال کی عمر میں فقر اختیار کیا۔ سن ولادت 560 قبل مسیح ہے۔ پچاس سالہ عمر میں انتقال کیا۔ دنیا کے مشہور ترین اشخاص میں سے ہیں۔ ④ چنڈت و سچے نرائن کی کتاب بد مذہب ص 169۔

کی عمر میں مر گیا۔ اس کی مساعی کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ سنسکرت کو پھر دربار میں جگہ مل گئی، مگر اس کے ساتھ ساتھ شاعرانہ قلوب و استغراق نے بھی قدم جمالیے اور حقائق و واقعات پر استعارات کا پروہ پڑ گیا۔

قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب مہا بھارت پائی جاتی ہے مگر وہ بھی یار لوگوں کے تصرفات سے محفوظ نہ رہی۔ جس ہزارہ (20000) اشلوک اس کتاب میں جعلی طور پر شامل کر دیئے گئے۔<sup>[1]</sup>

بدھ مذہب (Budhism) کا زور راجہ اشوک (Ashoka) کے عہد تک رہا۔<sup>[2]</sup> اس کے بعد بدھ ازم رو بہ زوال ہو گیا۔ بدھ ازم کے اصول متدن دنیا کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ بھکشوؤں (گدا گروں) کی لاتعداد جماعت جو بدھ مت نے تیار کر دی تھی، وہی زیادہ اس کے زوال اور حدود ملک سے انتقال کا باعث بھی ہوئی۔ گوہران مت نے بھی اس کو نکالنے میں بہت بڑی جدوجہد کی تھی۔

بدھ مت (Budhism) کے بعد ملک کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ فتن و فجور اور فواحش کا دور دورہ ہو گیا۔ چکرانت دام مارگی، سہر بھگ درشان کتی، شاکت، بنوارک آوک، رام ایاسک، ڈنڈی وغیرہ بیسیوں ایسے فرقتے پیدا ہو گئے، جنہوں نے اخلاق و تہذیب کو جلا کر رکھ کر دیا۔<sup>[3]</sup>

یہ فرقتے تمام ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے شراب، جوا، بدکاری کو مذہب کا لباس پہنا کر پوتر قرار دیا تھا۔ ہندوستان کی یہی بدترین حالت تھی جب سندھ اور شمال مغربی حدود اور جنوبی ہند سے مبلغین اسلام پہنچے۔ انہوں نے ملک کو حقائق و معارف سے روشناس کیا۔ تب دیدہ ورون کو اپنی برہنگی نظر آئی۔ اکثر نے ضلعت اسلام زیب تن کیا اور اکثر نے اپنی دھوتی کو خود ہی سنبھال لیا

الغرض یہ وہ اصرار و اغلال تھے، جن سے رہائی ہندو ملک اور ہندو قوم کو نبی ﷺ کے خدام اور تعلیم اسلام کی طفیل حاصل ہوئی۔

### 5) مجوس

ایران میں نہایت قدیم زمانہ سے سلطنت قائم تھی، انہوں نے قریباً ایک ملٹ کرہ ارض پر جو اس وقت آباد تھا حکومت کی۔ حکومت سے امن، امن سے عیش و عشرت کا وجود پیدا ہوا۔ عیاشی نے دل و دماغ کو کمزور کر دیا اور ایوان سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ مانی (Maani's) کے مذہب نے آئین قدیم کو نیست و نابود کر دیا۔ مردوزن کے طبائع میں شوریدگی و آوارگی پیدا کر دی۔ مزدک نے زن و زوزمین پر سے ملکیت اٹھا دینے سے فحش و ظلم اور ظلیان و عصیان کا طوفان پھا کر دیا۔ مانیں اپنے بیٹوں کے عشق کا شکار بنیں اور صاحب تخت و تاج شہزادیاں اپنے افسران فوج کے جذبات حیوانی سے تھکتے ہوئے موت پر لٹائی گئیں۔ محرمات ابدیہ کو مصنات ادلیہ بنائے جانے کے دلائل پسند کیے گئے۔ عصمت و پاک دامنی کو ہر دو جنس کے لیے ناپاک قرار دیا گیا۔ فرہاد جیسے نمک حرام ملازم اپنے بادشاہ کے رقیب بن گئے اور شیر و یہ جیسے ناخلف پسر نے جوش بیہمت میں باپ کا شکم چاک کر کے شیریں پر قبضہ کیا۔ سپاہ بد بہرام چوہیں ملک پوران دخت کی آتش کدہ عشق کا ایندھن بنا۔

سلطنت ہائے روما و ایران کی عدالت قدیم اور آئے دن ایک سلطنت پر دوسری چڑھائی نے ملک کو بے چراغ بنا دیا تھا۔

اصل مذہب کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ مقدس کتب سکندر کی تاخت و تاراج میں گم اور بے نشان ہو چکی تھیں۔ یہ حالت تھی جب

[1] سہارنہ پرکاش [2] راجا اشوک کا مہد 466 ق۔ ڈاکٹر مسزائی کی کتاب بدھ مت: 135 [3] ابن ذائق کے کتبوت سیارتھ پرکاش میں دیکھو۔

اسلام نے اس ملک کو اپنی حمایت میں لیا اور نبی ﷺ کی پاک تعلیمات نے اس وسیع ملک کے باشندوں کو جبر و استبداد اور فحش و ظلم کے بند و زندان سے آزاد کیا۔

قارئین ان حالات کو جو عرب، یہود، عیسائی و ہنود اور مجوس کے متعلق مختصر اقلیم بند کیے گئے ہیں مکرر غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شاندار قومیں کس طرح پر قبل از اسلام تظاول زمانہ کے جو روستم سے برباد ہو چکی تھیں۔ کیسی کیسی درماتگی و تیرگی ان پر چھائی ہوئی تھی۔

ان جملہ اقوام کو حضور ﷺ ہی کی محبت و ہمدردانہ و صادقانہ و بے غرضانہ جو دورم نے غار ہلاکت سے نکالا اور تمدن و حسن معاشرت اسن عامہ و عاقبت کلیہ سے بہرہ اندوز فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف: 157) حضور سرور کائنات ﷺ ہی کی ذات ہمایوں پر صادق و منطبق ہوا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

خصوصیت نمبر 18

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ [البقرہ: 128]

”تمہارے پاس عظیم الشان رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔“

① مِّنْ أَنْفُسِكُمْ کے مخاطب اہل عرب اور قریش ہیں۔

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب پر بے انتہا فخر اور بے حد ناز تھا۔ وہ غیر عرب کی وقعت نہ سمجھتے تھے اور ایسے شخص کی اطاعت کو بھی تنگ و عار سمجھا کرتے تھے۔ لہذا اب رب العالمین نے اہل عرب پر یہ بھی اظہار منت و احسان فرمایا کہ یہ عظیم الشان رسول ﷺ جس کا اولین فرض عرب کو ہدایت کرنا ہے، تم ہی میں سے ہے، تم سے غیر نہیں۔

صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کا ارشاد موجود ہے۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونٍ نَبِيٍّ اِذْمَ قُرْنَا فَقَرْنَا حَتَّى كُنْتُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي كُنْتُ مِنْهَا ②

”اللہ تعالیٰ نے مجھے قباہل کی شاخ در شاخ میں بہترین شاخ سے مبعوث فرمایا حتیٰ کہ میں اس قرن سے پیدا ہوا جو میرا ہے۔“

صحیح مسلم میں بروایت واہلہ بن اسحاق حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كَنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اسْمَاعِيْلَ وَ اصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كَنَانَةَ وَ اصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ نَبِيَّ هَاشِمٍ

وَ اصْطَفٰى مِنْ نَبِيِّ هَاشِمٍ ③

اللہ تعالیٰ نے نسل اسماعیل سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم

کو برگزیدہ کیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

صحیح ترمذی میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما عم رسول ﷺ کی روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اہل

قریش بیٹھے ہوئے حسب و نسب کا ذکر اور باہمی تعلقات کا بیان کر رہے تھے۔ حضور ﷺ کا ذکر بھی آ گیا تو انہوں نے

① بخاری: 3757، کنز العمال: 32005، سلسلہ اسیر: 709، ② مسلم: 5938، ترمذی: 3608، 3605

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ قُرَيْبِهِمْ وَخَيْرِ الْغُرَبَاءِ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْقِبَالَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ قِبَلِهِ  
ثُمَّ تَخَيَّرَ الْبُيُوتَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ بُيُوتِهِمْ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بِيُوتًا [2]  
”اللہ تعالیٰ نے خلقت پیدا کی اور ان کی شاخیں بنائیں اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا۔ پھر قبائل بنائے اور مجھے  
بہترین شاخ میں رکھا، پھر بیوت (گھرانے) بنائے اور مجھے بہترین گھرانے میں بنایا۔ لہذا میں ان سب سے بہترین  
ذات اور بہترین گھرانے کا ہوں۔“

② مِنْ أَنْفُسِكُمْ کے مخاطب کل اہل جہاں ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ رسول جو منصب رسالت کے اعتبار سے عظیم الشان  
ہے، جنس بشر ہی سے ہے، کیوں کہ اگر وہ جنس ملائکہ سے ہوتے تو اتحاد جنسیت کے فقدان سے اتحاد و یکاگت کی تکمیل نہ ہو سکتی۔ تعلیم و  
تعلیم میں دشواریاں لاحق ہوتیں اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوتا کہ اسوہ رسول کا اتباع کرنے والوں کو صفات ملکوتی پر چلنا محال ہو جاتا اور  
اتباع نہ کرنے والوں کو سب سے بڑا بہانہ ہاتھ آ جاتا اور ایسی ایسی کہاوتیں استعمال کرتے کہ

کار پا کاں را قیاس از خود مکبر چہ نسبت خاک را با عالم پاک  
اب کہ حضور ﷺ کا نسل انسانی اور جنس بشریت سے ہونا ثابت ہو گیا اور جملہ انواع بشر کو عزت و عظمت ہو گئی۔  
گرچہ خوردیم نسبتے بزرگ ذرہ آفتاب تابا نیم  
اور شیدائیان اتباع کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور سنت نبویہ ﷺ کا اقتداء سب کو مرغوب و محبوب ہو گیا۔

③ صاحب معالم القریل اور خازن نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زہری دامن ٹھیس نے ﴿مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ کو یہ فائدہ یعنی مِنْ  
أَنْفُسِكُمْ تلاوت کیا ہے۔ اس وقت اس کا مادہ نفاست ہوگا اور اس کے معنی پاکی گوہر اور لطافت طبع اور طہارت ذات میں حضور ﷺ  
کا افضل خلاق ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اور آیت زبیر عنوان میں اسی خصوصیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

خصوصیت نمبر 19

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ [التوبہ: 128]

”تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔“

جب عَزِيزٌ (بخت مین) ہو تب اس کے معنی شاق اور سخت ہوتے ہیں، عَنِتُّمْ جس سے عَنِتُّمْ بنا ہے، کے معنی مشقت، فساد،  
ہلاکت، خطا وغیرہ ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو چیز تم کو مشقت میں ڈالنے والی ہے وہ نبی ﷺ کو نہایت ہی شاق و گراں گزرتی ہے۔  
یعنی تمہاری تکلیف سے نبی ﷺ کو ضرورت تکلیف ہوتی ہے، تمہارے درد کو وہ درد سمجھتے ہیں۔  
واضح ہو کہ نبی ﷺ کی یہ صفت کفار اور مشرکین دونوں کے حق میں تھی۔

[1] یعنی مجھ کو درد و سختی جو تکلیف لایعین میں ہو، اس سے قریش کا اشارہ نبی ﷺ کے فرزند زید بن حارثہ نے کی جانب تھا۔

[2] ترمذی: 3532، 3607، مناقب الشافعی للذہبی: 1/46، اتحاف السعداء للصحیحین: 89/9، الشفاء: 181/1

﴿1﴾ نبی ﷺ جب کفار کو کفر و شرک میں دیکھتے اور خیال فرمایا کرتے کہ یہ لوگ کس انجام بد کا شکار ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ کیوں کر اپنے ہاتھوں اپنے لیے چاہ بلاکت کھود رہے ہیں۔ تب حضور ﷺ کے دل رحم پر و کونہایت صدمہ گزرتا تھا۔ بسا اوقات یہ کیفیت اس قدر بڑھ جاتی کہ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کے تسلیہ و تسکینہ کے لیے اپنا کلام و پیغام بھیجنا پڑتا۔ سورہ یس میں ہے: ﴿فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ﴾ [یس: 76] ان کی باتوں سے آپ اپنا جی براندہ کریں۔ سورہ آل عمران میں ہے: ﴿وَلَا يَحْزِنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ [آل عمران: 176] کفر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت سے آپ اندوہ گیس نہ ہوں۔

واقعات بدر میں مذکور ہے کہ جب حملہ آوران مکہ قید کر لیے گئے تو رات کو نبی ﷺ کو نیند نہ آئی، ادھر سے ادھر کروٹیں لیتے تھے۔ کرب و اضطراب نمایاں تھا۔ ایک انصاری نے عرض کی کہ حضور ﷺ کو کچھ تکلیف ہے، فرمایا نہیں۔ مگر عباس رضی اللہ عنہما کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آ رہی ہے۔ اس لیے مجھے چین نہیں پڑتا۔ انصاری چیپکے سے اٹھا، اس نے جا کر عباس رضی اللہ عنہما کی مشک بندی کھول دی، انھیں آرام مل گیا، تو وہ فوراً سو گئے۔ انصاری پھر حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اب عباس رضی اللہ عنہما کی آواز کیوں نہیں آتی۔ انصاری نے بولا کہ میں نے ان کے بندھن کھول دیے ہیں، فرمایا جاؤ، سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرو۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں، جب نبی کریم ﷺ کا اضطراب دور ہوا اور حضور ﷺ خواب شیریں سے استراحت گزریں ہوئے۔ ﴿2﴾

ذرا سوچنا ہے، قید وہ تھے جنہوں نے 13 سال تک متواتر اہل ایمان کو ستایا تھا، کسی کو آگ پر لٹایا کسی کو خون میں نہلایا، کسی کو بھاری پتھروں کے نیچے دبایا، کسی کو تخت اذیتوں کے بعد خاک و خون میں سلایا تھا اور پھر ان پر یہ نرمی، یہ سلوک۔ عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے تائید تھے اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے وہ بادل ناخواستہ صرف قوم کے اکراہ و اجہار سے بدر میں آئے تھے۔ بائیں ہمہ حضور ﷺ کے عدل و انصاف نے ان میں اور دوسرے قیدیوں میں کوئی امتیازی فرق قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔

لیکن حضور ﷺ کی رحم دلی اور طبی شفقت و رافت کا یہ عالم تھا کہ جب تک سب قیدیوں کے بے آرام ہونے کی رپورٹ نہ ملی اس وقت تک حضور ﷺ کو نیند تک نہ آئی۔

﴿عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کا یہ جلوہ ایسے حملہ آوران و دشمنان جانی و ایمانی کے مقابلہ میں تھا۔

﴿2﴾ جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر رواق افروزمیہ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ [الأنفال: 33] کا مفہوم ظاہر فرمایا اور اہل مکہ پر قحط شدید کی آفت کو اتارا۔ قحط اس شدت کا تھا کہ اہل مکہ کی آنکھوں کی روشنی بھی کم ہو گئی تھی۔

ابوسفیان اموی ہمیشہ مسلمانوں سے برسر پر خاش رہا کرتا تھا وہ خود دربار مصطفوی ﷺ میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے عرض گستر ہوا کہ حضور ﷺ ہمیشہ احسان اور صلہ رحم کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے قرائقی ہیں اور رحم کے علقی۔ احسان



فرمایے اور دعا کیجیے کہ اس قلعہ شدید سے ہم کو نجات ملے۔<sup>①</sup>

نبی ﷺ نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہما سے دعا کی کہ میں فوراً قلعہ کو چھوڑنے کا بندوبست کرے۔ اس کے علاقہ میں اناج بکثرت تھا۔ اس نے قلعہ صرف اس لیے روک رکھا تھا اور منفعت تجارت کو بھی نظر انداز کر دیا تھا کہ اہل مکہ دشمنان رسول ہیں۔ اب حکم نبوی ﷺ کی تعمیل ہوئی اور اہل مکہ کی جان میں جان آئی۔<sup>②</sup> یہ بھی دشمنوں کے مقابلہ میں ﴿عَزَّوَجَلَّ مَا عَنِتُّمْ﴾ کا ایک ثبوت تھا۔

③ جنگ طائف ان حملہ آوروں کے ساتھ ہوئی، جن سے حنین و اوطاس میں شدید محاربہ ہوا تھا۔ یہ لوگ ان مقامات سے شکست کھا کر قلعہ طائف میں مستحکم ہو گئے تھے اور ابھی ان کی فوجی طاقت زوروں پر تھی۔ نبی ﷺ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ دشمن محاصرہ کی شدت سے سخت تکلیف میں ہے۔ بھوک نے ان کی ہلاکت کو بہت قریب کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے عرض بھی کیا کہ اب تو قلعہ فتح ہی ہونے والا ہے۔ مگر حضور نے ازراہ رحم و کرم جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کرائی۔ یہ ﴿عَزَّوَجَلَّ مَا عَنِتُّمْ﴾ کا تیسرا ثبوت ہے۔ ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے اور ایسے نظائر اور بھی بہت ہیں کہ قلب رحیم اور طبع کریم پر اہل محاربہ کی حالت زیوں اور انجام دگرگوں کا کیا اثر ہوا کرتا تھا۔

اہل اسلام کے متعلق حضور ﷺ کی رحمت و شفقت کا بیان بے پایاں ہے۔

عبادات و معاملات میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ امت کو دشواری سے بچانے کے لیے یا امت کی آسانی کے لیے حضور ﷺ کیا کچھ توجہ فرمایا کرتے تھے۔

یعنی امت کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور امت کی راحت کو اپنی راحت قرار دے رکھا تھا۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حنیہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب معراج کو پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ سے کہا: ﴿إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ (آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں) تب حضور ﷺ نے رجوع الی اللہ فرمایا۔ تخفیف ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی حضور ﷺ کو وہی کہا جو پہلے کہا تھا اور نبی ﷺ ہر بار رجوع الی اللہ فرماتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔<sup>③</sup>

اس واقعہ سے دو نتیجے صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں۔

① نبی ﷺ فرمانِ رُحْمٰن کے کتنے منقاد و مطیع تھے کہ جب پچاس نمازوں کا حکم ہوا تو حضور ﷺ نے اس بارہ میں ذرا بھی لب کشائی نہیں فرمائی۔

② حضور ﷺ اپنی امت پر کس قدر مہربان تھے کہ موسیٰ کلیم اللہ رضی اللہ عنہما جیسے تجربہ کار نبی نے ﴿إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ کو دہرایا تو فوراً اس پاک فطرت کا ظہور ہوا جو ﴿عَزَّوَجَلَّ مَا عَنِتُّمْ﴾ کی تحت میں پنہاں تھی اور حضور ﷺ نے بار بار رجوع الی اللہ فرمایا۔

اس حسن ادب اور التماس متواترہ کا ثمرہ یہ ہوا کہ تعدد تو پچاس سے پانچ رہ گئی اور ثواب وہی پچاس (50) کا رکھا گیا۔

① بخاری: 1070, 1020 ② بخاری: 4580, 4372 ③ (سماغانہ: 478/1) بخاری: 349، دلائل النبوة للصحیحی: 159/5، طبرانی فی المعجم: 348/4

میرا خیال ہے کہ اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام ﴿إِنَّ أَمْتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ کے فقرہ کا استعمال نہ فرماتے اور حضور ﷺ کو کسی اور دلیل سے التماس تخفیف پر مائل کرنا چاہتے تو وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکتے۔

نبی ﷺ کے کمال عبودیت اور ذوق شوق عبادت کے سامنے تو پچاس (50) نمازوں کی کثرت بھی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ وہ قلب شاگرد اور اسان ذکر جو یاد الہی سے ایک دم کے لیے غافل نہ ہوتے ہوں ان کے لیے محدود وقت میں محدود رکعتوں کا ادا کر لینا کیا دشوار ہو سکتا ہے۔

④ ماہ رمضان تھا، نبی ﷺ مدینہ سے مکہ معظمہ کو تشریف لارہے تھے، حضور ﷺ روزے رکھا کرتے تھے، جب یہ مقام حسفان پہنچے تو حضور ﷺ نے پانی منگایا اور دست مبارک کو بلند کرتے ہوئے لوگوں کو دکھلا کر پانی پی لیا اور پھر مکہ پہنچے تک روزہ نہ رکھا۔ ⑤ یہ ترجمہ توحیح بخاری کی روایت عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، لیکن دیگر روایات میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اس لیے روزہ افطار فرمایا اور ترک صوم کیا تھا کہ اہل لشکر کو سفر میں روزہ کی شدت تکلیف دہ تھی اور امت کی تکلیف سے حضور ﷺ خود تکلیف محسوس فرماتے تھے۔

⑤ صلوٰۃ التراويح کے متعلق صحیحین اور سنن میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو شب یہ نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی اور تیسری شب کو حضور ﷺ مسجد میں اس نماز کے لیے تشریف نہ لے گئے۔ اور پھر صبح کو لوگوں سے فرمایا:

قَدْ رَأَيْتُ صَبِيْعَكُمْ فَلَمْ تَمْنَعِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ أَيُّ حَشِيْمَةٌ أَنْ يَقْرَءَ عَلَيْكُمْ۔ ⑥

”اس نماز کے لیے تمہارا آنا، انتظار کرنا وغیرہ میں نے دیکھا، مجھے آنے میں صرف یہ خیال مانع ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔“

⑥ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز تہجد میں تھے، میں حضور کے ساتھ شامل ہوا، حضور ﷺ نے میری اقتداء کو محسوس کیا تو نماز ہلکی کر دی۔ ⑦

⑦ ام المومنین عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے شیوہ عمومی کو ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے:

إِنَّ سَمَانَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَبْدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يُعْمَلَ بِهِ حَشِيْمَةٌ أَنْ يُعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيَقْرَءَ عَلَيْهِمْ۔ ⑧

”نبی ﷺ ایسے عمل کو بھی چھوڑ دیتے تھے جس کا کرنا حضور ﷺ کو پسند ہوتا، اس خیال سے کہ لوگ بھی عمل کرنے لگیں گے اور ڈر ہوتا کہ کہیں وہ عمل فرض نہ ٹھہرا دیا جائے۔“

ان جملہ روایات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ﴿عَزَيْبُوا عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کی صفت حضور ﷺ میں کیسی مستحکم تھی اور امت کی تکلیف کا خیال حضور ﷺ کو کس قدر شاق تھا۔

یہ محبت، یہ شفقت، یہ ترحم یہ پیار تو ماں باپ کو بھی اپنی سب اولاد کے ساتھ یکساں نہیں ہوتا جو حضور ﷺ کو اپنے ہزاروں ہزار اور الوف ورافوف اور امت کے ساتھ تھا۔

① بخاری: 1944، 1948، مسلم: 2604، نسائی: 2312، بخاری: 2011، 1119، مسلم: 1783، ابوداؤد: 1373، نسائی: 2192، کنز العمال: 21542، بخاری: 1135، مسلم: 1815، ترمذی: 1418، ② بخاری: 1128۔

### ﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ [التوبہ: 128]

”تمہاری منفعت کے خواہش مند ہیں۔“

جب حرص کا استعمال علی کے صلہ سے کیا جاتا ہے تو اس کے معنی شدت طلب ہوتے ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہوا ”ہمارا نبی ﷺ تم لوگوں کی نفع رسانی کا کمال درجہ طالب و شائق ہے۔“

آیت ہالا سے بوضوح ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو نبی قوی نوع کے مفاد اور رفاه و صلاح کی آرزو بہ درجہ کمال تھی۔

سورہ یوسف میں ہے: ﴿وَمَا أَكْفَرُ النَّاسُ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ [یوسف: 103]

”بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تجھ کو ان سے ایمان لے آنے کی بڑی چاہت ہے۔“

اس آیت سے بھی سبکی استفادہ ہوا کہ حضور ﷺ کا منہائے نظر اور کمال آرزو یہی تھا کہ تمام عالم کے سر ایک ہی مالک و وحدہ

لا شریک لہ کے سامنے بچکے ہوئے ہوں۔

رب واحد کا دین واحد ہی تمام اصناف انسانی کو متحد و متفق بنانے والا ہو۔

قریش کے سردار عقبہ نے ایک بار نبی ﷺ سے مل کر یہ عرض کیا تھا۔

① کیا تم مال و دولت چاہتے ہو؟

میرا زہم ہے کہ سب سے زیادہ مال و زر تیرے پاس جمع کر دوں گا۔

② کیا تم ریاست کے خواہاں ہو؟

ہم سب تجھے اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں۔

③ کیا تم تخت قائم کرنا چاہتے ہو؟

میں سارے عرب سے تیری فرماں روائی کی تصدیق کرادوں گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا، مجھے نہ زر و دولت کی ضرورت ہے اور نہ ریاست و حکومت کی آرزو ہے۔ میں تو رب العالمین کا پیغام

لے کر آیا ہوں اور اس کا ہر ایک سننے والے کان تک پہنچا دینا میرا مقصد و اعلیٰ ہے۔ ④

ایک بار ابو جہل لعین نے حضور ﷺ کو مضروب کیا۔ جزو عم رسول ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو انھوں نے ابو جہل کو چاہینا اور

پھر نبی ﷺ کو آ کر بتلایا۔ محمد ﷺ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا انتقام لے لیا۔

نبی ﷺ نے جواب دیا، مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات جم گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔<sup>(1)</sup>

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اغراض کے گرد و غبار سے بلند تر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تعلیم کے لیے بے حد سرگرمی کسی ذاتی مفاد پر مبنی نہ تھی۔ انتقام اور دیگر رذائل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ پاک صاف تھے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو اپنے نفس کے لیے کچھ بھی نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیکر محبت کل تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود منفعت عامہ اور وجود عامہ کی صفات سے مشکل و محسوم تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اوصیہ پر نظر ڈالو جو وقتاً فوقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے حق میں فرمائی ہیں۔ وفات سے ایک ماہ پیشتر ایک خطبہ کے آغاز میں فرمایا:

مسلمانو! اللہ تمہیں سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں شر سے بچائے، تمہاری مدد کرے، تم کو بلند کرے، ہدایت اور توفیق دے۔ اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے، تمہارے دین کو تمہارے لیے محفوظ بنائے۔<sup>(2)</sup>

ذرا ان الفاظ پر غور کرو، ایک کے بعد دوسری دعا اور دوسری کے بعد تیسری۔ گویا دعا و برکت دیتے تھکتے ہی نہیں۔ یہ اسی صفت خَوِیصٌ عَلَیْكُمْ کا ظہور ہے۔

اور یہ خصوصیت ذات ہمایوں ہی کی ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی نَبِيِّكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ۔

خصوصیت نمبر 21

﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ﴾

”وہ مومنوں سے بہت زیادہ پیار کرنے والا اور ان پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے“

آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف اور رحیم کے اسما سے یاد فرمایا گیا ہے۔

رؤف رافت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

رحیم رحم سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو صیغے مبالغہ کے اوزان<sup>(3)</sup> (پر آتے ہیں، وہ معنی کثرت و فراوانی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ اور جو صیغے صفت<sup>(4)</sup>

مشبہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ صفت لازم اور معنی ثابت کے مظہر ہوتے ہیں۔

لہذا رؤف کے معنی کامل العطف ہیں اور رحیم کے معنی دائم الرحمت ہیں۔ سورہ حج اور سورہ بقرہ میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرؤُفٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحج: 65] ”اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤف و رحیم ہے۔“

(1) حلیۃ الاولیاء، باب العیون، 40/1، ابن ہشام، 185/1 (2) تاریخ طبری اردو، 399/2 (3) مبالغہ کے اوزان دس ہیں اور مندرجہ ذیل لغات ان اوزان پر ہیں: (1) تَجَارٌ (2) غَلَامَةٌ (3) صِدْقٌ (4) مَسْكِينٌ (5) مَسْعَرٌ (6) مِعْطَارٌ (7) نَصِيْرٌ (8) ضَرْوْبٌ (9) جَلْدٌ (10) قَادُوْقٌ مبالغہ ہمیشہ فاعلیت کے معنی دیتا ہے۔ (4) صفت مشبہ فعل لازم سے معنی فاعل آتا ہے۔ مندرجہ ذیل لغات اس کے وزن ظاہر کرتے ہیں: (1) حَسَنٌ (2) كِتَبٌ (3) صَغْبٌ (4) حَتَاكٌ (5) حَمَاعٌ (6) طَبِيْعٌ (7) مَهْدٌ (8) اَنْسَبٌ (9) فَطْلَانٌ (10) عَجْرِيْمٌ (11) وَفُوْرٌ (12) فَرُوْحٌ ہے۔ اسے مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی معنی اور تصرف میں اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں یہ امر نہایت شرف و عزت اور غایت و کرم و حرمت کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں وہ وہ نام بہ حالت ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترکیب کے ساتھ خود ذات پاک سبحانی کے لیے مستعمل ہوئے ہیں۔

ہاں! اللہ اکبر کی رافت و رحمت کو عوام الناس پر عام فرمایا گیا ہے اور حضور ﷺ کو رافت و رحمت و بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ فہم معانی میں اس عموم و خصوص کا امتیاز یاد رکھتے ہوئے مومنین کے شکر و اجتناب کا مقام ہے کہ ان کو المصاعف و رحمت و عطوفت کا مورد و مصداق بنایا گیا ہے۔

مناسب مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے کہ کیا دیگر اسمائے مبارکہ میں بھی نبی ﷺ کے لیے ایسا شرف و امتیاز موجود ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَسَقَى لَهٗ مِنْ اِسْمِهِ لِيَجْلَهُ كَقَدْوِ الْعَرُوسِ مَحْمُودٍ وَ هَذَا مُحَمَّدُ

اگر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ الموبد بروح القدس کی سنت حسنة کا اقتدار کیا جائے، تب تو حضور ﷺ کے اسی (80) سے زیادہ ایسے اسمائے گرامی نکلیں گے جن کا توافقی و تطابقی اسماء اللہ الحسنى سے ہو جاتا ہے۔

سیرت نبویہ ﷺ کے امرۃ الاعلام کا شیوہ رہا ہے کہ:

① جس مصدر یا فعل کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف کتاب حمید میں فرمائی ہے۔ اس سے اسم بنا لیتے ہیں۔

② جس صفت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف الفاظ حدیث میں آئی ہے، اسے اسم شمار کر لیتے ہیں۔

③ جن اعلان کے ساتھ اشعار میں جو حضور ﷺ کے سامنے پڑھے گئے حضور ﷺ کو مخاطب یا موصوف کیا گیا ہے،

ان کے اسماء کے ذیل میں شامل کر لیتے ہیں۔

امرۃ سیرت کا یہ شیوہ مستحسن ہے اور حسن ادب، نیز کمال ادب پر دال ہے۔ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اسمائے مبارکہ کی جو

فہرست و ترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہے وہ انہی اصول تلاش پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا اصول کی صراحت کے بعد قابل گزارش ہے کہ حضور ﷺ کے جن اسماء کی صراحت تطبیق کلام ربانی سے ہوتی ہے،

ان کا شمار بانوے (92) ہے۔ ان اسماء کے معانی کی بحث تو آگے چل کر آئے گی۔ اس جگہ حضور ﷺ کے وصف رافت و رحمت کے متعلق مختصراً کچھ لکھ دینا ضروری ہے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَأَخَّرُ لَنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا ①

”نبی کریم ﷺ ہم کو گاہ بہ گاہ وعظ سنایا کرتے، اس اندیشہ سے کہ روزانہ وعظ سننا ہم پر گراں نہ گزرے۔“

نبی ﷺ کا یہ اصول ازراہ شفقت و رافت تھا کہ سامعین جس قدر بھی سنیں نشاط طبع اور حضور قلب سے سنیں اور آئندہ کے

لیے شوق تمام باقی رہے۔

عادت مبارکہ تھی کہ جب بہ حالت نماز کسی بچہ کے رونے کی آوازیں پاتے تو نماز ہلکی فرما دیتے کہ ماں بچہ کو جلد سنبھال

سکے۔ عادت مبارک تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پایادہ ہمرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے۔ اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہتے، یا تو اسے سوار کر لیتے تھے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔ عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو اس کا قرض بیت المال سے نکل اذتہ فین ادا فرما دیتے تھے، مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے، کسی کی غیبت میرے سامنے مت کرو، میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔ بار بار ایسا ہوا کہ ساری ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ چھوٹے بچوں کو پیار کرتے، ان کو خود سلام کیا کرتے، ان کے سر پر دست شفقت رکھتے، گلی میں کھیلنے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے، غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔

ان سب امور کا ظہور ازراہ شفقت و رافت ہوا کرتا تھا اور اس بلند ترین رافت و رحمت کا ظہور حضور ﷺ پر نور کے خصائص میں سے تھا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

خصوصیت نمبر 22

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ [28: 24]

”ہم نے تجھے جملہ نوع انسانی کے لیے بھیجا ہے۔“

کتاب خروج، باب سوم میں ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوٹے میں آگ کے شعلے نکلتے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا، دو یہ دیکھنے کو آگے بڑھے، جب اللہ نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔ (6)

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں یقیناً دیکھی، جو خراج کے محصولوں کے سبب سے ہے۔ سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں۔ (7)

اور میں نازل ہوا ہوں کہ انھیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے، کنعانوں اور حتیوں اور مورہوں اور فرضیوں اور خوئیوں اور یوسویوں کی جگہ میں لاؤں۔ (8)

اب دیکھ، بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ (9)

بس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔ (10)

مندرجہ بالا فقرات (7، 8، 9، 10) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے مقصد و مدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل کی رہائی اور ان کو وعدہ کی زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوام عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ایک شریعت فرمائی جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہو۔ باب 32 درس 4

اس فقرہ نے شریعت تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لیے ہی ہونا ظاہر کر دیا۔ اگر یہ فقرہ نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ کوئی مدعی کہہ سکتا



کے سیکھنے کے لیے مجتمع ہوئے تھے، وید مت کو کبھی تبلیغی مذہب نہیں قرار دیا تھا۔

دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے۔

غور کرو کہ شریعت موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس (Peter) کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔

ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔

یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے پیشتر بزرگوں نے حقیقتاً اپنے اپنے مذاہب کو محدود و رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص سمجھا ہوا تھا۔

نبی ﷺ کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کل دنیا کے لیے مبعوث ہیں۔ آیت زیب عنوان کی دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الاعراف: 158]

”اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ اے نسل انسانی کے بچو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔“

خصوصیت نمبر 23

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [التح: 10]

”جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔“

مہابیت بیع سے ہے۔ لغت میں بیع مطلقاً بمعنی مبادلہ ہے۔ شرعاً اخذ ثمن اور عطائے ثمن کو جب کہ بہ تراضی جائین ہو، بیع کہتے ہیں۔

بیع بمعنی شرا اور شرا بمعنی بیع بھی مستعمل ہے۔ یہ جائین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ الغرض مہابیت میں جائین کو کچھ دینا اور کچھ لینا ضروری ہے۔

بیعت، اصطلاح میں اس عہد و پیمانہ کو کہتے ہیں جو اطاعت امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا التزام بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے وہ بمقام حدیبیہ درخت سراء کے تحت میں ہوئی تھی۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [التح: 18]

”اللہ ان سب مومنوں سے راضی ہو گیا جو کہ شجرہ کے نیچے رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔“



اس بیعت کی ضرورت و حقیقت یہ تھی کہ نبی ﷺ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا، ان کی معیت میں دس (10) صحابہ بھی بیٹھے گئے۔ ان کے پہنچ جانے سے ایک دو روز بعد حضور تک ایک اڑتی ہوئی خبر پہنچی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثمان رضی اللہ عنہ کو قید اور ان کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ اگر اس کی صداقت ہو جاتی تو حرمت سفارت اور احترام سفر کے لیے جنگ کرنا اخلاقاً و شرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ صرف اولائے عمرہ و طواف کی نیت سے آئے تھے۔ ان کے علم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش و تبار اور قرابت داروں کے منہ پر تلوار چلائی ہوگی۔

لہذا یہ بیعت کر لینی پڑی۔

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ اس وقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو (1400) کس تھی۔ [1] نبی ﷺ بدر سخت کے سایہ میں اور افروز تھے، بیعت لینے کے لیے دست مبارک پھیلا یا ہوا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کے ہاتھ کا سہارا بنایا ہوا تھا کہ یہ مبارک کوٹکان نہ ہو۔

لوگ آتے تھے اور یکے بعد دیگرے بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سلمہ بن اکوع سلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے بیعت علی السموت کی تھی۔ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے عدم فرار کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایات کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظ بیعت کو خود بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بے شک حریت اسلام ایسی ہی حریت نفس کی معلم ہے، جس میں اجبار و اکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اس جم غفیر کے اندر صرف ایک شخص جہ بن قیس سلمی ایسا تھا جو اپنے اونٹ کی اوٹ میں جا چھپا تھا اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حریت اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اس پر بھی کچھ سختی نہیں کی گئی۔ البتہ حضور ﷺ نے مباحین کا شرف جاہ ظاہر کرنے کے لیے یہ ضرور فرمایا:

انتم خير الأذھی "آج تم رونے زمین کے جملہ موجودہ اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو۔" [2]

اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے رضوان الہیہ کا تعلق مستحکم اور رابطہ تویم ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ [التوبہ: 111]

"اللہ نے مؤمنین کی جانوں کو خرید لیا ہے اس تبادلہ میں کہ جنت ان کی ہے۔"

فرمایا: ﴿فَاسْتَبَشِرُوا بِنِعْمَتِ اللَّهِ الَّتِي بِأَيْدِيكُمْ﴾ [التوبہ: 111]

"اپنی ایسی بھج پر تم کو پوری پوری خوشیاں منانی چاہئیں۔"

میں نے اس آیت کا ذکر خصائص النبی ﷺ میں اس لیے کیا ہے کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص فضل محمدیہ ﷺ کا ثبوت

حاصل ہوتا ہے۔

غور کرو کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بائعین ذات قرار دیا ہے۔

اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زبیر عنوان ﴿يَذُ اللّٰهُ فَوْقَ اَيْدِيهِمْ﴾ [الحج: 10] کے الفاظ ہیں۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ لفظ يَذُ ہر دو جگہ میں یا تو بمعنی واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی ہیں۔

① اگر "يَذُ" کے معنی ہر دو جگہ ایک ہی ہیں، تب معنی آیت یہ ہیں کہ احسان الہی تمہارے احسان سے برتر و اعلیٰ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿بَلٰى اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِذٰلِكَ اَنْتُمْ اِلٰهِيْمَ﴾ [الحجرات: 17]

"بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی۔"

نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جو نصرت و تائید منجانب اللہ حاصل ہے۔ وہ اس تائید و نصرت سے بہت برتر و اعلیٰ ہے جو حضور ﷺ کو منجانب صحابہ رضی اللہ عنہم حاصل ہے۔

لفظ يَذُ یہ معنی غلبہ و نصرت و قوت زبان عرب میں بنوئی مستعمل ہے۔ محاورہ ہے کہ اَلْيَدُ لِفُلَانٍ اب فلان شخص کا غلبہ ہے۔ ﴿يَذُ﴾ کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے۔ تب يَذُ اللّٰهُ کے معنی حفظ الہی ہیں اور اَيْدِيهِمْ سے مراد بائعین کے ہاتھ (یہ جارح جسمانی) ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت ہمیشہ ان بائعین کے ساتھ ہوگی۔

اس کی تائید اسی سورہ مبارکہ میں تھوڑی دور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے۔

﴿فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَنْزَلْنَا لَهُمْ قُرْاٰنًا مَّوْجِدًا وَمَغَآئِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا﴾

"اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا۔ ان پر سکینہ اتارا، ان کو فتح قریب عطا فرمائی

اور وہ بڑی فتوحات بھی ان کے لیے خاص کر دیں جن کو وہ حاصل کریں گے۔" [الحج: 18-19]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے ماتحت عمال و گورنر و جرنیل و قاعدین لشکر اور فاتحین کشور انہی بیعت کرنے والوں میں تھے۔ حضرت موسیٰ، عمران، عمارق و فلسطین، شام و مصر، افریقہ و سوڈان، یونان و الجزائر، مالٹا اور کریٹ، ایران و خراسان کی فتوحات و مقام انہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے حکم برداروں کو حاصل ہوئی تھیں۔

ہاں یہی وہ بزرگ ہیں جو مفہوم آیت اور اس بشارت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ انہی کے دلوں کا امتحان لیا گیا اور انہی پر نزول سکینہ ہوا، وہ سکینہ جس کے نزول کا ذکر احوال موسیٰ علیہ السلام میں بھی ہے۔

انہی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی کہ کل دنیا کے ہاتھ ان کے سامنے پست تھے۔ کبھی کسی سلطنت کی قواعد و ان اور باقاعدہ مسلح افواج ان پر غالب نہ آسکیں۔ ﴿كَفَّتْ اَيْدِي النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ [الحج: 20] "لوگوں کے ہاتھ تم سے روک لیے" کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضل و شرف، جاہ و احتشام، دولت و اقبال مادی اور رحمت و برکات روقی کا سبب، ذریعہ کیا تھا؟ یہی بیعت نبوی رضی اللہ عنہم

① اہل حدیث لفظ يَذُ کی کوئی تاویل نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کو ہم ولوازم جسم سے پاک و برتر تسلیم کرتے ہیں اور جسم و مصلحہ سے علیحدہ ہیں۔ منفات میں ان کا مسلک ہر ایک صحیح سے پاک و صاف ہے۔

یہی اجناس محمدی ﷺ، یہی صدق و اخلاص جو انہیں پیارے رسول ﷺ کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔ لہذا وہ سب طفلی تھے۔ ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی ﷺ ہی کی ذات مبارک سے ہے۔ اور نبی ﷺ کا یہ شرف حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

خصوصیت نمبر 24

﴿ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ﴾ [احزاب: 40]

”بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی ان کو ختم کر دینے والے ہیں)“  
خاتم اور ختم ① دونوں کے ایک معنی ہیں۔ النہین کا الف لام جنس جملہ انبیاء و رسل پر جاری ہے۔ کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود باوجود پر نبوت کا خاتمہ کرو یا گیا۔  
یہ ایک عجیب پیش گوئی ہے اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت مخائب اللہ موجود ہے۔  
ایران کو دیکھو، وہاں ہزاروں سال تک متواتر سرور آسمانی کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔ ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک مہارشی ایسے ہوئے، جن پر آکاش بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔  
بنی اسرائیل کے حالات پڑھو، جہاں ایک ایک وقت دو دو، چار چار نبی موجود پائے گئے۔  
مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت و رسالت ہونے کے دعاوی کو بلند کیا۔  
لیکن جب سے کلام اللہ میں آیت زیب عنوان کا اعلان ہوا اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے اس وقت سے ان سب مذاہب و ادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیئے ہیں۔  
مجوں اب کیوں کسی شخص کو جائے اسپ و زرتشت کے اورنگ پر نہیں بٹھلاتے۔ آریہوت اب کیوں آکاش بانی کا ایک حرف بھی نہیں سنتا۔

بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتے۔  
پیارے قارئین! یہ سب قدرت الہیہ کا روشن کارنامہ ہے، جس نے نبی ﷺ کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے بھی یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، نبی، رسول، ادنا رکھا جائے۔  
دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔

کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی ﷺ نے اپنی ذاتی توصیف کے لیے ایسا فرما دیا ہے۔  
① اس لیے کہ دعویٰ کرنا آسان ہے، مگر زمان مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے، یہاں تو چودہ صدیوں کا

زمانہ [1] اور مختلف و متعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ جس شے کی تائید میں خود نیچر ہو وہاں تصنع کا کیا دخل رہ جاتا ہے؟  
[2] اگر نبی ﷺ کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضور ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے پیغمبرین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اپنی اتباع کرنے والے انبیاء کی شان اور تعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیا کی نسبت یہ بات زبان زد عوام ہے کہ انہوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم اگر ثابت بھی ہو جائے کہ کسی شخص نے اَنَا الْحَقُّ بھی کہا یا سُبْحَانِي مَا اَعْظَمَ شَانِي بھی کہا تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے کہ خدا بننا تو ان کو پہل نظر آیا مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔ ایسے ہی لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے۔

ع با خدا دیوانہ پاش و با محمد ہوشیار

ذیل میں ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے، جو آیت زبیر عنان کی تفسیر میں نبی ﷺ سے باسناد صحیحہ ثابت ہیں۔  
[1] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِي قَصُرَ أَحْسَنُ بُنْيَانِهِ وَتَوَكَّرَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبَنَةٍ وَطَافَ بِهِ النَّظَّارُ يَتَعَجَّبُونَ مِنْ حُسْنِ بُنْيَانِهِ إِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبَنَةِ فَكُنْتُ أَنَا سَدَدُكَ مَوْضِعَ اللَّبَنَةِ حَتِّمَ بِي الْبُنْيَانُ وَحَتِّمَ بِي الرَّسُولُ وَفِي رِوَايَةٍ فَأَنَا اللَّبَنَةُ وَأَنَا حَاتِمُ النَّبِيِّينَ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بالاتفاق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری مثال اور دیگر سب انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے، جسے خوب بنایا گیا تھا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے آتے تھے۔ مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے۔ اب میں ہوں۔ جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے۔ میرے ذریعہ ہی سے عمارت ختم ہوئی اور میری وجہ ہی سے رسول ختم کیے گئے اور وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب انبیاء ﷺ کا ختم کرنے والا ہوں۔“

[2] عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَنِّي لِي أَسْمَاءُ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الصَّاحِبِيُّ الَّذِي يَمْسُحُو اللَّهُ بِي الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحَشِّرُ النَّاسَ عَلَيَّ قَدَمِي وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ [3]

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں منفقہ روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی زبان سے سنا ہے کہ حضور فرماتے تھے میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماجی ہوں۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو محو کر دیا۔ میں حاشر ہوں کہ لوگ قیامت کو میرے بعد اٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی اور نہ ہو۔“

[3] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَصَلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتَّةِ أَعْظَمْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُجِلَّتْ لِي الْعَنَانِمْ وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَأَفَّةٍ وَحَتِّمَ بِي النَّبِيُّونَ [4]

[1] 9 ربیع الاول 1347ھ کو یوم ولادت مطہرہ سے چارے چودہ سو (1400) برس ہو جاتے ہیں۔ یعنی 5ھ میں 53 سال حضور ﷺ کی عمر ولادت ہجرت کو پنج کر لینا چاہیے۔ [2] بخاری: 3534، ترمذی: 1553، ابن ماجہ: 567، مسند احمد: 412/2، [3] اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے پانچ نام فرمائے۔ محمد، احمد اور ان کے معانی نہیں فرمائے۔ ماجی، حاشر، عاقب۔ ان کے معانی 13 کے، اس سے واضح ہوا کہ محمد و احمد ﷺ ذاتی نام ہیں اور ماجی، حاشر، عاقب و علی نام ہیں۔ بخاری: 3532، مسلم: 6105، ترمذی: 2840 [4] مسلم: 1167، ترمذی: 1553، مسند احمد: 412/2، اس حدیث کی شرح ہم آگے جا کر لکھیں گے۔

صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سب انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت ہے۔  
 (1) مجھے کلمات جامد عطا فرمائے گئے۔ (2) مجھے رعب سے مدد دی گئی۔ (3) مال غنیمت ہم پر حلال کیا گیا، (4)  
 روئے زمین کو ہمارے لیے مسجد اور سب طہارت بنایا گیا اور (5) مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا۔ (6) میری  
 ذات پر انبیاء کا خاتمہ ہو گیا۔

④ عَنْ أَبِي أَسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِي خُطْبَةُ الْوَدَاعِ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ ①

”ابن جریر و ابن عساکر نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ الوداع میں فرمایا تھا۔ لوگو! یاد رکھو،  
 میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔“

⑤ رَوَى أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرَّةً فَرُوعًا أَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبِيَّةَ  
 قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ ②

”زرقاتی (شرح المواہب اللدنیہ) میں ہے کہ امام احمد رضی اللہ عنہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ امام حاکم رضی اللہ عنہ نے صحیح اسناد کے ساتھ انس  
 سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے، لہذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی  
 نبی ہوگا۔“

⑥ عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّحُونَ فِي أُمَّتِي تَلْتُونَ كَذَابًا كُلُّهُمْ  
 يَزْعَمُ اللَّهُ، نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمَ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ③

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں تیس (30) شخص ایسے ہوں گے جو کذاب ہوں گے۔ ان میں سے  
 ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

⑦ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ④

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔“  
 سب جانتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی نہ تھے۔ ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

⑧ جَنگِ تَبُوكِ كِے مَوَاقِعِ پَر نَبِي صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔  
 سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھپے چھوڑ دیا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا  
 کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى - أَلَا إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ⑤

”کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے

① الطبرانی فی الکبیر: 136/8، کنز العمال: 12922، مجمع الزوائد: 263/8، تہذیب و تحقن: 419/6، ② ترمذی: 2272، کنز العمال: 41407،  
 مجمع البیان: 5566، مستدرک: 267/3، حاکم: 391/4، ③ مسلم: 2889/19، ابوداؤد: 4252، ترمذی: 2176، ابن حبان: 7238، مستدرک: 278/5،  
 ④ مسلم: 3686، اسد الغابہ: 151/4، ⑤ بخاری: 4416، مسلم: 6218، ترمذی: 3731، ابن ماجہ: 115.

بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔“

موسیٰ علیہ السلام میقاتِ ربی کے لیے طور پر چالیس (40) یوم ٹھہرے اور اپنے بعد ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غزوہ تبوک میں قریباً پچاس (50) یوم مدینہ سے باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس واقعہ میں خلافت بعد وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ نہیں، کیوں کہ ہارون علیہ السلام کی وفات موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئی تھی۔

﴿سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرما رہے تھے۔

يَا بِي وَ اَيُّي لَقَدْ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا يَنْقَطِعُ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النَّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَالْاَنْبَاءِ السَّمَاوِيَّةِ۔﴾

”میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے وہ چیز ختم ہوگئی جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی۔ یعنی نبوت اور اخبارِ غیب اور آسمان سے خبروں کا آنا ختم ہو گیا۔“

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبانِ ہندی سے فرمادی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ختمِ نبوت دو خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ آیت ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ختمِ نبوت کا

منصب اس کو شایان ہے جو کمالِ دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔

الغرض آیتِ زبیب عنوانِ نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ حضور کی خصوصیت ختم المرسلین کو واضح کر رہی ہے۔ والحمد للہ

علیٰ ذلک!

اب اگر اہل اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے، جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیش نظر رکھ کر

اگر چاہے تو تمہیں (30) کے شمار میں داخل ہو جائے یا ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے زعمِ باطل کو چھوڑ کر تائب و مومن بن جائے۔

خصوصیت نمبر 25

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [النہا، 107]

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں جو آسمانِ شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے۔ ان کے خطابات سے ان کی شخصیتوں پر

روشنی پڑتی ہے۔

کسی کا لقب مہاراجہ اور حیراج ہے،

کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے،

کوئی مہادیو، کوئی مہابلی، کوئی تمہتن، کوئی روہین تن، کوئی گنوپال، کوئی فرزند نور، کوئی یودھا (بمعنی بیدار) کوئی سولہ کلاں

سپورن، کوئی چندر ہنسی، کوئی سورج ہنسی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے دیگر خطابات اس شخص کی اپنی ذات و اوصاف کے متعلق ایک نمایاں خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطابات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات سے اس ہستی کی کیا نسبت ہے؟

لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے جو مدوح الوصف کو مخلوقات کے ساتھ ہے۔ رحمت کے معنی پیار، ترس، دیا، ہمد روی، تمسک ساری، محبت اور خبر گیری ہیں۔ ان الفاظ کے معانی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔ کوئی شخص ہے، جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے۔ غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم طبیعت کی صفت سے بنا ہے، یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے۔ وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس لفظ کا استعمال انواع و اقسام کے میز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ عالم جنادات، عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم علوی عالم سفلی اور جذبات و ذہنیات و کوائف کے لیے بھی استعاراً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عالم وجد، عالم شوق، عالم شباب وغیرہ۔ الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی و ذہنی تک وسیع ہے۔ عالمین صیف جمع ہے اور جملہ عوامل پر اس کا احاطہ ہے۔

اب اندازہ کرو اس مقدس ہستی کا، جس کا سب سے پیار ہے جو سب پر ترس کھاتا ہے، جو ہر ایک کا ہمدرد و تمسک سار ہے۔ جس کی محبت عام ہے جو ہر ایک مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے، جو ہر ایک وسوس کو اپنے حقائق سے ہمدرد دوست بنا سکتا ہے، جس کے فیوض سے مادیات و ذہنیات تصورات و تصدیقات کو شادابی و ورستی، صحت و صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح پروردگار کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپرواہ نہیں رہ سکتی، اسی طرح رسول کریم ﷺ کی تعلیمات و مہمات سب کے لیے اور سب کے فائدہ کے لیے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورن اور گرمی کی احتیاج نہیں، لیکن ایک عالم اور صاحب دماغ کے لیے یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ ﷺ کی مطلقاً حاجت نہیں۔ دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہ کے بعد کیوں کر انھوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بالواسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیجیں بدل بدل کر اس خرم حیات سے خوش چینی کی ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت پر غور کرو اور حضور ﷺ کو رحمۃ اللعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کرو۔

① رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے 14، 15 سال کی عمر میں حרב الحجاز کو دیکھا اور اس وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، انسان کا انسان کو شکر و غضب و وحشت بنانا پسند فرمایا۔

② رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس کی فطرت سلیمہ اور طبیعت طیبہ نے حلف الفضول کے عہد و پیمان کو مستحکم استوار بنایا اور ایک شریف النفس کے لیے دادخواہی مظلوموں اور دغیبیری مظلوموں، حفاظت مسافروں اور اعانت بے چارگان کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔ ③

③ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھائی۔

﴿ادْفَع بِالْيَمِينِ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ [مجادہ: 34]

”برائی کی مدافعت خوبی و نیکی سے کرو۔ پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔“

④ قبل از نبوت محمدیہ مکہ معظمہ میں ایک انجمن تہذیب کی تھی۔ جس کے ممبر حرم کھایا کرتے تھے کہ وہ مظلوموں کی امداد کیا کریں گے، عورتوں اور یتیمی پر علم نہ ہونے ویں کے نفس و غارتگری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے۔ اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے۔ اس لیے اس انجمن کا نام حلف الفضول ہو گیا تھا۔

(بخاری: 3، 4، 5، 6، 7، 8، 9، 10، 11، 12، 13، 14، 15، 16، 17، 18، 19، 20، 21، 22، 23، 24، 25، 26، 27، 28، 29، 30، 31، 32، 33، 34، 35، 36، 37، 38، 39، 40، 41، 42، 43، 44، 45، 46، 47، 48، 49، 50، 51، 52، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100، 101، 102، 103، 104، 105، 106، 107، 108، 109، 110، 111، 112، 113، 114، 115، 116، 117، 118، 119، 120، 121، 122، 123، 124، 125، 126، 127، 128، 129، 130، 131، 132، 133، 134، 135، 136، 137، 138، 139، 140، 141، 142، 143، 144، 145، 146، 147، 148، 149، 150، 151، 152، 153، 154، 155، 156، 157، 158، 159، 160، 161، 162، 163، 164، 165، 166، 167، 168، 169، 170، 171، 172، 173، 174، 175، 176، 177، 178، 179، 180، 181، 182، 183، 184، 185، 186، 187، 188، 189، 190، 191، 192، 193، 194، 195، 196، 197، 198، 199، 200، 201، 202، 203، 204، 205، 206، 207، 208، 209، 210، 211، 212، 213، 214، 215، 216، 217، 218، 219، 220، 221، 222، 223، 224، 225، 226، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 234، 235، 236، 237، 238، 239، 240، 241، 242، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 251، 252، 253، 254، 255، 256، 257، 258، 259، 260، 261، 262، 263، 264، 265، 266، 267، 268، 269، 270، 271، 272، 273، 274، 275، 276، 277، 278، 279، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 286، 287، 288، 289، 290، 291، 292، 293، 294، 295، 296، 297، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 312، 313، 314، 315، 316، 317، 318، 319، 320، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 329، 330، 331، 332، 333، 334، 335، 336، 337، 338، 339، 340، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 351، 352، 353، 354، 355، 356، 357، 358، 359، 360، 361، 362، 363، 364، 365، 366، 367، 368، 369، 370، 371، 372، 373، 374، 375، 376، 377، 378، 379، 380، 381، 382، 383، 384، 385، 386، 387، 388، 389، 390، 391، 392، 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399، 400، 401، 402، 403، 404، 405، 406، 407، 408، 409، 410، 411، 412، 413، 414، 415، 416، 417، 418، 419، 420، 421، 422، 423، 424، 425، 426، 427، 428، 429، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 440، 441، 442، 443، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 455، 456، 457، 458، 459، 460، 461، 462، 463، 464، 465، 466، 467، 468، 469، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 479، 480، 481، 482، 483، 484، 485، 486، 487، 488، 489، 490، 491، 492، 493، 494، 495، 496، 497، 498، 499، 500، 501، 502، 503، 504، 505، 506، 507، 508، 509، 510، 511، 512، 513، 514، 515، 516، 517، 518، 519، 520، 521، 522، 523، 524، 525، 526، 527، 528، 529، 530، 531، 532، 533، 534، 535، 536، 537، 538، 539، 540، 541، 542، 543، 544، 545، 546، 547، 548، 549، 550، 551، 552، 553، 554، 555، 556، 557، 558، 559، 560، 561، 562، 563، 564، 565، 566، 567، 568، 569، 570، 571، 572، 573، 574، 575، 576، 577، 578، 579، 580، 581، 582، 583، 584، 585، 586، 587، 588، 589، 590، 591، 592، 593، 594، 595، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 602، 603، 604، 605، 606، 607، 608، 609، 610، 611، 612، 613، 614، 615، 616، 617، 618، 619، 620، 621، 622، 623، 624، 625، 626، 627، 628، 629، 630، 631، 632، 633، 634، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 641، 642، 643، 644، 645، 646، 647، 648، 649، 650، 651، 652، 653، 654، 655، 656، 657، 658، 659، 660، 661، 662، 663، 664، 665، 666، 667، 668، 669، 670، 671، 672، 673، 674، 675، 676، 677، 678، 679، 680، 681، 682، 683، 684، 685، 686، 687، 688، 689، 690، 691، 692، 693، 694، 695، 696، 697، 698، 699، 700، 701، 702، 703، 704، 705، 706، 707، 708، 709، 710، 711، 712، 713، 714، 715، 716، 717، 718، 719، 720، 721، 722، 723، 724، 725، 726، 727، 728، 729، 730، 731، 732، 733، 734، 735، 736، 737، 738، 739، 740، 741، 742، 743، 744، 745، 746، 747، 748، 749، 750، 751، 752، 753، 754، 755، 756، 757، 758، 759، 760، 761، 762، 763، 764، 765، 766، 767، 768، 769، 770، 771، 772، 773، 774، 775، 776، 777، 778، 779، 780، 781، 782، 783، 784، 785، 786، 787، 788، 789، 790، 791، 792، 793، 794، 795، 796، 797، 798، 799، 800، 801، 802، 803، 804، 805، 806، 807، 808، 809، 810، 811، 812، 813، 814، 815، 816، 817، 818، 819، 820، 821، 822، 823، 824، 825، 826، 827، 828، 829، 830، 831، 832، 833، 834، 835، 836، 837، 838، 839، 840، 841، 842، 843، 844، 845، 846، 847، 848، 849، 850، 851، 852، 853، 854، 855، 856، 857، 858، 859، 860، 861، 862، 863، 864، 865، 866، 867، 868، 869، 870، 871، 872، 873، 874، 875، 876، 877، 878، 879، 880، 881، 882، 883، 884، 885، 886، 887، 888، 889، 890، 891، 892، 893، 894، 895، 896، 897، 898، 899، 900، 901، 902، 903، 904، 905، 906، 907، 908، 909، 910، 911، 912، 913، 914، 915، 916، 917، 918، 919، 920، 921، 922، 923، 924، 925، 926، 927، 928، 929، 930، 931، 932، 933، 934، 935، 936، 937، 938، 939، 940، 941، 942، 943، 944، 945، 946، 947، 948، 949، 950، 951، 952، 953، 954، 955، 956، 957، 958، 959، 960، 961، 962، 963، 964، 965، 966، 967، 968، 969، 970، 971، 972، 973، 974، 975، 976، 977، 978، 979، 980، 981، 982، 983، 984، 985، 986، 987، 988، 989، 990، 991، 992، 993، 994، 995، 996، 997، 998، 999، 1000)

④ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں، عبادت سے روکنے والے دشمنوں کے ساتھ بھی ہر ایک انتقامی کارروائی کرنے سے اہل ایمان کو روکا، اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت و قوت بھی موجود تھی۔

﴿وَلَا يَجْرُ مَنَّكُمْ سَنَانُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا﴾ [المائدہ: 2]  
 ”اس قوم کا بغض جس نے تم کو حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا، اس امر کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلاف انصاف کرنے لگو۔“

⑤ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے کانہوں کی ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاں کو، یہودیوں کے فرقہ لاساس کو، یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو، عیسائیوں کے نرن اور منک کو اور ان سب کے افسوسناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا۔ اور:

﴿وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ [الحج: 27]  
 ”رہبانیت تو لوگوں کی خود ساختہ گھڑت ہے، اللہ نے تو اسے انسان کے لیے کبھی مفید نہیں فرمایا۔“

کافرمان سنایا۔ اور لا رُهبانية في الإسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں) کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاج امتیاز فرمایا۔  
 ⑥ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جو یہودیوں کی ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کے برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا۔ جو کاتھولیکوں کی طرح آسمان کی سنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا۔ جو گنگا اور بیہویا کے برہمنوں ہی کو بزرگ (دورخ) اور سرگ (جنت) میں آدم انسانی کے ذلیل دینے کی طاقت کا ٹھیکہ دار نہیں بناتا۔ جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر ان کو فرزند ان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔ جو زرتشتیوں اور لامادوں کی طرح پیروان خاص کے سوا باقی سب پر رحمت و افضال سے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

⑦ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری و سوڈانی سب مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں مدغم، سوڈانی، جلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان قاری، صہیب رومی، انا مد نجدی اور عدنی طائی (رضی اللہ عنہم) پہلو پہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ جہاں جندل کا بادشاہ اکیلا نہیں بلکہ عمان کا حکمران حقران آل حمیر کا مدعی الوہیت ذوالکلاع اور یمن کا بڑا اکابر بن حنظلہ، غلامان بارگاہ سے بہت پیچھے صلف نحال (جو توں) میں خرم و شادمان موجود ہے۔

⑧ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جو یہودیوں کی مغزول و مغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل و خوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شاد کام فرماتا ہے۔

⑨ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی کونسل اور تیسری مذہبی کونسل کو کفر و لعنت کا تختہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کارروائی کیا کرتی تھی۔

وہ عیسائیوں کے جان و مال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جب کہ مسیح کے جسم ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یرو عظیم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا تھا۔

⑩ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہی ہے، جس کی تعلیم لوتھر (Luther) کی رہنمائی کرتی ہے، اس کے مخالف اسے خلیہ مسلمان ہونے کا التزام



بھی لگاتے ہیں مگر رحمۃ للعالمین ﷺ کے فیوض سے استفادہ کرنے میں نہیں جھجکتا اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گر جاؤں سے دور کر دیتا ہے۔

(11) رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو جملہ اقوام و ممالک عالم کو دین صحیح کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے۔

﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ [الرہم: 30]

”اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں، اسی کو دینِ قیّم کہتے ہیں۔“

اہل رومانے اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھلائیں کہ دین صحیح کی یہ تعریف بھی کبھی کسی اور جگہ بتلائی گئی ہے؟

دین صحیح کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: 78]

”دین کے متعلق ارادہ الہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں رکھے۔“

تیسرا اصول، جس پر شریعت مصطفویہ ﷺ کے احکام کا نفاذ ہوا۔

﴿وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُؤْتِيَكُمْ نِعْمَتَهُ، عَلَيْكُمْ﴾ [المائدہ: 6]

”ہاں! شریعت سے ارادہ الہی کا مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو پاک و صاف ٹھہرائے اور ان پر اتمامِ نعمت بھی فرمائے۔“

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے:

﴿لَا اِكْرَاهَةَ فِي الدِّينِ لَمَّا قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرہ: 156]

”دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے“

(12) رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس کی تعلیم اختلاف الوان اور تہلیل زبان اور تباہی ملکی سے بہت بلند ہے۔ جس کی تعلیم میں حسب و نسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

(13) رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے سب سے پہلے ﴿هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خوشی و بے گانہ کو دی۔ جس نے سب سے پہلے احمر و اسود، غربی و شرقی، مبتدین و غیر مبتدین کو قوم واحد بنایا اور ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ و ماغ میں، ایک ہی ارادہ و لولوں میں قائم کر دیا۔

(14) رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے ترہب اور تہلل میں تفریق کی۔ جس نے ایک گرجستی گرجست میں رہ کر شنیاسی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے کو ناخوشنودیِ ضمن کا کام مسور و بتلایا جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

(15) رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

(16) رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے دیکھا کہ کہیں عورت کو اناج، قلعہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان میں دیا جاتا ہے (ہندومت) اور

کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے، یا کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے (سترہویں صدی سے پہلے پہلے کی عیسائیت) کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ (یہودیت) اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں کا لنگہ کوپ ہونا تجویز کیا ہے۔ (ایران کے مژدکیہ و مانویہ) اور جملہ حالات میں اس کی شخصیت و ذہنیت اور حقوق کا ذرہ بھی پاس دلچاظ نہیں رکھا گیا۔ ان جملہ مصائب کو دور کرنے کے لیے یہ علم سنانا ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ﴾ [البقرہ: 228]

جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔  
علم نحو میں لام استحقاق و تخصیص و تملیک کے لیے آتا ہے۔ لہذا لہن کا لام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا: "النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرَّجَالِ" [۱]

عورتیں مردوں ہی کی ایک جزو اور حصہ ہیں یا عورتیں مردوں کے لیے گل وریحان ہیں۔

ارشاد فرمایا: فَاتَّقُوا اللَّهَ هِيَ النِّسَاءُ عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الہی سے کام لینا۔ [۲]

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی جزیروں اور آبائی مراسم کی جھکنڑیوں سے انسان کو آزاد کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الاعراف: 157]

"جو بھارتا رویے اور زنجیروں کو ان سے اتار کر دور پھینک دیا۔"

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے اور مانع بھی۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان سنایا:

﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِلْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: 2]

"جملہ اقسام نیکی میں اور جملہ انواع خدا ترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں تم کسی کی مدد نہ کیا کرو۔"

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس کا کام جملہ خصائل رضیہ اور اخلاق کو بہیدہ (اخلاق رضیہ) سے انسان کو پاک و صاف کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يُزَكِّيهِمْ﴾ وہ ان کے میل کچیل کو دور کر کے ان کو پاک و صاف بناتا ہے۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو انسانیت کے درجہ رفیع کو نہ تو زبرد دولت کے لباس میں دیکھتا ہے اور نہ فقر و تنگی دستی کے وقت اس کی

نہی فرماتا ہے، بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔

لفظ ایمان فرانس الہیہ پر اور لفظ علم و اجہات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔ فرمان ذیل پر غور کرو۔

﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [البقرہ: 177]

"اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے، ان کے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے۔"

﴿۱﴾ فَضِّلِ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى آذْنِكُمْ۔ ﴿۱﴾ ”عالم کی عابد پر نضیات اتنی ہے جتنی نبی کو ادنیٰ اتنی پر ہوتی ہے۔“  
رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے أَبْغَضُ الْحَالِلِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقِ ﴿۲﴾ کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لیے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے، جس طرح ایک عضو میں سمیت آجانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بغض بھی ہے۔ لہذا جب تک یہ مسلم نہ ہو جائے کہ صرف یہی ایک صورت مرد کی بقا و صحت و حفاظت ایمان و عزت کے لیے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

﴿۲﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لیے ایسی تدابیر کو ضروری ٹھہرایا، جن پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پروا اور ہر ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے محفوظ فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ زوجین کے اختلاف و شقاق کے منانے کے لیے پہلی تدبیر یہ بتائی گئی کہ دو نمائند مقرر کیے جائیں۔ ایک مرد کے گھرانے کا، ایک عورت کے گھرانے کا، وہ دونوں ان زوجین کے حالات و شکایات کو سنیں اور فیصلہ کریں۔

﴿۲﴾ اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے ہم بستری ترک کر دے، یہ تدبیر بہت مؤثر ہے۔

﴿۳﴾ اب بھی کوئی درستی نہ ہو تو تاویب کے طور پر ہلکی سی مار مارے، ہلکی ماریہ ہے کہ چہرہ پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائے۔ یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ دالیوں میں مؤثر ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو، تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لیے شوہر کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب وہ ماہواری ایام سے پاک ہو جائے، ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کے لیے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں۔ ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت و عادت اور فعل پر جس کی طفیل نوبت بحدے رسید ہو گئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح پراگروہ رل مل بیٹھے، ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

﴿۵﴾ ایک مہینہ گزر گیا عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے، ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے، لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا سہنا، سونا بیٹھنا ہوگا۔ اب پھر ایک مہینہ کی ایسی میعاد ان کے درمیان ہے ﴿۱﴾

﴿۱﴾ ترمذی: 2685، دارمی: 77/1، ﴿۲﴾ ابوداؤد: 2178، ابن ماجہ: 2018، ﴿۳﴾ یادر ہے کہ ایک طلاق کے بعد عدت قرآنی تین (3) قروہ (قریباً تین ماہ) ہے۔

جذبات انسانی، جھوٹے غصے، بے جا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب و معدوم کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر یہ جوڑامیاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طلاقوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

﴿۶﴾ اب تیسری طلاق کا موقع آ جائے گا۔ اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو، اب شریعت اسے بتلاتی ہے کہ دیکھ، یہ ہاتھ سے نکلنے والی ہے، پر نڈاڑ جاتا ہے تو کف افسوس ہی ملتا پڑتا ہے، سمجھ لے، اور تیسری طلاق سے رک جا۔ ان ہدایات سے بھی اگر نفرت و شقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے کہ مرد اب تک طلاق ہی پر تلاء ہے، تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی اور معاہدہ شادی کی لعنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے۔ جیسا کہ سیتاجی کا معاملہ ہے یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔ بلاوجہ اور بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے، علیٰ لہذا یہ بھی گوارا نہیں کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بد مزاجیوں، گستاخیوں یا امراض مخصوصہ کے باعث بھی اس سے گلو خلاصی نہ ہو سکے۔ جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ ہاں حقوق زوجین کا از حد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایک ایسی سڑک تیار کر دی ہے، جس میں نہ تفریط کی گھانٹیاں آتی ہیں اور نہ افراط کے پہاڑ حائل ہیں۔

﴿۷﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو تمکو اور نیزہ اٹھا سکتے ہوں۔ عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائداد سے بوجہ بہن ہونے کے، شوہر کی جائداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے اور حضور ﷺ کی تعلیم کردہ قانون تو ریٹ کو اصولاً بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

﴿۸﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر و تنگدستی سے اور جائداد کو تباہی سے اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیتاً ناواقف تھی۔

﴿۹﴾ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے جواز جنگ کے لیے مظلوم ہونے، حقوق ملی و قومی سے بلاوجہ محروم کر دیئے جانے، دین حقہ کی حفاظت کرنے والوں کی جان و مال کے غیر محفوظ ہو جانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذہب عالم اور ان کے اماکن عبادت کے معرض تلف میں آ جانے کو بطور شرط اولین قرار دیا۔

یہ حقیقت آیات ذیل سے آشکار ہے:

﴿۱۰﴾ اَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِمَا نَسُوا ط وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَسْوِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ اٰخَوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُولُوا رَبَّنَا اللّٰهُ ط وَلَوْ لَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ اَلْاَرْضُ وَ اَلرُّسُلُ لَسَاءَ لِمَنْ يَشْكُرُ ﴿۱۲﴾ (سورۃ بقرہ: ۱۷۹-۱۸۰)

”جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیوں کہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرورت قدرت رکھتا ہے، یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلا سبب نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ انھوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا تھا، ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صابئین کی عبادت

گا ہیں، نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے ضرور گرا دی جاتیں۔“  
 ﴿۲۶﴾ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا اور اسے ام الخبائث بتلایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو یوں (Paul) نے مرعی رکھی تھی کہ تہذیبی حزمہ کے لیے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا کر سدباب کر دیا۔  
 ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [المائدہ: ۹۰]  
 ”شراب اور قمار کو شرک منہیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا، تاکہ تم خلاصی پاؤ۔“

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: ﴿كُلُّ مَا اسْكُرَ كَثِيرًا وَقَلِيلًا حَرَامٌ﴾ ”جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔“

﴿۲۷﴾ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے زنا کے جملہ اقسام کو جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لیے رکھ لیے گئے تھے اور اس حکم کو حرام ٹھہرایا، منبر و محراب میں خوب شائع کیا۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِقُرُوبِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَأَىٰ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ [المومنون: ۵-۷]

”فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں مگر جو کوئی اس کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔“

﴿۲۸﴾ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے اسیران جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے، تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الہی بتایا گیا ہے۔

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبُ الرِّقَابِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا أَتَّخِذْتُمُوهُمْ فَهِنَّ الْوِلْدَانَ ۚ لِقَامًا مِّنَّا بَعْدُ ۚ وَإِنَّمَا فِدَاءُ﴾  
 ”جب کافروں سے ٹکھ بھینٹ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو اور جب ان کو چور چور کر دو، تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو۔“ [محمد: ۱۶]

حملہ آور دشمن پر، مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان نمائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نااہل رہی ہیں اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی، لیکن نبی ﷺ نے بدر واحد، مکہ و حنین کی فتوحات سے ہر موقع پر اسیران جنگ اور دشمنان دین اور قاتلان مومنین اور عمارتین رسول ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔

﴿۲۹﴾ رحمۃ اللعالمین ﷺ وہ ہے جس نے بے پڑھی لکھی قوموں کے سامنے جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کیا کرتے اور ان پڑھ رہنے کو نوزائیدہ امی بچہ کی معصومی کا چہرہ سمجھا کرتے تھے علم سے روشناس کیا۔ علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا، علم کا شائق بنایا، پھر ان

آیات ذیل پر غور کرو:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: 151]

”اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول بھیجا، جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا اور پاک بنانا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس رسول سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔“

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے گناہ گار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی۔ توبہ کے اجزاء بتائے۔ ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے تزکیہ نفس، تغذیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا، جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ، انقطاع تمام اور انس کامل، مدارج رجوع، مراتب احسان، حقیقت و روح و توکل اور روح اخلاص و صدق اور مقامات قرب و رضا کا عرفان عطا کیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينِ (اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی) کا نشان دیا اور چاہ و ضلالت میں گمراہیوں کو آسمانی ہدایت پر پہنچانے کی تدبیر بتائی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے رہزنوں کو چوپانی اور بادشاہوں کو اخوانی سکھائی، جس نے غلاموں کو سلطانی دی۔ جس نے بساط کینائی پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھا دیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثار نفسی و واقعاتی سے مبرہن کیا۔ جس نے اعمال اور اعمال کا روح سے تعلق، جس نے میزان اور حق و باطل کا توازن بتلایا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے شمالی عرب کو روم کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا، جس نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا، جس نے قتل و غارت گری کو قتل و غارت کر دیا۔ جس نے خون انسانی کی قدر و قیمت کو سارے جہاں کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بتایا، جس نے ایران کو فواحش سے، اور روم کو حیوانی قہیش سے نجات دی، جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ پھیلا دیا۔ جس نے ایوان صلح کو مرتفع کیا۔ جس نے

﴿حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾ [محمد: 4] (یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحتوں کو رکھ دے) لیے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے غلامی کے تقاضے دور کرنے کی تدابیر کیں، غلاموں کو برابر کا کھانا، برابر کا پہننا، ان کی

استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا اور اس طرح پر غلاموں کو خاندان کا ایک جزو یا ممبر بنا دیا۔

439) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس نے غلام کو حق مکاتبت بخشا، جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

440) رحمۃ اللعالمین وہ ہے جس نے مکاتبت غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا، حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جس کی غلامی سے اسے آزاد ہونا ہے۔

441) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے 1/8 حصہ خزانہ میں غلامی کے مٹانے کے لیے مقرر فرمایا۔ **وَفِي الْمِرْقَاتِ**۔ [9/التوبہ: 60]

442) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس نے قانون شریعت میں آزادی غلاموں کے لیے مواقع نکالے۔ اس کی تفصیل مسائل طہارت و صوم و حج کے ابواب میں دیکھنی چاہیے۔

443) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس نے آقاؤں کو عناق من النار کا ذریعہ آزادی غلام بنا دیا۔

444) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

445) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس نے آزادی غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت، ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا، جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے۔ یعنی آقا کے لا وارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لا وارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

446) رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس نے غلاموں پر حصول قرابت و صہیریت اور اخذ امارت و حکومت اور نصب و امامت و ولایت اور اعداء کو عطاء صلح و امام کے حقوق سے مالا مال فرمایا۔

اسلام سے پیشتر غلامی جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی کیا حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کسی نے غلامی کے محور کو زائل کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں بھی کوئی کارروائی کی؟ یہ ہندوستان ہے جہاں آج تک اچھوت اقوام کی تعداد برسوں، کھتریوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمہ جسم و روح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں تسلوں، ہزاروں، لاکھوں سالوں کی امتداد مدت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی، اچھوت قومیں ہندو لاء کے حکم سے معاشرت تمدن، علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں۔ برسوں کو شوروروں کے مال کا مالک بنا دیا گیا ہے اور کوئی برہمن کسی شورور مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں، سب کی جان و مال کو یکساں حرمت و احترام کے حقوق حاصل ہیں۔ معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں۔ ہر ایک اپنی شخص سلطنت و نبوی یا امامت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب طحا کا موضوع یہ نہیں کہ ہر ایک مسئلہ کو پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہذا اس دلچسپ و دل رہا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں۔ ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں۔ کسی شاعر کے خیال کا نتیجہ نہیں، کسی قدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا تجزیہ ہے اور

اس تجزیہ کا نشان خود ہادی مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیان کو حقیقہ احسانات الہیہ بتاتی ہے۔

خصوصیت نمبر 26

﴿ فَبِهَدَاهُمْ اَقْتَدِهٖ ﴾ [النعام: 90]

”تو بھی ان سب کی ہدایت کی موافقت کر“

اقتدا کے معنی اصل اقتت میں شخص ثانی کا شخص اول سے موافقت کرنا ہے۔

آیت بالا پر جو کوئی شخص بھی سرسری نظر ڈالے گا، وہ سمجھے گا کہ حضور ﷺ کو کسی دوسرے شخص کے مقتدی (پیرو) ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کا ذائل اسلام کے اس مسلمہ اعتقاد کے خلاف ہیں کہ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ لہذا آیت بالا شرح طلب ہے اور شرح معانی کے بعد واضح ہو جائے گا کہ آیت بالا نبی ﷺ کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ ناظرین کو آیت ﴿ وَتَحْمِلُكَ نُجُي اِسْرَاهِيْمَ ﴾ [النعام: 75] سے غور شروع کرنا چاہیے، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ (18) انبیاء کا ذکر فرمایا اور اس ذکر ترتیب زمانی یا ترتیب مدارج کو چھوڑ کر ایک اور ترتیب بدیع اختیار کی گئی ہے۔

اول ترتیب اصول نسب

اس صنف میں نوح و ابراہیم و اسحاق و یعقوب ﷺ کا ذکر فرمایا گیا ہے، کیوں کہ جملہ انبیائے عالم کے انساب انہی پر منتہی ہوتے ہیں اور اکثر اقوام کا انتساب نسلی انہی کی جانب ہے۔

دوم ترتیب ملک و قدرت

اس صنف میں داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ترتیب بلحاظ مراتب صبر و شکر

اس صنف میں ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ترتیب بلحاظ معجزات و ظہور آیات

اس صنف میں موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کے نام مذکور ہوئے ہیں۔

ترتیب بلحاظ زہد و اعراض عن الدنيا

اس صنف میں زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و ایلیا ﷺ کا ذکر ہوا۔

ترتیب بلحاظ تبلیغ امم

اس صنف میں اسماعیل و یسع و یونس و لوط ﷺ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔



مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان انبیاء مذکورہ کے مختصر حالات بھی لکھ دیے جائیں۔

### حضرت نوح علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: نوح بن مالک بن متوشلح بن خنوع بن یارو بن مہلل ایل بن قینان بن آئوش بن شیث بن آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو (500) سال کی تھی جب سام، حام اور یافث ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر کے چھ سو (600) سال بعد دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو طوفان شروع ہوا۔ چالیس (40) دن تک پانی اوپر سے برستا اور زمین سے ابلتا رہا۔ پھر بڑھتا ہند ہوا اور ڈیڑھ سو (150) دن میں پانی کم ہوا۔ ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ تھی کہ کشتی اراراط کے پہاڑ پر رک گئی۔ (601) میں عمر نوح کے دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی چھوڑ کر زمین پر قدم رکھا۔ (ایک سال 11 یوم کشتی میں رہے۔ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام 350 سال زندہ رہے۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش طوفان نوح علیہ السلام سے 5375 سال بعد ہے۔

### حضرت ابراہیم علیہ السلام

ان کا نسب نامہ حضرت نوح علیہ السلام تک یہ ہے: ابراہیم بن آذر (تارح) بن ناحور بن سروج بن رعو بن قانج بن عابر بن شالخ بن آرفکشا دین سام بن نوح علیہ السلام۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا زمانہ 2585 سال پیشتر کا ہے۔ 75 سال کی عمر میں اپنے وطن سے ہجرت فرمائی اور کنعان کے ملک میں پہنچے۔ (کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کا ملک) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ ملک تیری اولاد کو دیا جائے گا۔ پھر مصر گئے، مصر سے واپس آ کر کنعان میں ٹھہرے، یہاں سے ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام جو ہجرت میں ان کے ساتھ تھے علیحدہ ہوئے اور دریائے پاروں کے پرلے کنارہ پر آباد ہوئے۔ یہ علاقہ شاہ صدوم کا تھا۔ شاہ صدوم پر شاہ عیلام نے مع اپنے تین اتحادیوں کے حملہ کیا اور حضرت لوط کو بھی اسیر کر کے لے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو چھڑا لیا اور بہت سامانِ نعمت حاصل کیا۔ اسی (80) سال کی عمر تھی، جب آپ کے گھر میں اسماعیل علیہ السلام (ازہلین ہاجرہ خاتون جو بادشاہ مصر کی دختر تھیں) پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 99 سال کی تھی جب فتنہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا فتنہ خود کیا اور اسماعیل علیہ السلام کا فتنہ بھی کرایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 100 سال کی تھی جب حضرت ایلخ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب خلیل الرحمن ہے اور لقب عمود عالم اور آدم ثالث، کنیت ابو محمد اور ابوالانبیاء ایک سو پچھتر (175) سال کی عمر تھی جب ”خلیل الرحمن“ نے انتقال فرمایا۔ خانہ کعبہ اور مناسک حج حضور علیہ السلام کی نبوت کی دائمی یادگار ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کوئی نبی ہوا، خواہ کسی ملک میں ہوا، وہ انہی ہی کے خانوادہ اور نسل کا تھا۔

## حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو (100) سال کی تھی، جب ان کے ہاں اسحاق علیہ السلام اڑھن سارہ خاتون پیدا ہوئے۔ سارہ خاتون علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کی نسل سے ہیں اور اول الاسلام ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر چالیس (40) سال کی تھی جب ان کی شادی رقبہ خاتون سے ہوئی۔ رقبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر حقیقی خور کی پوتی ہیں۔

رقبہ سے دو توام بچے پیدا ہوئے: عبید و یعقوب علیہ السلام۔

حضرت اسحاق علیہ السلام نے ایک سو چالیس (140) سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

## حضرت یعقوب علیہ السلام

انہی کا لقب اسرائیل بھی ہے۔ ان کے گھر میں لیاہ بیگم سے چھ فرزند، راحیل خاتون سے دو فرزند، زلفہ لونڈی سے دو فرزند اور باہہ لونڈی سے دو فرزند پیدا ہوئے۔

جب یوسف علیہ السلام نے ان کو مصر میں مع افراد خاندان طلب کیا، تب ان کی عمر ایک سو تیس (130) سال تھی۔ سترہ (17) سال مصر میں قیام کے بعد انہوں نے مصر میں وفات پائی۔ یوسف علیہ السلام ان کا جنازہ شاہانہ نزک و احتشام کے ساتھ کنعان لائے اور وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات ق۔ م 1686 سال اندازہ کی گئی ہے۔

## حضرت یوسف علیہ السلام

راحیل خاتون کے پہلے بیٹے ہیں، یوسف علیہ السلام کے معنی عربی میں ”مزید“ ہیں۔ ان کی پیدائش کے وقت ماں نے کہا تھا کہ اللہ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔

17 سال کے تھے جب چاہ میں گرائے گئے۔ تین شب چاہ میں رہے۔ چھ سال عزیز مصر کے گھر قیام فرمایا، سات (7) سال زندان میں بسر کیے۔ 30 سال کی عمر میں مصر کے حاکم مطلق با اختیار شامی مقرر ہوئے۔ 40 سال کی عمر تھی جب یعقوب علیہ السلام سے مصر میں 23 سالہ فراق کے بعد ملاقات ہوئی۔ ہشتاد (80) سالہ فرمانروائی کے بعد 110 سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑپوتے دیکھے۔ ان کی شادی ملک مصر کے شہر ”ہون“ کے کاہن کی دختر سماتہ آساتھ سے ہوئی تھی۔ ان کے ہر دو فرزند منسی و فرام اسی خاتون سے ہیں۔

## حضرت داؤد علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: داؤد بن یسی (یشاہ) بن عویذ بن سوئجر بن سلما (سلمون) بن نجسون بن عمدا بن ارام بن حصرون (حصروم) بن فارص بن یہوداہ بن یعقوب علیہ السلام۔ اپنے باپ کے ساتویں بیٹے تھے۔ چھ بھائی ان سے بڑے تھے۔

ان کی ابتدائے شہرت کا باعث وہ جنگ ہوئی جو فلسطینی اسرائیلیوں سے کر رہے تھے، فلسطینی فوج میں ایک بہادر جو لیت (جالوت) تھا، جس کا قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا وہ بیتل کی نو داوڑ زرو اور موزے پہننا کرتا تھا۔ چالیس (40) دن تک وہ میدان جنگ میں نکل کر مبارز طلب کرتا رہا۔ اسرائیلیوں میں سے کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے تین بڑے بھائیوں کی (جو شامل جنگ

تھے) خبر لانے کو رزم گاہ میں گئے۔ وہاں انھوں نے سنا کہ ساؤل شاہ بنی اسرائیل نے اس شخص کے قاتل کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ مع دیگر انعامات دینے کا اعلان کیا ہوا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سے اجازت لے کر جالوت کے مقابلہ کو نکلے۔ انھوں نے فلاخن سے پتھر چلایا اور وہ پتھر اس کی پیشانی کے اندر اتنا گھس گیا کہ پیشانی کے اندر جا چھپا۔ فلسطینی گریزا، داؤد علیہ السلام نے اسی کی تلوار اس کی کمر سے نکالی اور اس کا سر کاٹ لیا۔ بعد ازاں حضرت داؤد علیہ السلام ترقی کرتے کرتے سپہ سالار فوج ہو گئے۔ اور پھر بادشاہ کے ولماؤ بن گئے۔ بادشاہ ان کے روز افزوں اقبال سے حسد کرنے لگا اور حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سے جان بچاتے پھرتے۔ آخر ساؤل بادشاہ نے فلسطینیوں سے ایک مقام پر شکست کھا کر خودکشی کر لی اور اس کے ولی عہد نے بھی خودکشی کر لی۔ تب بنی اسرائیل کے اتفاق سے حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ انھوں نے چالیس (40) سال تک نہایت کامرانی و اقبال کے ساتھ سلطنت کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ازواج اور حرموں کی تعداد ننانوے (99) تھی۔ ان کے انٹارہ (18) فرزند اور سترہ (17) لڑکیاں تھیں لیکن وراثت داؤد صرف سلیمان علیہ السلام ہی کو ملی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال نبی سائیکہ پلم سے تقریباً 1856 سال پہلے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ (70) سال کی تھی۔

### حضرت سلیمان علیہ السلام

بنت سبع دختر انعام کے بطن سے یروشلم میں پیدا ہوئے، جب کہ داؤد علیہ السلام سلطنت حاصل کر چکے تھے۔ انھوں نے شاہ مصر کی بیٹی سے شادی کی۔

انھوں نے اپنے جلوس کے چوتھے سال کے دوسرے مہینہ میں بیت المقدس کو بنانا شروع کیا۔ اصل مسجد ساٹھ (60) ہاتھ طویل بیس (20) ہاتھ عرض اور بیس (30) ہاتھ بلند تھی اور اس کے ارد گرد بہت مکانات تھے۔ یہ عمارت سات سال میں ختم ہوئی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چالیس (40) سال سلطنت پورے عروج اور اقبال و دولت کے ساتھ کی۔ ان کا عہد بالکل امن کا عہد تھا۔ ان کی بیگمات کی تعداد سات سو اور لونڈیوں کی تعداد تین سو (300) ہے۔ ان کا انتقال نبی سائیکہ پلم سے تقریباً 1546 سال ماقبل ہے۔

### حضرت ایوب علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: ایوب بن آموس بن رازح بن روم بن عمیس (عیسو) بن اٹخس علیہ السلام۔ یہ ارض عوض (ایشیائے کوچک) میں رہتے تھے۔ ان کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

یہ سات ہزار (7000) بھیڑوں، تین ہزار (3000) اونٹوں، پانچ سو (500) جوڑی بیلوں اور پانچ سو (500) خرماچہ (گدھے) کے مالک تھے۔ نوکر چاکر بہت تھے۔ اہل مشرق میں ان جیسا کوئی مالدار نہ تھا۔

جب مصیبت آئی تو ایک دن ایسا ہوا کہ ان کے سب بیٹے بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر کھانا کھا رہے تھے کہ سخت آندھی آئی۔ اس نے مکان کی چھت کو اٹھایا اور ان پر گرا دیا۔

اسی وقت ایک دوسرے شخص نے اطلاع دی کہ بیلیوں اور گدھوں کو ملک کے سب لوگ لوٹ کر لے گئے، نوکروں کو قتل کر گئے۔ صرف میں بچ رہا ہوں۔

اسی وقت ایک دوسرے نے آ کر اطلاع دی کہ آسمان سے آگ پڑی اور سب بھینڑوں کو اور نوکروں کو چا کر لوٹ کر خاک کر گئی۔ اکیلا میں بچ نکلا۔

اسی وقت ایک اور شخص آیا، اس نے بتلایا کہ قوم کس دی کے لوگوں نے تین طرف سے حملہ کیا۔ اونٹوں کو لے گئے اور نوکروں کو تلوار کی دھار سے قتل کیا۔ فقط میں بچ رہا ہوں۔

ایوب علیہ السلام نے سب کچھ سنا اور پھر سجدہ میں گر پڑے۔ کہا میں اپنی ماں کے پیٹ میں سے نکلا پیدا ہوا تھا اور اس کے حضور میں نکلا ہی پیش ہوں گا۔

بعد ازاں ان کے جسم میں خارش ہوئی، وہ کھچلاتے تو وہاں پھوڑے بن جاتے، اسی طرح سارا جسم پک گیا، لیکن اب بھی ان کی زبان سے کوئی خطا کی بات نہ نکلی۔ اس وقت ان کا بستر صرف راکھ کا ہوتا تھا۔

یہ مصیبت چند سال تک رہی۔ آخر حضرت ایوب علیہ السلام کے توبہ و استغفار پر رحمت الہی نے ان پر توجہ کی، وہ تندرست ہو گئے۔ ان کے مال و مویشی کی مقدار پہلے سے دو چند ہو گئی۔

ان کو پھر اللہ تعالیٰ نے سات (7) بیٹے اور سات (7) بیٹیاں عطا فرمائیں۔ انھوں نے اپنی اولاد کی چار (4) پشتیں دیکھیں اور مصیبت کے بعد ایک سو چالیس (140) سال تک دولت و شہرت اور آرام و فراغت میں بسر کر کے انتقال فرمایا۔

ان کا زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً اکیس صدی پیشتر کا ہے۔

### حضرت موسیٰ علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔ بعض نے عمران (عمرام) کو قاہث کا بیٹا بتلایا ہے۔ درمیان میں یصہر کا نام درج نہیں کیا۔ ان کے حالات قرآن پاک اور تورات میں بہت تفصیل سے ملتے ہیں۔ انھوں نے ایک سو بیس (120) برس کی عمر پائی اور واوی موآب میں فوت ہو کر دفن ہوئے۔

ان کا زمانہ انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً 2022 سال پیشتر کا ہے۔

### حضرت ہارون علیہ السلام

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ ایک سال بڑے تھے۔ انھوں نے موسیٰ سے تقریباً تین (3) سال پیشتر کوہ حور پر وفات پائی تھی۔

### حضرت زکریا علیہ السلام

مجموعہ بائبل میں کتاب زکریا شامل ہے، یہ زور بائبل کے ہم عصر ہیں اور مسیح علیہ السلام سے پانچ صدی پیشتر ان کا سب زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ مریم و آل عمران میں جس زکریا کا ذکر ہے وہ یحییٰ کے والد ہیں۔ ان کے گھر میں مسیح علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ مسیح کا اصطلاح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لیے وہ زکریا نہیں ہو سکتے، جن کا ذکر بائبل میں ہے۔ ہر دو بزرگواروں میں صرف

وحدت اکی پائی جاتی ہے۔

ذکر یا علیہ السلام جن کا مذکور قرآن حکیم میں ہے۔ بیت المقدس کے امام و متولی تھے اور مریم صدیقہ علیہا السلام کے کفیل و مربی ان کا اور ان کے فرزند کی پیدائش کا واقعہ انجیل لوقا کے باب اول میں مذکور ہے۔

### حضرت یحییٰ علیہ السلام

ان کو بائبل میں یوحنا پتھر دینے والا لکھا جاتا ہے۔ حضرت ذکر یا علیہ السلام کے بیٹے ہیں، انہی کی پیدائش کا ذکر سورہ آل عمران و سورہ مریم میں ہے۔ ان کا نام بھی منجانب اللہ رکھا گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد بیابان ہی میں رہے۔ جنگلی شہد اور ٹڈ کو خوراک بنا رکھا تھا۔ بیابان میں وعظ و تذکر کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ تو بے لینے کے وقت تائب کو پانی میں غسل دلایا کرتا تھے۔ پتھر کی رسم ہمیں سے جاری ہوئی۔ یہ حضرت سج علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے تھے مگر انہوں نے سج علیہ السلام سے چھ سال پیشتر تبلیغ شروع کر دی تھی۔

ان کے وقت میں جو تھائی ملک کا حاکم ہیرودیس رومی تھا اور اس کے ناجائز تعلقات اپنے بھائی فیلیوس کی بیوی سے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام حاکم کے افعال پر کٹ چھٹی کرتے تھے۔ حاکم نے ان کو قید کر دیا تھا۔

حاکم کی بھانجی کا نام ہیرودیاں تھا۔ وہ ہمیشہ حاکم کو یوحنا کے خلاف بھڑکایا کرتی تھی مگر حاکم اس کی بات نہ سنتا تھا۔ اسے میں ہیرودیاں کی سالگرہ کا دن آیا۔ مسماۃ ہیرودیاں کی لڑکی اپنے چچا کے سامنے خوب ناچی گائی اور حاکم نے قسم کھائی کہ جو کچھ وہ مانگے اسے وہی کچھ دیا جائے گا۔

لڑکی نے اپنی ماں کی سکھاوت پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مانگا۔ حاکم نے جلاؤ کو حکم دیا اور اسی وقت ان کو خیل میں جا کر قتل کیا اور ان کا سر لڑکی کے حوالے کیا گیا، جسے اس نے اپنی ماں کی خدمت میں تھہ پیش کر دیا۔ یہ واقعہ 30 یعنی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے 541 سال پہلے کا ہے۔

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام عبرانی میں یسوع ہے۔ ان کے خاندان کے افراد کے نام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاندان عالی کے افراد کے مطابق تھے۔ ان کا نام یسوع تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول یوشع بن نون علیہ السلام کی یادگار میں رکھا گیا تھا۔ ان کی والدہ کا نام مریم علیہا السلام تھا جو خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام تھا۔ ان کے ماموں کا نام بارون تھا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی کا نام تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی یہی نام تھا۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب مریم صدیقہ علیہا السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تھیں۔ تب ان کی والدہ نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے پیٹ کے پھل کو مخر، آراوہ یا تدبیر یا بیت المقدس کی خدمت کے لیے مخصوص بنائے گی۔

لیکن جب لڑکی (مریم علیہا السلام) پیدا ہوئی تو وہ حیران رہ گئی کیوں کہ لڑکی کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے قبول نہیں کیا جاتا تھا، لیکن وہ نیک خاتون اپنی نیت اور نذر کے مطابق مریم علیہا السلام کو بیت المقدس میں لے گئی اور برہنہ علم کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کو خدمت کے لیے لے لیا جائے۔ حضرت ذکر یا علیہ السلام کو ان کا متکفل بنایا گیا۔

پھر جب مریم علیہا السلام جوان ہوئیں، تب فرشتہ نے ان کے سامنے آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بشارت سنائی کہ ان کے پیٹ میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اگرچہ ان کو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ بشارت کے مطابق مولود پیدا ہوا تو بشارت ہی کے موافق ان کا نام (عیسیٰ علیہ السلام) یسوع رکھا گیا۔ انہوں نے طفولیت مصر میں بسر کی اور تیس (30) سال کی عمر تک یہودیوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد انہوں نے اپنی نبوت کی تبلیغ شروع کی۔ تبلیغ میں اتنے سرگرم تھے کہ ایک رات سے زائد ایک مقام قیام نہ فرماتے تھے۔ انہوں نے فلسطین میں بنی اسرائیل کی ہر ایک بستی میں اپنی آواز کو پہنچایا۔ تین سال بعد ان کو رفع الی السماء حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں ان کو صرف بارہ (12) شاگرد ملے جن میں سے ایک نذار نکلا۔ کتاب الاعمال کے مصنف لوقا کا خیال ہے کہ کل 124 تعداد ایسے اشخاص کی مل جاتی ہے جو ان کے معتقد تھے۔

آج تحریر مضمون ہذا کے وقت 11 ستمبر 1929 سال عیسوی کی تاریخ ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ عیسوی ولادت مسیح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے، لیکن اب تخصص و تحقیق سے ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام کی ولادت اسی سنہ سے چار سال پیشتر تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کے علمی مباحث ہماری کتب "نہایت الحرام" و "تائید اسلام" میں ملاحظہ طلب ہیں۔

### حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت اور یس کا دوسرا نام الیاس علیہ السلام بھی ہے مگر اس آیت میں ان سے دو مراد نہیں کیوں کہ اس آیت میں ذریت نوح کا ذکر ہے اور اور یس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے آباء کرام میں سے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: الیاس بن نابن قحاص بن عمیراء بن ہارون۔ لہذا ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً 19 صدی پیشتر کا ہے۔ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ الیاس ابھی زندہ ہیں مگر ان کی حیات کی بابت کوئی روایت نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ لہذا یہ خیال محض بے بنیاد ہے۔

### حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام

سیدنا ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ سیدہ ہاجرہ خاتون علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ فلسطین ان کا مولد اور مکہ ان کا دارالہجرت اور مصر ان کا تھیالی ہے۔ حجاز وہین و حضرت موت ان کا رقبہ تبلیغ تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد بزرگوار کے کہیم کار تھے (ذبیح اللہ کے گھر کے محافظ) ان کا زمانہ نبی کریم ﷺ سے تقریباً 2240 سال پیشتر ہے۔ مصری، بابلی، فلاسٹینی، عربی زبان کے ماہر کامل تھے۔ ان کی ایک شادی مصر میں اور ایک شادی عرب میں ہوئی۔ اولاد عرب شہزادی سے ہوئی۔ بارہ (12) بیٹے ہوئے۔ ہر ایک اپنے اپنے قبیلہ کا سردار اور جدا گانہ علاقہ کا حکمران تھا۔ ان کی دختر کی شادی حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند نکلاں عیسو سے ہوئی تھی۔ نبی ﷺ سردار قیدار فرزند دوم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جن کا نام بائبل میں بکثرت آتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام برکات الہی میں برابر ہیں تاہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چند فضائل حاصل ہیں:

- ① یہ بیت الحرام کے بانی اور محافظ ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کسی بیت الحرام کے بانی و محافظ نہ تھے۔
- ② یہ ذبیح اللہ ہیں، گو مسلمانوں اور اہل کتاب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے مگر آثار قدیمہ کی شہادت انہی کے حق میں ہے۔

3) یہ وہ فرزند ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد باندھا۔ یہ اسی روز عہد میں شامل ہوئے۔ اہل حق علیہ السلام ہنوز پیدا بھی نہ ہوئے تھے، لہذا عہد کے فرزند یہی ہیں (کتاب پیدائش 17 باب)

4) ان کا رقبہ نبوت بہت وسیع تھا اور انہوں نے اپنی تبلیغ کو عرب العرباء کے سب خاندانوں تک پہنچا دیا تھا، لیکن حضرت اہل حق علیہ السلام کے رقبہ تبلیغ کے متعلق ہم کو ایسی معلومات اسرائیلی روایات یا اسلامی روایات میں کچھ نہیں دستیاب ہوئی ہیں۔ قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ ان کا رقبہ تبلیغ بہت محدود تھا۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

### حضرت الیسع علیہ السلام

میں سمجھتا ہوں کہ الیسع علیہ السلام سے مراد یسعیاہ ہوں گے جن کی کتاب مجموعہ بائبل میں موجود ہے اور بہت سی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ان کا زمانہ شاہان لوزہ بوتام کے برابر ہے۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ 1320 سال پہلے ہوئے ہیں۔

### حضرت یونس علیہ السلام

ان کا ذکر قرآن مجید کی سورہ صافات و انعام و نساء میں بھی ہے اور ایک سورت بھی ان کے نام سے نامزد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدس نیلوزی کے سامنے ان کو یونس بن متی فرما کر اپنا بھائی فرمایا تھا۔ نبی کو سورہت میں صاحب الحوت بھی فرمایا گیا ہے۔ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

### حضرت لوط علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے، سفر و ہجرت کے رفیق۔ مصر سے واپس آنے کے بعد یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے علیحدہ ہو کر آفروے یارڈن دریا پر رہتے تھے اور یہی علاقہ ان کی تبلیغ کے لیے تھا۔ ناپاک اور نافرمان قوم نے نبی اللہ کی تحقیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور ان پر آسمان سے پتھر اڑ کیا گیا۔

ہاں آیت بالا پر غور کرو۔

اصول نسب کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف خاص حاصل ہے کہ قیامت کے دن جملہ حسب و نسب منقطع ہو جائیں گے۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتساب باقی رہے گا۔

اصول حکمت کی بنیاد پر غور کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے عرب کو نچرا غیار سے چھڑایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے عرب کو فرمان فرمائی پر پہنچایا۔ آیت بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی صفات عالیہ اپنے اندر جمع کر لینے کا حکم ہے۔ کیوں کہ موافقت اخلاقی اسی طریق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حسب و نسب میں خود صاحب عمود عالم ہونا چاہیے اور لوگوں کو نوح و ابراہیم اور اہل حق و یعقوب صلی اللہ علیہم وسلم کی جانب امتساب سے مستغنی کر دینا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ داؤد کی طرح عرب کے قبائل متعدد اور شعوب مختلفہ کو متحد بنا دے تاکہ وہ سب مل کر قوم واحد بلکہ شخص واحد کی شان پیدا کر لیں۔ **هُمْ يَكْفُرُونَ وَاحِدًا عَلٰی مَنْ سِوَاهُمْ** اور کے مصداق بن جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلیمان علیہ السلام کی طرح امن محکم اور صلح استوار سے ملک کو سرسبز و شاداب بنا دینا چاہیے۔ نیز عبادت الہی کے لیے ایک ایسا معبد تیار کر دینا چاہیے جو تقدیس میں بیت المقدس سے بڑھ کر اور اعداء کی دست برد سے بالاتر ہو۔

نبی ﷺ کو صبر ایوبی کا وہ نمونہ دکھانا چاہیے کہ وَمَا صَبْرَكَ إِلَّا بِمَا لَمْ تُوقِيعْ خَاصِ حَضُورِ ﷺ کے صادر ہو جائے۔ اور عفو یوسف علیہ السلام کا نمونہ بعید ترین اعداء اور سنگین ترین اشقیاء کو بھی ایسا دکھانا چاہیے کہ ان کے کینہ اور غل کا پورا پورا درمان ہو جائے اور آئندہ کے لیے ان کے دل حضور ﷺ کی محبت اور ذوق اطاعت سے پر نور ہو جائیں۔

نبی ﷺ کا کام تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہین صادقہ اور آیات باہرہ سے فرعون سرشت لوگوں کی اصلاح فرماتے اور سحر کاران ماہرین پر باب نجات کھول دیتے۔ حضور ﷺ کا کام تھا کہ ایک آتشیں سرشت کی جگہ نور آگیں شریعت سے اتمام فرمادیتے۔ حضور ﷺ کی شان ہے کہ ہارون علیہ السلام کی طرح منبر کو اپنے خطاب اور مخراب کو اپنی امامت سے سر بلند فرمایا۔ بے جانوں میں جان ڈالی اور سوکھی ہوئی نخلوں کو درجعت کا شفا بنا دیا۔

نبی ﷺ ہی کا کام ہے کہ ذکر یا علیہ السلام کی طرح دنیا کو دعا کی طاقت سے باخبر فرمایا اور مزید آداب دعا و اوقات دعا و الفاظ دعا اور مراتب دعا سے اپنی امت کو حقیقت شناس بنا دیا۔

نبی ﷺ ہی ہیں کہ جنگلی شہد اور بیابانی بلع پر گزران کرنے والے نبی علیہ السلام کی طرح خشک کھجوروں اور آب مقطر کو اپنی اور اپنے اہل بیت کی مستقل غذا قرار دیا۔ اہل و عیال والے نبی ﷺ کے گھر میں بھی مہینوں تک چولہا روشن نہ ہوا۔

الیاس علیہ السلام خشک لبوں اور بیابان نوردوں کو سیراب کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ ہی ہیں کہ سنگلاخ زمینوں پر معرفت کے چشمے بہا دیئے اور ہر ایک تشناب کے سامنے جام کوثر لے کر خود آگے بڑھتے۔

اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی عمارت کو مکمل کیا۔ حضور ﷺ نے کعب کو قبلہ بنا کر جن و انس و ملائک کا مرکز عبادت اور مسطر عبادت قرار دیا۔

یونس علیہ السلام تین (3) دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور نبی ﷺ تین شبانہ روز عار کے پیٹ میں سکون پذیر ہوئے۔ یونس علیہ السلام کی زبان پر استغفار تھا اور حضور ﷺ کی زبان معیت الہی کے عرفان سے گہر پر تھی۔

لوط علیہ السلام کے مواعظ تحریم خباث پر مشتمل تھے۔ نبی ﷺ نے بھی اس بارہ میں سعی یلیغ اور کوشش کامل فرمائی۔ مقدّمات زنا کو بھی حرام ٹھہرایا اور ان اسباب و ذرائع کو بھی جو فسق و فحاشی تک پہنچانے والے ہیں داخل محرمات کیا۔ حتیٰ کہ امت کے سامنے تقویٰ کا وہ بلند ترین مقام رکھ دیا کہ ہر ایک بندہ رحمن امام المستقین بنتے تک اپنی ہمت و ارادہ اور عزم اور سعی کو ترقی دے سکے۔

قارنین جب دیکھیں گے کہ آیت زیر عنوان نبی ﷺ کو ان جملہ صفات عالیہ کا جامع بتلا رہی ہے تو انھیں بو شوق تام اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ مقام جامع بھی نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم



### خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ ﷺ

صحیحین میں جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَيْنِ أَحَدٌ قَبْلِي نُصْرَتٌ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةٌ شَهْرٌ وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُورًا فَأَبْتَمَارُ جَلِيٍّ مِنْ أُمَّتِي أَذْرَكَتَهُ الصَّلَاةُ فَلْيَصَلِّ وَأَحَلَّتْ لِي الْغَنَائِمَ وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُعْتَقُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَ يُعْتَقُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً. (1)

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ (1) ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ (2) ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (3) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔ (4) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ (5) پہلے نبی اپنی قوم کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔“

صحیح مسلم کی روایت میں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے فَضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بَيْتًا (2) فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث میں أُعْطِيتُ بِجَمَاعِ الْكَلِمِ نمبر 1 پر اور حُجْمِ بَيْتِ التَّيْبُونِ نمبر 6 پر ہیں۔ نمبر 2 میں نُصْرَتٌ بِالرُّعْبِ اور نمبر 3 أَحَلَّتْ لِي الْغَنَائِمِ نمبر 4 پر جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُورًا نمبر 5 پر أَرْضِيَّتُ إِلَى الْفَخْلِيِّ كَمَا قَدْ هِيَ۔

صحیحین کی ایک متفق علیہ روایت عن ابی ہریرۃ میں جو امع الکلم اور نصرت بالرعب کے بعد خزائن الارض کی مفاتیح کا خواب میں حضور ﷺ کے سامنے رکھا جانا بیان ہوا ہے۔

جملہ روایات پر اجماعی غور کرنے سے آٹھ امور حاصل ہو جاتے ہیں۔

- 1 نصرت بالرعب (2) روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا (3) حلت غنائم (4) عطائے منصب شفاعت (5) بعثت عامہ (6) عطیہ جو امع الکلم (7) ختم نبوت (8) خزائن الارض کی کلید ہا کا حضور ﷺ کے سامنے خواب میں رکھا جانا۔ لہذا ہر ایک کے متعلق مختصر گزارش کیا جائے گا۔

### (1) نُصْرَتٌ بِالرُّعْبِ

نبی ﷺ کے 23 سال عہد نبوت پر نظر غائر ڈالو۔ سرور عالم ﷺ تبلیغ و دعوت کے لیے شہر مکہ کے اندر اور آبادی مکہ سے باہر یکہ و تجارتات ہو یا دن تن تنہا تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر کسی شخص کو حضور ﷺ پر جاں ستاں حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ منڈیوں اور میلوں میں جہاں ہزار ہا اشخاص اور پچاسوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ جاتے اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے۔ دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا۔

مکہ سے دور دراز قبائل میں جو خشونت اخلاق اور خون ریزی و بے پاکی میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ حضور ﷺ نے تبلیغ کے

(1) بخاری: 335، مسلم: 1163، نسائی: 735، 430، (2) مسلم: 1167، ترمذی: 1553، کنز العمال: 31932، ابن ماجہ: 567، احمد: 412/2، مجمع الزوائد: 269/8



جو کوئی حضور ﷺ کے سامنے یکا یک آجاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا۔  
یہ وہ نصرت الہیہ تھی جو رب بن کر حضور ﷺ کی حشمت و عظمت کو دو بالا کر رہی تھی۔  
و صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و آلہ و بارک وسلم۔

### ۱۲) روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا

یہود اپنے کینہ اور عیسائی اپنے کلیسا کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مجوسی بھی پاک آگ کے آتش کدہ کے بغیر سرگرم عبادت نہ ہوا کرتے تھے۔ ہنود کا یہی حال مندروں کے متعلق تھا۔

مسلمانوں کی نماز نہ محراب عبادت کی محتاج اور نہ کسی نبی ہادی کی قبول تو بہ کی ان کو حاجت ہے۔ ان کا گرمایا ہوا دل اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور ضیاء سے بے نیاز ہیں۔ اس لیے روئے زمین کا ہر ایک بقعہ اور ایک ایک قطعہ ان کی سجدہ ریزی کے لیے موزوں ہے۔ ان پر ﴿يَذُكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ [آل عمران: 191] کھڑے، بیٹھے، اور لیٹے لینے ذکر کی حالت طاری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو حضور ﷺ کی مسجد بنا دیا۔

زنبہار کہ بیرون روم از سجدہ گم خویش

آنجا کہ خدا بست مرا سجدہ روا بست

یہ شرف اسی حقائق شناس کو ملا جس کی نگاہ میں کائنات کا پتہ پتہ توحید کے ترنم میں ہے۔ جس کے سامنے ریگستان کا زرہ زرہ انوار قدسی کا آئینہ دار ہے۔ جسے ہر شے مظہر جمال لم یزنی اور مرآة جلال قدسی نظر آتی ہے۔ جس کے کانوں میں پتھروں کی تسبیح اور سبزہ کی تمغید ہر وقت گونج رہی ہے۔ جسے آسمان وزمین کی فضا، نعرہ بگیرہ و زمزمہ جلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی لیے تمام روئے زمین مسجد بنا دی گئی۔

طہور سے مراد وضو ہے۔ اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے۔ وضو نماز کے لیے شرط ہے، مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیے اور جہاں وضو کے لیے پانی میسر نہ ہو وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیے۔

لیکن کیا نماز ان لوگوں پر معاف ہو جاتی ہے جو گھاس کے پتے پتے سے وحدہ لا شریک لہ سننے والے اور درخت کے پتے پتے کو دفتر معرفت جاننے والے ہیں۔

ضروری تھا کہ انسان حصول طہارت کے لیے کوئی دوسری تدابیر اختیار کرنا، انسان مٹی ہی سے بنا ہے، مٹی ہی اس کی اصل ہے اور مٹی ہی اس کو بن جانا ہے۔ مٹی ہی مخلوقات کا گوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائنات ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے۔ اس لیے اس مٹی ہی کو طہور بھی بنا دیا گیا۔

ہندوؤں میں سندھیا کے لیے ہون ضروری ہے اور ہون کے لیے 30 چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں سے ایک گھی بھی ہے۔ گھی کے سولہ (16) چمچے آگ میں ڈالنے ضروری ہیں۔ ہر ایک چمچہ 6 ماشہ کا ضرور ہو۔ (ستیا تھ پراکاش)

سندھیا کے لیے ہون کی شرط نے ہون کے لیے چھبیس (26) چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے

مٹی کہاں نہیں مل سکتی؟ جہاں پانی نہ ہوگا، وہاں پر مٹی تو ضرور مل جائے گی۔ خاک آلود ہاتھوں کا چہرے پر پھر لینا اس بجز و تفرقہ کو ہی ظاہر کرتا ہے، جس نے طہور تراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔  
 الغرض یہ خصوصیت نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ نے تراب روئے زمین کو ہمارے لیے طہور بنا دیا اور حضور ہی بارگاہ ربانی سے کسی حالت میں بھی دور و مجبور نہ ہونے دیا۔

### ﴿حالتِ مغنم﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی فتوحات میں جس قدر مغنم حاصل ہوتے تھے ان کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا تو رات میں جانوروں تک کو جلادینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

نبی ﷺ کے غزوات میں سب سے پہلے غزوہ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی۔ مال غنیمت جمع بھی ہوا اور تقسیم بھی کیا گیا۔ لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو شریعت موسوی کی نظیر پر مال غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی کے الطینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿لَوْ لَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا وَلَا حَلِيلًا﴾

”اگر اللہ کی طرف سے پہلے کتاب میں ایسا نہ ہوتا تب جو کچھ تم نے وصول کیا ہے اس کے لیے تم پر بڑا عذاب ہوتا۔ اب تم غنیمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔“ [النساء: 68-69]

دوسری جگہ ہے:-

﴿وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَ تَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ [النسج: 20-21]

”اللہ نے تم سے مغنم کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کرو گے لہذا یہ تو تم کو جلد ہی دے دی (خیر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا ہے تاکہ مؤمنین کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تم کو اللہ صراط مستقیم پر چلائے گا اور بھی مغنم بہت ہیں تم کو ان پر قدرت نہیں مگر اللہ نے ان پر احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔“

یہ مغنم کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روم پر فتوحات حاصل کرنے پر مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ چونکہ یہ وعدہ مؤمنین کو مخاطب فرما کر کیا گیا تھا اس لیے اس وعدہ کا ایفا بھی خلافت راشدہ کے وقت میں ہوا۔ جب کہ سرور کائنات ﷺ عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔

واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا بلکہ مؤمنین سے تین وعدے کیے گئے تھے۔ دوسرا وعدہ یہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کے وقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آ سکا تھا۔

﴿يَا شَاهِدُ مَوْرَةَ نِسَاءِ كِي آيَتِ﴾ ﴿فَعِدَّ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً﴾ [النساء: 94] کی طرف ہے۔

تیسرا وعدہ برائے صراطِ مستقیم کا تھا اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا جس طرح پہلے دو وعدے۔ اس آیت سے مجاہدین عہدِ خلافتِ راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

#### ﴿4﴾ عطائے منصبِ شفاعت

﴿1﴾ شفاعتِ شفیع سے ہے۔ شفیع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسری شے کے برابر جو اس کی جنس سے ہو، شامل کر دینا۔ اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کو کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

﴿2﴾ مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلم تھا اور یہود و عیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت و وقار اور ذاتی اقتدار و اختیار سے جسے چاہے اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ شفیع ان سب کو جو اسی کے ہو کر رہیں، نعمائے آخروی و دنیوی عطا فرما سکتا ہے۔ ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفیع ہیں۔ لہذا شفیع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ شفیع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفیع راضی ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالے گا۔ لیکن اگر شفیع غضب ناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا۔ اسی عقیدہ کو کسی بے دین و مشرک پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

ہر روٹھے تب تھوڑ ہے، گورو روٹھے نہیں تھوڑ

ہر روٹھے گورو میل سی، گورو روٹھے ہر ناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ خدا روٹھ جائے گا تب مرشد ملاوے گا، لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شَفَعَاءُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ [یونس: 18]

”یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ فائدہ کر سکتے ہیں یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، اللہ کے پاس۔“

انہی لوگوں کے حق میں دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [الزمر: 3]

”جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔“

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا شفیع بتاتے ہیں اور پھر اسی کو اپنا خداوند (مثل) خدا کہتے ہیں۔ اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے، اسی سے مراویں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے، جو کوئی اسے پکارتا ہے اس

سے مدد مانگتا ہے، اسے اپنا کارساز جانتا ہے، اس کو سچ خود ہی اپنے باپ خدا سے بچا لیتا ہے اور بخشوا لیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا ہے اور اس کے رد و بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر رکھا۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ [البقرہ: 255]

”کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے؟“

نیز فرمایا:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرُّحُومُنَّ﴾ [النبا: 38]

”اس دن سب فرشتے اور جبریل صف باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا نہ وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔“

اصول اولین سے ثابت ہوا کہ اذن الہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے۔

﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ [النبا: 38] وہ شفیع ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔

یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز، پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔

آیت مَنْ أَذِنَ لَهُ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن وحدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [بنی اسرائیل: 79]

”تیرا رب تجھے مقام محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔“

مقام محمود ہی وہ مقام شفاعت ہے کہ جب نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو جملہ اولین و آخرین حضور ﷺ کی تعریف کریں گے (تفسیر خازن) اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انس رضی اللہ عنہ درج فرمایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا، تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر جنت میں ٹھہرایا، پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی۔ لہذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں کر سکتا۔ پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں۔ تب لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ نوح علیہ السلام کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے، تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے۔ کہیں گے موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی اور انھیں تو رات بھی دی۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا۔ پھر کہیں گے کہ عیسیٰ روح

اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یعنی روح اللہ و کلمہ اللہ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے: میں نہیں۔ تم محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب لوگ میرے پاس آئیں گے اور تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا۔ مجھے اذن دیا جائے گا۔ پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا وہ جو کچھ چاہے گا میری زبان سے کہلائے گا۔

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ - فَلَ تَسْمَعُ ، سَلْ تُعْطَ ، اِسْفَعْ تُشْفَعْ۔

”اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ۔ بولو تمہاری سنی جائے گی۔ مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔“

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا۔ وہ تمہیں مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔<sup>[1]</sup>

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا: اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے۔ یعنی وہی جس پر غلو و واجب ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پھر یہ آیت ﴿عَلَسَىٰ اَنْ يَّعْتَلَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [بنی اسرائیل: 79] پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے کیا ہے، وہ یہی مقام ہے۔<sup>[2]</sup>

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالخصوص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا آدم و نوح و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام بھی شفاعت کی جرات نہ کریں گے اور ہذا خرسب کے نزدیک حضور ﷺ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔ لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء اولوالعزم علیہم السلام کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم مرور عالم ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کرنی دیتے۔ اب جب ہر جگہ صاف جواب مل جائے گا تو سب کو یہ یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل، کوئی اولوالعزم بھی حضور ﷺ کا منہم و شریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

(5) بعثت عامہ

اس کے متعلق قبل ازیں خصوصیت ﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ [احقاف: 28] کے تحت میں لکھا جا چکا ہے۔ قارئین اس کتاب میں اسے ملاحظہ فرمائیں۔

(6) جوامع الکلم کا عطیہ

بعض اہل قلم نے ”جوامع الکلم“ سے مراد قرآن مجید کو سمجھا ہے۔ کون ہے جو قرآن مجید کے جامع ہونے سے انکار کر سکے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام قدسی نظام مراد ہے، جسے ”حدیث نبوی“ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص ان الفاظ پاک پر غور کرے گا، جو حضور ﷺ پر نور کے دل و زبان سے گوش عالمیان تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام "کلام نبوت" ہے۔ مختصر، سادہ، صاف، پر صدق معانی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ۔  
اس کتاب کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کا اندراج کیا گیا ہے، ناظرین کو تدبر اور نظر کے بعد کلام نبوی ﷺ کی جامعیت کا حال کھل جائے گا اور بخوبی سمجھ آ جائے گا کہ یہ کلام صدق نظام صرف مطلع نبوی ﷺ ہی سے جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ سبنا و سبنا کا ایک حدیث درج کی جاتی ہے:

أَيُّكُمْ وَالظَّنُّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسُّسُوا وَلَا تَجَسُّسُوا وَلَا تَنَاقُشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ تَعَالَى۔ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ بِحَسَبِ امْرُؤٍ مِنْ أَشْرَائِكِ يَحْقِرُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهُ وَدَمُهُ وَعِرْضُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَجْسَادِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ التَّقْوَى هُنَا التَّقْوَى هُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ أَلَا لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا وَلَا يَجِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ وَأَخْرَجَهُ السِّتَةَ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔<sup>[1]</sup>

① "خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔ ② لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا۔ ③ اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا۔ ④ بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا ⑤ باہمی حسد نہ کرنا ⑥ باہمی بغض نہ رکھنا ⑦ کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا۔ ⑧ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے۔ ⑨ مسلم مسلم کا بھائی ہے۔ بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے ⑩ نہ اسے رسوا کرے نہ حقیر جانے ⑪ انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھے ⑫ مسلم کا خون، عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے ⑬ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو بالکل نہیں دیکھتا۔ وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ ⑭ دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔ ⑮ خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔ ⑯ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بنو۔ ⑰ مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے (نسائی کے سوا صحاح میں ہے۔)"

### خصوصیت معراج

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ [نبی سرائیل: 1]

معراج نبوی ﷺ کا ذکر اس کتاب کی جلد اول میں کیا جا چکا ہے اور جلد دوم میں بھی۔ ہر دو مقامات پر واقعہ الگ الگ

[1] یہ حدیث مختلف احادیث میں مذکور ہے۔ حوالہ جات درج ذیل ہیں: بخاری: 6066، 6077، 2442، 6951، مسلم: 2563، 2564، 2580، 58، 2564، ابوداؤد: 4917، 4911، 4914، 4893، 4882، ترمذی: 1932، 1426، 1927، نسائی: 9161، 7291، ابن ماجہ: 4213



اب اس مضمون خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس عنوان کا شامل ہونا ضروری تھا۔ الحمد للہ کہ اس جگہ تیسرے طرز بدیع میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قارئین یاد رکھیں کہ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان خصوصیات میں سے ہے جس میں اور کوئی نبی در رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم نہیں۔ لفظ معراج کا مادہ ”عروج“ ہے۔ چونکہ احادیث میں الفاظ عروج کی استعمال فرمائے گئے ہیں، لہذا اس واقعہ مبارک کے لیے لفظ معراج خاص ہو گیا۔

لفظ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں، چونکہ عروج و ارتقاء منزل بہ منزل ہوا تھا۔ لہذا اس واقعہ باطنی کے لیے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔

### تعدد معراج

علماء میں سے بعض تعدد کے قائل ہوئے ہیں اور لفظ ”اسری“ و لفظ معراج کے معانی کا فرق بتلایا ہے اور اسی لیے انہوں نے ان واقعات کے لیے مختلف سالوں اور مہینوں کا ذکر کیا ہے مگر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے محقق ہیں اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ تعدد معراج کا قول مطلقاً بے سند ہے اور احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بھی مخالف ہے۔

### تعیین زمانہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تین سال قبل از ہجرت تھی۔ دوسری روایت ہے طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات فرضیت نماز، بخگانہ سے پیشتر تھی۔ (بخاری عن عائشہ) نتیجہ یہ ہوا کہ واقعہ معراج کے بعد از وفات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھا اور اس واقعہ کو ہجرت سے تین سال زیادہ کا تاخیر نہیں دے سکتے۔

ذکر ہجرت کا آغاز عقبہ کی اس اولین ملاقات سے جس میں انصار کے صرف چھ (6) اشخاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے شروع ہو جاتا ہے لہذا واقعہ معراج کو ہجرت سے قریب ترین تعلق ہے۔ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج کو بیاض الاستیجاب میں 52 ولادت نبوی کا بتلایا ہے۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی تفصیلی بحث انہوں نے کتاب ”التمہید“ میں کی ہے۔ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ و امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی (جعال لکرائفی) نے معراج کے لیے ماہ رجب کا تعین کیا ہے۔

حافظ عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی بن سرور المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 13 ربیع الآخر 600ھ) نے ستائیسویں (27) رجب کو جملہ اقوال پر ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہمیشہ سے عملاً اسی تاریخ پر اتفاق کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اقوال کا نتیجہ ہے یہ ہوا کہ معراج ستائیسویں (27) رجب 52 ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے متعلق 23 سالہ جستری خود تیار کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ رجب 52 کا پہلا دن جمعہ تھا۔ لہذا ستائیسویں (27) رجب کی شب کے بعد طالع ہونے والا دن چہار شنبہ (بدھ) تھا اور اسلامی طریق سے شب معراج

(1) امام عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قرظی، دمشق رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 774ھ) بہت بڑے عالم و اجداد مصنف کتب کثیرہ تھے۔ الہدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر انہیں کے مشہور علمی شاہکار ہیں۔

راویان احادیث معراج مع حوالہ کتب احادیث

ذیل میں دکھلایا جاتا ہے کہ احادیث معراج کن کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کن کن دوادین حدیث میں مروی ہے۔

① حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری و ابن جریر	بطریق شریک بن عبداللہ عن انس رضی اللہ عنہ
صحیح مسلم	بطریق ثابت عن انس رضی اللہ عنہ
نسائی و ابن ماجہ	بطریق یزید بن مالک عن انس رضی اللہ عنہ
ابن ابی حاتم	بطریق دیگر از یزید بن مالک
ابن جریر و ابن مردویہ	بطریق عبدالرحمن بن ہاشم عن انس رضی اللہ عنہ
احمد و ترمذی، تہذیبی، عبد بن حمید، ابن جریر و ابن مردویہ، ابویوسف	بطریق قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ
ابوداؤد و احمد	بطریق عبدالرحمن بن جبیر عن انس رضی اللہ عنہ
ابن مردویہ	بطریق قتادہ و سلیمان التیمی و علی بن زید عن انس رضی اللہ عنہ
ابن سعد، سعد بن منصور، بزار، تہذیبی، ابن عساکر	عن ابی عمران الجونی عن انس رضی اللہ عنہ

② حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: صحابی بن صحابی

صحیح بخاری و صحیح مسلم	عن جابر رضی اللہ عنہ
------------------------	----------------------

③ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

صحیحین	من طریق قتادہ عن ابی العالیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
صحیح مسلم	ایضاً عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
احمد و ابویوسف، ابن مردویہ، سند صحیح	من طریق قابوس عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
احمد، ابویعلیٰ، ابویوسف، ابن مردویہ	من طریق عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
احمد، نسائی۔ بزار، طبرانی، تہذیبی، ابن مردویہ	من طریق شہر بن حوشب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

④ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری	من طریق طاہر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ
------------	--

②	صحیح مسلم	من طریق مرة الہمدانی عن ابن مسعود <small>رضی اللہ عنہما</small>
③	صحیح مسلم و بیہقی و ابو نعیم	من طریق زر عن ابن مسعود <small>رضی اللہ عنہما</small>
④	احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور و حاکم صحیحہ	من طریق موثر بن عمار عن ابن مسعود <small>رضی اللہ عنہما</small>
⑤	ترمذی، دشنہ و ابن مردویہ	من طریق عبد الرحمن عن ابن مسعود <small>رضی اللہ عنہما</small>
⑥	بزار - ابو یعلیٰ، حارث بن ابی اسامہ، طبرانی، ابو نعیم، ابن عساکر	من طریق عاتقہ عن ابن مسعود <small>رضی اللہ عنہما</small>

⑤ حدیث مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ ①

⑥ حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ

①	صحیحین	من طریق الزہری عن انس قال کان ابو ذر یحدث بسندہ عن ابی ذر <small>رضی اللہ عنہ</small>
---	--------	---

⑦ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

①	صحیح مسلم و احمد و ابن مردویہ	من طریق ابی سلمہ
②	احمد، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ	من طریق ابی الصلت
③	ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزار، ابو یعلیٰ بیہقی	من طریق ابن العالیہ عن ابی ہریرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
④	ابن مردویہ	من طریق سلیمان بن یحییٰ
⑤	سعید بن منصور ابن سعد	عن ابی وہب مولیٰ ابی ہریرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
⑥	صحیح بخاری و مسلم و احمد مالک حدیث	من طریق قتادہ عن انس <small>رضی اللہ عنہ</small>

⑧ حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

①	احمد بن ابی شیبہ - ترمذی، حاکم صحیحہ و نسائی و ابن جریر و ابن مردویہ، بیہقی	عن حذیفہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
---	---	--------------------------------------

① نہایت قلیل الرواے ہیں۔ یہی ایک حدیث ان سے بطریق صحیح محفوظ ہے جو نہایت اتقاق سے مروی ہے۔

حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

①	ابن مردویہ	عن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ
---	------------	------------------------------

حدیث ہبل بن سعد رضی اللہ عنہ

①	ابن عساکر	عن ہبل بن سعد رضی اللہ عنہ
---	-----------	----------------------------

حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

①	ابن ابی حاتم، بیہقی، وصحیحہ، بزار، طبرانی، ابن مردویہ	عن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ
---	---	-----------------------------

حدیث صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

①	طبرانی، ابن مردویہ	عن صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
---	--------------------	------------------------------

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما

①	ابوداؤد، طبرانی (اوسط)، بیہقی	عن ابی عمر رضی اللہ عنہما
---	-------------------------------	---------------------------

حدیث ابن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ

①	ابن مردویہ	عن عمرو بن شعیب عن ابيه عن جده
---	------------	--------------------------------

حدیث عبداللہ بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ: صحابی بن صحابی

①	بزار، ابن قانع، ابن عدی، بغوی، ابن عساکر	عن عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ
---	--	--------------------------------

حدیث ابویوب رضی اللہ عنہ

①	ابن ابی حاتم - ابن مردویہ	عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ
---	---------------------------	--------------------------

حدیث ابی حنیہ رضی اللہ عنہ

①	طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی حنیہ رضی اللہ عنہ
---	------------------------------	--------------------------

حدیث ابی العمراء رضی اللہ عنہ

①	طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی العمراء رضی اللہ عنہ
---	------------------------------	-----------------------------

حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

①	ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر۔	ابن ہارون العبیدی
---	---	-------------------

②	ابن مردويه	من طريق أبي نصره عن أبي سعيد
③	ابن مردويه من وجه آخر	عن أبي نصره
④	ابن مردويه من وجه آخر	من طريق حمزة عن أبي سعيد

⑳ حديث أبي يعلى الخزاز

①	طبراني (اوسط) ابن مردويه	من طريق محمد بن عبد الرحمن
---	--------------------------	----------------------------

㉑ حديث عائشة صديقة النبي

①	ابن مردويه، حاكم وصححه، يهقي	من طريق زهري عن عروة
---	------------------------------	----------------------

㉒ حديث أسماء بنت الصديق النبي

㉓ حديث أم هانئ بنت أبي طالب النبي

①	ابن الخلق، ابن جرير	عن الحسن بن علي بن صالح عن أم هانئ النبي
---	---------------------	--

㉔ حديث عمر فاروق النبي

①	احمد	عن حميد بن آدم عن أمير المؤمنين عمر النبي
②	ابن مردويه	من طريق مغيرة بن عبد الرحمن

㉕ حديث أبي سفيان أموي النبي

①	الوليع بن محمد بن كعب القرظي	عن سفيان بطريق إيسا (موقوف)
---	------------------------------	-----------------------------

㉖ حديث أمير المؤمنين علي النبي

①	طبراني	من طريق الحسين عن أبيه
②	الوليع	من طريق محمد بن الحنفية
③	ابن مردويه	من طريق زيد بن علي بن آباءه عن علي

㉗ حديث عبد الرحمن بن قرط الشمالي النبي

①	سعيد بن منصور، طبراني، ابن مردويه، الوليع (في المعرفة)	عن عبد الرحمن بن قرط
---	--	----------------------

㉘ حديث بريرة النبي

①	ترمذي، حاكم، صحيحه والوليع، ابن مردويه، بزار	عن بريرة النبي
---	--	----------------

صحابہ رضوان اللہ علیہم جس قدر روایان حدیث ہیں، ان میں کئی مہاجر بھی ہیں اور مدنی انصار بھی۔ واقعہ معراج مکہ معظمہ میں ہوا لیکن یہ خیال غلط ہے کہ انصار اصحاب رضی اللہ عنہم نے بعد میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ مہاجرین سے سنا ہوا تھا۔

اول تو راوی نے صحابہ کی خودصراحت کہ انہوں نے حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اس بارے میں کافی دلیل ہے۔ دوم یہ قدرتی امر ہے کہ جب انصار کہار نے معراج کے متعلق اپنے مہاجر بھائیوں سے کچھ سنا تو ان کے شوق و ذوق کا تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سننے کی درخواست کرتے، جیسا کہ محدثین میں ہمیشہ علو اسناد کے حاصل کرنے کا شوق پایا گیا ہے۔ یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایات میں صریحاً اس کی بابت الفاظ موجود ہیں۔ حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ میں ہے۔

قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ تَخِيفُ أُمَّرِي بِكَ ① لَفْظاً قُلْنَا پر غور کرنا چاہیے کہ یہ درخواست ایک مجمع صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تھی۔ صحیحین کی روایت مالک بن صعصعہ میں ہے: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ ② "خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حدیث بیان فرمائی۔"

لہذا معراج کی احادیث مرفوعہ خواہ ان کے راوی مہاجرین ہیں یا انصار سب کی سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہیں۔ بعض صحابہ مثلاً ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم ایسے بھی ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت براہ راست بھی کی ہے اور بالواسطہ کسی دوسرے صحابی سے بھی۔ ان کی طرف سے ہر دو گونہ روایات ہیں۔ اس تمیز کو قائم رکھنا بھی ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے مرسل کو مرفوع کہنے کی جرأت کبھی نہیں کی۔ یہ امر اور بھی موجب اطمینان ہے کہ صحیحین کی احادیث واقعہ معراج کے متعلق زیادہ مکمل اور زیادہ مفصل ہیں۔

### اب واقعات معراج کو بیان کیا جاتا ہے

① صحیح مسلم کی حدیث میں طریق ثابت عن انس رضی اللہ عنہ میں ہے: "میں سواری پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔ سواری کو اسی حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء صلی اللہ علیہم اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں جا کر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور وہاں سے آسمان کی طرف عروج ہوا۔" ②

② ابن ابی حاتم کی ایک روایت عن یزید بن ابی مالک عن انس میں نماز بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ: "میرے پہنچ جانے کے بعد وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی۔ صفیں درست ہوئیں۔ میں انتقار میں تھا کہ نماز کون پڑھائے گا۔ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کر دیا۔ بعد از نماز جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی؟ میں نے کہا نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سب انبیاء ہیں جو منجانب اللہ مبعوث ہو چکے۔" ③

③ امام احمد کی روایت عن عبید بن آدم میں بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ:

"جب امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے، تب کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیے، اس نے کہا صحرہ کے

① کشف الاستار: 53، مجمع الزوائد: 236، ② بخاری: 3207، مسلم: 164، ③ مسلم: 411، تفسیر ابن کثیر: 189/3

پوچھے۔ امیر المؤمنین نے کہا، نہیں۔ میں وہاں پڑھوں گا جہاں نبی ﷺ نے پڑھی تھی۔“ ①

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث من طریق انس رضی اللہ عنہ بھی موجود ہے۔

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ نہایت قلیل الروایت ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر محدثین کا خیال ہے کہ اس ایک حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے، ایسے بزرگوار نے حدیث کو نہایت ہی اتقان کے ساتھ یاد رکھا اور روایت کیا ہوگا، کیوں کہ ان کی ساری عمر کی کمائی یہی ہے اور غالباً یہی پختہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے خود مرفوعاً روایت کرنے کے بعد بھی بزرگوار ابن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا اپنے لیے موجب فخر و مسرت سمجھا۔ اب مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا (قنادہ نے لفظ ”حطیم“ کی جگہ کہیں لفظ ”حجر“ بھی استعمال کیا ہے۔ دونوں نام ایک ہی مقام کے ہیں۔ یعنی خانہ کعبہ کے اندر کی دو زمین جسے قریش نے باہر چھوڑ دیا تھا۔ جب آنے والا (جبریل علیہ السلام) میرے پاس آیا۔ اس نے اپنے ساتھی (میکائیل علیہ السلام) سے کہا کہ ان تین میں سے درمیان والے نبی ﷺ ہیں۔ پھر وہ میرے پاس آیا، سینہ سے لے کر زیر ناف تک میرا جسم شق کیا۔ پھر سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان و حکمت سے پر تھا۔ میرے قلب کو دھویا اور ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ پھر زخم درست کر دیا۔ پھر میرے لیے سواری لائی گئی جس کا قد پتھر سے کم اور جمار (گدھا) سے اونچا تھا۔ اس کا قدم اس کی حد بصر تک پڑتا تھا۔ مجھے سوار کیا گیا۔ جبریل علیہ السلام میرے ساتھ چلا۔ آسمان دنیا تک مجھے لے کر پہنچایا گیا۔ دروازہ کھلوا یا، اندر سے پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل علیہ السلام۔ کہا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد ﷺ۔ انھوں نے کہا کیا آپ کو بلوایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور کہا خوب تشریف لائے۔ دروازہ کھلا۔ میں اندر گیا تو وہاں آدم تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ تمہارے ابا آدم علیہ السلام ہیں، سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح فرما کر مرحبا بھی کہا۔

پھر جبریل علیہ السلام دوسرے آسمان تک پہنچا۔ دروازہ کھلوا یا (وہی گفتگو پہلے آسمان والی ہوئی) میں اندر گیا تو وہاں یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ یہ دونوں خالہ زاد ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا بھی کہا۔

پھر تیسرے آسمان پر گئے۔ (وہی گفتگو ہوئی، دروازہ کھلا) وہاں یوسف علیہ السلام تھے۔ سلام و جواب کے بعد انھوں نے بھی اخ صالح و نبی صالح کے الفاظ میں مرحبا کہا۔

پھر جبریل علیہ السلام جو تھے آسمان تک بلند ہوا۔ دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا کون؟ کہا جبریل علیہ السلام۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد ﷺ۔ پوچھا کیا بلوائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور میرے آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ اندر گئے تو وہاں اور یس علیہ السلام تھے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

اسی طرح پانچویں آسمان والے فرشتوں کی بات جبریل علیہ السلام سے ہوئی۔ میں اندر گیا۔ وہاں ہارون علیہ السلام ملے۔ سلام کا جواب دے کر مجھے اخ صالح و نبی صالح کے ساتھ مرحبا کہا۔

اسی طرح چھٹے آسمان پر جبریل علیہ السلام اور فرشتوں کی گفتگو ہوئی۔ میں اندر گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام ملے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

میں ان سے آگے کو چلا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے، پوچھا گیا کہ تم کیوں رونے؟ کہا یہ تو جوان میرے بعد نبی ہوا اور اس کی امت

کے لوگ میری امت سے بہت زیادہ تعداد میں داخل جنت ہوں گے۔

پھر ساتویں آسمان پر جبریل علیہ السلام پہنچا۔ فرشتوں سے گفتگو ہوئی اور وہاں میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح کہہ کر مر جا کہا۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک اٹھایا گیا۔ اس کا پھل بڑی چاٹیوں جیسا اور اسکے پتے ہاتھی کے کان جیسے بڑے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ سدرۃ المنتہیٰ یہی ہے۔ وہاں چار نمبریں دیکھیں، دو اندر بہتی تھیں، دو کھلم کھلی۔ جبریل نے بتایا کہ اندر اندر چلنے والے دریا تو بہشت کے دریا ہیں اور کھلے چلنے والے نیل و فرات۔

پھر سامنے "بیت المعمور" نمودار ہوا۔ (قنادہ جو راوی حدیث ہیں انھوں نے کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ہم کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت المعمور میں ستر ہزار (70000) فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ اس قدر بڑی کے بعد قنادہ رضی اللہ عنہ نے پھر حدیث انس کی طرف رجوع کیا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے برتن پیش کیے گئے، میں نے دودھ لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔ پھر پچاس (50) نمازیں فرض کی گئیں۔ روزانہ پچاس (50) نمازیں۔ پھر میں نیچے آیا اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انھوں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس (50) نمازیں روزانہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کی امت میں اس کی استطاعت نہ ہوگی اور میں قبل ازیں لوگوں کا امتحان کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی تدبیر کرتا رہا ہوں۔ آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا، دس (10) نمازیں کم کر دیں گئیں۔ میں لوٹ کر یہی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا وہ بولے کہ پھر واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا، اور دس (10) نمازیں کی تخفیف کر دی گئی۔ میں نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو یہی آ کر بتلایا۔ انھوں نے کہا کہ پھر واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس گیا۔ تب دس نمازیں کی اور تخفیف کر دی گئی۔ انھوں نے پھر کہا کہ واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں اسی طرح جاتا رہا۔ حتیٰ کہ پانچ نمازیں کا حکم ہو گیا اور میں نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی امت میں استطاعت بھی نہ ہوگی۔ مجھے لوگوں کا خوب تجربہ ہے اور میں نے بنی اسرائیل کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں لہذا واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا کرتا شرمسار ہو گیا ہوں۔ اب تو میں اس کو خوشی سے مانوں گا اور تسلیم کروں گا۔ اس وقت پکارنے والے کی ایک آواز آئی کہ میں نے اپنے فریضہ کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کر دی۔ (۱)

(۲) شیخین کی حدیث عن انس میں مزید یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا کرتے تھے کہ:

آدم علیہ السلام جب دائیں جانب دیکھتے تب ہستے اور جب بائیں جانب دیکھتے تب روتے۔ جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر بتلایا کہ دائیں بائیں اولاد آدم کی ارواح ہیں۔ دائیں جانب اہل جنت ہیں اور بائیں اہل نار۔ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو انس



پڑتے ہیں اور بائیں جانب کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔<sup>(1)</sup>

(6) زہری کہتے ہیں کہ ابن حزم نے مجھے بتایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو جریہ الانصاری یہ بھی کہا کرتے تھے کہ:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے بلندی پر لے جایا گیا اور میرے سامنے مستوی آگیا، میں صریف الاقلام سنتا تھا۔

پانچ نمازوں کی تعین کے بعد موسیٰ علیہ السلام بھی میرے ساتھ چلے۔ میں سدرة المنتہی پر واپس آیا۔ اس پر ایسے رنگا رنگ الوان پڑ رہے تھے کہ جن کی صفت بیان سے باہر تھی۔ پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا، جس کی کنکریاں آبدار موتی ہیں اور جس کی زمین مشک خالص کی ہے۔“<sup>(2)</sup>

### ساتوں آسمانوں پر آنٹیوں انبیاء کی ملاقات کا راز

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاء صلی اللہ علیہم کی ملاقات بہت ہی انصاف دینی پر مشتمل ہے:-

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شاہان عالم معزز مہمان کے اکرام کے لیے اپنی سرحد خاص سے لے کر دربار خاص تک درجہ بدرجہ امرائے عظام کو مقرر کیا کرتے ہیں۔ اس طرح ان انبیاء کرام صلی اللہ علیہم کا تعین بھی آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔  
(2) آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ اول الانبیاء ہیں۔ اس لیے ان کا تعلق آسمان اول سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ آدم علیہ السلام ہیں جن کو ترک جنت کا الم اٹھانا پڑا۔ مگر جب زمین پر آئے اور خلافت الارض کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور ان کی اولاد ورتقا سے زمین آباد ہو گئی تب ان کا وہ الم تبدیل یہ سرور ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی أَحَبُّ الْبِلَادِ عِنْدَ اللَّهِ<sup>(3)</sup> کو ترک کرنے والے تھے، لیکن اقامت مدینہ طیبہ اشاعت اسلام اور نشر علوم کا سبب تھی۔ یہیں سے نصرت وفتح کے اعلام بلند ہوئے اور یہی بلدہ طیبہ حضور کے خلفاء کا بھی مستقر ثابت ہوا۔

(3) یحییٰ و عیسیٰ صلی اللہ علیہم میں قرابت بھی ہے۔ مسیح نے اسطبارغ بھی یحییٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا تھا۔ احوال زہد و محنت میں بھی دونوں متحد الاحوال ہیں۔ اس لیے وہ دونوں ایک ہی مقام پر جمع تھے اور دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و توکل اور اعراض عن الخلق و مستقبل کا دکھانا بھی مقصود تھا۔ یحییٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑا تھا اور عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکمال صداقت اور اتمام حقانیت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے پورا ہونا ناپا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

(4) یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال مبارکہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت تھی ہے۔ دونوں صاحب الجمال و الکمال ہیں۔ دونوں کو امتحانات ساتھ دینے پڑے۔ دونوں میں غم و کرم کا دنور ہے۔ دونوں نے انخوان جفا پیشہ کو لَا تَسْرِيبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ كَيْدُكُمْ سے جان بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحب امر و حکومت ہیں اور دنیا سے پوری کامرانی و حکمرانی اور جاہ و جلال کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

(5) چونکہ پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ کثرت درس اور توکل تعلیم اور شغف تدریس میں اور یس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص درجہ ہے اور یہی کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی ﴿يُؤْتِيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [ابم: 2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے القاب گرامی میں داخل ہے۔

(6) پانچویں پر ہارون صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔ ہارون صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم و امت میں بر دل عزیز اور محبوب قلوب تھے۔ ہارون مسجد کے امام تھے۔ ہارون صلی اللہ علیہ وسلم تفرقہ بازی کو سب سے برا سمجھتے تھے اور یہ وہ صفات عالیہ ہیں جن کے انوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں واضح و آشکار ہیں۔

(7) چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب شریعت بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی ہیں۔ غازی و مجاہد ہیں و مہاجر و

(1) بخاری: 3342، مسلم: 163/263، (2) بخاری: 34، 1636، 3342، مسلم: 163، التیسرا ابن کثیر: 192/3

(3) مسلم: 1528، مابن خزیمہ: 1293، کنز العمال: 20719

مناظر بھی۔ نبی ﷺ کے ساتھ ان محاسن میں مشابہتیں ہیں۔ ان کا رجحان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیاء سے بڑھ کر خاص امتیاز رکھتا ہے۔

﴿سا توین آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نظر آئے۔ یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں اور یہی کعبہ آسمانی (بیت المعمور) کے مہتمم ہیں۔ یہی امام غلق ہیں، غلیل الرحمن ہیں۔ نبی ﷺ نے کعبہ کو راجس اوثان سے پاک کیا۔ نبی ﷺ کی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے کعبہ کو قبلہ نماز بنایا۔ نبی ﷺ ہی نے ملت حنیفیہ کو زندہ کیا۔ نبی ﷺ ہی نے مناسک حج کو سنت ابراہیمیہ کے مطابق محکم فرمایا۔ نبی ﷺ ہی نے درود پاک میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا۔ نبی ﷺ علیہ کے لحاظ سے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مماثل تھے۔﴾

رفعت، حضور ﷺ کو مقام ابراہیم (بیت المعمور) سے اوپر حاصل ہوئی۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ ہی مقام محمود والے ہیں اور حضور ﷺ ہی اَقْدَمُ وَمَنْ دُونَهُ، تَحْتِ لَوَائِيُ فرمانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ﴿﴾

### قرآن کریم اور معراج شریف

قرآن کریم نے واقعہ معراج کو دو سورتوں میں ذکر فرمایا ہے:

﴿سورہ بنی اسرائیل جس کے آغاز ہی میں یہ آیات ہیں:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [بنی اسرائیل: 1]

کلمہ سبحان تزیید کے لیے آتا ہے اور شروع کلام میں اس لیے لایا جاتا ہے کہ جن واقعات کا ذکر آئندہ کیا جائے گا اللہ کی قدرت اور طاقت اس کو ظہور میں لانے سے عاجز و در ماندہ نہیں۔ لیلًا کی تینوں رات کی مقدار قلیل کو ظاہر کرتی ہے۔

﴿بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ اسی مقام کے قرب و جوار میں اشجار مشرہ اور انہار چار یہ اور شجرہ مبارکہ زیتون کی کثرت ہے۔ اسی کا حوالی انبیائے کثیر کا مہلہ وحی اور معجزات باہرات کا مصدر رہا ہے۔

﴿مِنْ آيَاتِنَا﴾ سے مراد وہ نشانات ارضی بھی ہیں جو بنی اسرائیل کے اقبال واد پار اور شرف و ذلت کی زندہ زبان ہیں۔

اور وہ نشانات عظمیٰ بھی اسی لفظ میں شامل ہیں جو حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے عروج کے بعد ﴿مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ملاحظہ فرمائے۔

﴿سورہ نجم میں ذکر ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر تکرار کرو۔

﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ [انجم: 18] اس نے اپنے رب کی ان آیات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

میں "کبریٰ" بزرگ ترین ہونے کی صفت سے موصوف ہیں۔"

اس کے تحت میں جبریل علیہ السلام کا بصورت اصلی یا سدرۃ المنتہیٰ اور اس پر چھا جانے والے انوار قدسیہ کا بصورت تجلی یا جنت و نار

کا بہ حیث موجودہ یا عجائبات ملکوت کا تفصیل سے معائنہ کچھ بھی لکھ دیا جائے، لیکن یہ سب کے سب اپنی مجموعی شان میں بھی لفظ کبریٰ کے

سامنے ہی ہوں گے۔ اس لیے ان کا حصہ تعقل و شمار ہے۔

[2] ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى﴾ [انجم: 17] اس آیت میں نبی ﷺ کے شوق و دید کا بھی بیان ہے اور مراعات حسن ادب کا ذکر ہے اور نبی ﷺ کے ثبات و وقار اور تحمل و استعداد و رویت کا بھی تذکرہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حال میں فرمایا گیا ہے ﴿فَلَمَّا تَخَلَّى زِمَةً لِلْحَيْلِ جَعَلَهُ، ذِكًا وَخَوَّرَ مُوسَىٰ صَبِيحًا﴾ (7، الامراء: 143) جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، تب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سیدنا حضرت محمد ﷺ خوب آنکھیں بھر کر ان انوار کو دیکھ رہے ہیں۔ مشتاق آنکھ نہ جھپکتی ہے نہ ادھر ادھر تکتی ہے۔ قوت ربانیہ متوجہ نمائش ہے اور بصارت محمدیہ کمال قوت و نظارہ کے ساتھ وقف دید۔

[3] ﴿مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ [انجم: 11] ”جو کچھ آنکھوں نے دیکھا، دل نے اسے نہیں جھٹلایا“ بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ روشن صاف آنکھیں ایک شے کو دیکھتی ہیں اور دل آنکھ کی دیکھی ہوئی حالت کو جھٹلاتا ہے۔ مثلاً ہم ہرج کو دیکھتے ہیں کہ سورج ایک زریں طلشت کی صورت میں مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ اس کا قد و قامت اس وقت اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ وہ ارض سے کروڑوں حصے کم ہو گیا، لیکن دل کہہ دیتا ہے کہ ایسا سمجھنا آنکھ کی غلطی ہے۔ یہ تو زمین سے کروڑوں حصے بڑا ہے اور یقیناً بڑا ہے۔ ہم پانی کے اندر گرمی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھری ہوئی نظر آتی ہیں حالانکہ آنکھ کا اسے ایسا دیکھنا غلط ہوتا ہے۔ ہم سورج کی روشنی کو دیکھ کر اسے صرف ایک صاف، سفید روشنی سمجھتے ہیں حالانکہ دل بتلاتا ہے کہ اس روشنی میں سات (7) رنگوں کا اجتماع ہے۔

جب دیدہ و دل میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے تب یہ سمجھنا کہ آنکھ حقیقتِ اصلیہ کو دیکھ رہی ہے، غلط ہوتا ہے، لیکن حقائق کی اصلیت اور انکشافات کی حقیقت پر دل و دیدہ کا یقین، وثوق اور اعتبار مجتمع ہو جائے تو شک نہیں کہ یہ نظارہ بصیرت افروز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ نبی ﷺ کے نظارہ پاک کو جملہ ظنون و شکوک سے برتر اور جملہ صدقوں اور حقیقتوں پر حاوی یقین کرنا چاہیے۔

[4] ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ [انجم: 10] ”پھر اپنے بندہ پر جو وحی بھی بھیجتی تھی وہ بھیجتی۔“ آیات بالا میں دیدہ و دل کی کیفیات کا ذکر تھا۔ اس آیت میں گوش و دل کے حقائق کا ذکر ہے۔ مَا أَوْحَىٰ کا لفظ اجمال کے لیے نہیں بلکہ تضمین کے لیے ہے۔ اس سے تضمین و وحی بھی مقصود ہے اور يُوحَىٰ إِلَيْهِ کی تعظیم بھی اور ان کی عظمتِ اصلیہ تو لفظ عبد میں پنہاں ہے۔ پنہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

کچھ شک نہیں کہ واقعہ معراج نبی ﷺ کے مقاماتِ اعلیٰ سے ایک برترین مقام ہے اور اس واقعہ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں بھی اور سورہ انجم میں بھی لفظ عبدی کا استعمال فرمایا ہے تاکہ مخلوق الٰہی خوب سمجھ لیں اور اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ اس مقدس ہستی کے لیے بھی جس کی شان ”بعدا از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ سے آشکار ہے۔ سب سے بلند ترین مقام عبودیت ہی کا ہے اور ہم سب کو اسی مقام عبودیت میں ارتقا (بقدر قابلیت و استعداد) کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ﴿فَاعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [البقرہ: 2] ”اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی کے لیے دین کو خالص کرو“ بیشک الصلوٰۃ معراج المؤمنین کے معانی بھی اس نکتہ سے صل ہوتے ہیں کیوں کہ اظہار عبودیت و بیان عجز و استغفار اور تشکل بندگی و اجتناب کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی صورت متحقق نہیں۔

## بیداری و خواب کی بحث

بعض علماء کو آیت سے ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَبْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ [بنی اسرائیل: 60] اور ہم نے آپ کو جو خواب دکھایا وہ لوگوں کے لیے ماسوائے فتنہ کے کچھ نہیں سے یہ خیال ہوا ہے کہ اس آیت کا اشارہ معراج کی طرف ہے اور چونکہ اسے روایا سے تعبیر کی گیا ہے لہذا معراج کے واقعات خواب میں نظر آئے تھے۔ اس اشکال کو امام لغت ابن وجیہہ رحمۃ اللہ علیہ نے حل کر دیا ہے کہ روایت و روایا کا استعمال بمعنی واحد ہوتا ہے۔ لغت کا قول ہے: رأیت رؤیة و رؤیا قریبة و قریبتی اب یہ وہم اٹھ گیا روایا صرف خواب ہی کے لیے مستعمل ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ نے جو امر لغت و معانی و بیان میں سے ہیں، اپنی تفسیر میں پر آیت بالا کے تحت میں لکھا ہے کہ اس روایا کا تعلق بدر سے ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کافر کے کرنے کا نشان و مقام بھی بتلا دیا تھا اور کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو استہزاء ہی بتاتے رہے۔ بعد ازاں لفظ قل کے ساتھ اس نے یہ بیان کیا ہے:

إِنَّمَا سَمَّيَاهَا رُؤْيَا عَلَى قَوْلِ الْمُكْذِبِينَ حَيْثُ قَالُوا لَهُ، لَعَلَّهَا رُؤْيَاءٌ رَأَيْتَهَا وَحَيَالٌ حَيْلِ الْيَلِكِ۔<sup>(1)</sup>

لفظ روایا کا استعمال مکذبین کے استعمال کے موافق ہے۔ و معراج کا حال سن سن کر کہتے تھے کہ شاید یہ ایک خواب ہے یا پھر خیال جو اس کے دماغ میں آیا۔

اس کی مثال ان آیات میں ہے: ﴿فَسَرَّعَ إِلَى الْهَيْبَتِمْ﴾ [الصافات: 90] "یعنی آپ (ابراہیم علیہ السلام) چپ چاپ ان کے معبودوں کے پاس چلے گئے" ﴿أَيْنَ شُرْحَكَيْنِي﴾ [التقصم: 62] "کہاں ہیں میری ہمسری کے دو عویدار"

﴿ذُقْ لِّلِكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ [الدخان: 49] "چکھ (عذاب) بلاریب تو تو بزرگ اور عزت والا بننا تھا۔" اب محدثین کی سنیے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں آیت ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَبْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾<sup>(2)</sup> کے تحت میں روایت حکم مدین ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ الفاظ تحریر کیے ہیں۔

هِيَ رُؤْيَا عَيْنِي أَرَبِيهَا رَسُولُ اللَّهِ لَسَلَّةٌ أُسْرِي بِهِ يَأْكُمُ كَالنَّارِ وَتَقَابُجُونِي صلی اللہ علیہ وسلم كَوْشِبِ اسْرِي وَكَلَّهَا يَأْتِيهَا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بہتر امت محمدیہ اور بدعا کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مفسر قرآن ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لغت و ادب کے بھی ائمہ عظام میں سے ہیں۔ ان کا قول:

"میرا ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا" یہی اعتقاد اکثر ائمہ اہل سنت محدثین و فقہائے تابعین و صحابہ کا ہے جو لوگ واضح ثبوت کے بعد بھی معراج کو خواب ہی سمجھا کریں وہ حدیث ذیل پر ذرا غور کریں۔

عَنِ الشَّيْخَيْنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا كَلَّمْتَنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسْرِي يَهِي إِلَيَّ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ قُمْتُ فِي الْحَجَرِ فَحَلَّى اللَّهُ لِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَطَلَفْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا

(1) کشف جلد دوم: 191

(2) میرے سامنے جو صحیح بخاری موجود ہے وہ بمقام سنہ 1268ھ میں لکھی گئی اور 1270ھ میں چھاپی گئی، اس میں لفظ رؤیہ (ہاتھ) ہے۔ آیت میں بھی اور تفسیر ابن عباس کے الفاظ میں بھی۔ اس لیے میں نے اس جگہ بالفاظ نقل کیا ہے کہ میرے پاس ایک پرانی گلی صحیح بخاری ہے اس میں ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا كَوْشِبِ اسْرِي وَكَلَّهَا يَأْتِيهَا﴾ کو رسم الخط قرآنی کے مطابق لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔ بخاری: 3888، ترمذی: 3134، ابن حبان: 56، احمد: 374/1، مسند امام احمد: 130/1

صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کفار نے میرے بیت المقدس تک جانے کو جھٹلایا (اور نشانات پوچھنے لگے) تب میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا۔ میں عمارت کو دیکھتا جاتا تھا اور جو نشان وہ پوچھتے تھے، میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔“

یہ ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات معراج کو خواب کے رنگ میں بیان کیا ہوتا تو کفار بیت المقدس کے نشان پتے دریافت کرنے کا کیا حق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی کیا ضرورت تھی کہ بیت المقدس کو حضور کے سامنے ظاہر و جلوہ گر کر دے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ دیکھ کر سب نشانات کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ خواب کے لیے تو اتنا ہی جواب کافی تھا کہ میں تو اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو اپنی آیات کبریٰ دکھائیں اور وراء الوراہ کی سیر کرائی۔

طے کنم ایس نامہ را گر کنم چہ کنم !  
حوصلہ خامہ نیست تاب رقم داشتن



### معجزات نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لفظ ”معجزہ“ معجز سے بنایا گیا ہے۔ معجز کا استعمال لفظ قدرت کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے۔ دراصل معجز سے یہ مفہوم لیا گیا ہے۔ معجز انسان کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں: ﴿كَانَتْهَا أَعْجَازٌ نَخْلٍ مُنْقَعِرٌ﴾ [القر: 20] میں یہی معنی ملحوظ ہیں۔ پھر اس معجز سے کسی کام میں مؤخر رہنے کا مفہوم اور پھر اس سے در ماندگی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

”معجز“ اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے امور کرنے سے در ماندہ و عاجز رہ جائے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب قاتیل کے سامنے ایک کوسے نے دوسرے کوسے پر مٹی ڈال کر اسے زیر خاک کیا۔ جب قاتیل بولا: ﴿يَا وَيْلَتَى أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ﴾ [المد: 31] ”(افسوس میں تو اس کوسے جیسا بھی نہ ہوا) کوسے جیسا بننے میں عاجز رہ گیا۔“ اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار سے فرمایا ہے:

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُعْجِزِي اللَّهِ﴾ [التو: 2] ”یا درکھو کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔“ اس لغوی معنی کے بعد لفظ معجزہ کا استعمال نام طور پر انبیاء اللہ کے ان افعال نبوت پر کیا جانے لگا ہے جو ان کی شان نبوت کے مظہر ہوتے ہیں۔

بروئے تواریخ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لفظ معجزہ کا استعمال اس خاص معنی میں کس زمانہ سے ہونے لگا اور وہ پہلا کون شخص ہے جس نے اس مفہوم میں اس کا استعمال کیا۔ مگر اس امر کا مجھے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں یا کسی دوسرے نبی کے کلام میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال کہیں بھی نہیں ہوا۔ اب لفظ معجزہ کی تعریف کی طرف آئیے۔

”معجزہ“ کو معنی معینہ بالا میں معجزہ کہنے والے کہتے ہیں کہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔ اس تعریف کے بعد ہی وہ اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا خرق عادت ممکن بھی ہے یا نہیں؟ عادت کے معنی کیے جاتے ہیں: ”استمرار تو انہیں فطرت“ اور خرق کے معنی کیے جاتے ہیں: ”بطلان استمرار مذکورہ“ بحث کے اس مقام پر پہنچ کر اہل قلم چند اصناف پر منقسم ہو جاتے ہیں۔ وہ جو فطرت کے لیے کسی مقررہ قانون کا ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر بازار معقولات میں خوب خوب آوازے کے جاتے ہیں۔

① وہ جو قانون فطرت کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے قانون کی تفسیح (یعنی خرق) جائز نہیں سمجھتے۔ یہ قسم بھی دو اصناف پر مشتمل ہے۔ ② وہ جو خرق عادت کو نہ مانتے ہوئے کسی ثابت شدہ واقعہ کا وجود یا امکان بھی نہیں مانتے۔

② وہ جو کسی ثابت شدہ واقعہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے خرق عادت کا ہونا صحیح سمجھا جائے۔  
 ③ وہ ہیں جو قانون فطرت میں مستثنیات کا اندراج بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے ہر ایک ثابت شدہ واقعہ کو خود قانون فطرت ہی مان لیتے ہیں اس لیے کہ استثنائے قانون کا وجود بھی پہلے سے اس قانون کے اندر موجود تھا۔  
 معجزات کے منکرین، مؤولین یا قائلین کا شمار انہیں اقسام ثلاثہ میں آ جاتا ہے۔  
 ان اقسام ثلاثہ کا تعلق متعلقین لفظ خرق عادت سے تھا، لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو لفظ معجزہ کی تعریف خرق عادت سے نہیں کرتے اور لفظ خرق عادت کا استعمال ہی نہیں کرتے۔

وہ صرف یہ کہا کرتے ہیں کہ ”معجزہ نبی اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس وقت دوسروں کو ویسا فعل کرنے سے عاجز بنا دے۔“  
 ان تمام لفظی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے علمائے محققین نے یہ راہ اختیار کی کہ جب صحف سماویہ میں لفظ ”معجزہ“ اور لفظ ”خرق عادت“ آتے ہی نہیں تو اس خازر میں دامن الجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟  
 قرآن مجید تو لفظ ”آیت“ کا استعمال کرتا ہے اور انجیل و تورات میں بھی لفظ شان ہی کا استعمال ہے۔ اس لیے ہم بھی لفظ ”آیت“ ہی کا استعمال کریں گے۔

استعمال خدا میں چند فوائد اور بھی ہیں:

① لفظ ”آیت“ نہایت وسیع المعنی ہے۔

② اس کا استعمال مادیات پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو آیت بتلایا۔

﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ [العنكبوت: 15]

”پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو سب کے لیے ایک نشان بنایا۔“

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو آیت بتلایا:

﴿وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ﴾ [يس: 37] ”ان کے لیے رات ایک نشانی ہے۔“

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ﴾ [فصلت: 37] ”دن اور رات اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔“

انسانوں کا منی سے بنایا جانا بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾ [الروم: 20] ”اللہ کی نشانیوں میں سے کہ تم کو منی سے بنایا۔“

بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک کو بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبُرُوقَ﴾ [الروم: 24] ”اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے“

آسمان و زمین کی موجودہ بناوٹ و استقامت کو بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾ [الروم: 25]

”اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

امن عامہ کشائش و آسودگی ترف اور سرسبزی کو بھی آیت بتلایا

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْأَلِهِمْ آيَةً﴾ [سبا: 15] ”سبا والوں کو اپنے وطن میں نشانی تھی۔“

فرعون کی مردہ لاش کو بھی جو عبرت بخش عالم ہے۔ آیت بتلایا:

﴿لَتَكُونَنَّ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً﴾ [یونس: 92]

”تا کہ تو پھیلے آنے والوں کی نشانی بنے۔ اس لیے تیرا لاشہ باہر پھینکا جائے گا“

سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بھی آیت بتلایا:

﴿هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً﴾ [الاعراف: 73] ”یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔“

یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ید موسیٰ علیہ السلام کی نسبت بھی جب کہ ان کا شعبان اور بیضا ہوا جانے کا امتحان کرا دیا

گیا، فرمایا:

مادہ پرست پہلی آیت کو سن کر ان اشیاء مادی کا آیت یا نشان ہونا قابل توجہ بھی نہ خیال کریں گے لیکن اگر ان واقعات کے

مقابلہ میں کوئی ایسا واقعہ جس میں ذرا سی ندرت ہو، بیان کیا جائے تو جھٹ اس کا انکار کر بیٹھیں گے اور اسے خرق عادت قرار دیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر ایک وہ واقعہ جسے بزبان عوام مخمڑہ کہا جاتا ہے فی الواقع آیت ہے جیسا کہ یہ واقعات بھی آیات ہیں جن کو

فہم کی نارسانی یا عدم تدبر سے آیت نہیں سمجھا گیا۔

ذرا غور کرو کیا کشتی نوح آیت الہی نہیں۔ غور سے معلوم ہوگا کہ وہ ضرور آیت ہے۔ ایک ایسے طوفان میں جس نے طوفان

زدہ رقبہ کے پہاڑوں کو بھی چھپا لیا ہو ایک معمولی کشتی کا بچ رہنا اس کی ساریوں کا جانیر ہونا جیسا کہ قبل ازیں ان کو یقین دلایا گیا تھا

حقیقت آیت ہے۔

کیا شب و روز کا وجود آیت نہیں؟ رات، اس کی تاریکی، اس کی دہشت، اس کا سکون، رات کو چرند و پرند انسان و حیوان کا طبعاً

استراحت پذیر ہو جانا کیا قدرت کا بڑا نشان نہیں؟ دن اس کی روشنی، اس کی جلی، اس کے اشغال، زندگی کی ہنگامہ آرائیاں، ہر جاندار شے

کا اپنے اپنے مسکن سے نکلنا، طلب روزی وغیرہ کا انتہاک کیا قدرت کا نشان نہیں؟

کیا انسان کا منی سے مخلوق ہونا آیت قدرت نہیں، انسان اپنے لیے ہر ایک چیز منی سے بناتا ہے یا ہر ایک چیز منی سے پاتا

ہے۔ معدنیات، فلزات، جوہرات، اینٹ، پتھر، سیم و زر، گھاس پات، رزق و فواکہ، مکان و ایوان سب کچھ منی ہی کے ہیں۔ اگر انسان خود منی

کا نہ ہوتا تو منی میں اس کے اتنے حقوق بھی نہ ہوتے۔

کیا بجلی کی چمک آیت نہیں؟ دن صاف نکھر اہوا ہے، ہوا انکی ہوئی ہے، اتنے ہی میں کون سی طاقت ہے جو چلتی ہوئی ہوا کو بند کر

دیتی ہے؟ سمت مقابل سے دوسری ہوا آتی ہے۔ وہ بادل کو ساتھ ساتھ لاتی ہے۔ بادل سورج کو چھپا لیتے ہیں۔ آباوی پر چھا جاتے ہیں

نکراتے ہیں، غراتے ہیں، گویا بیسیوں شیریں جو جنگل میں منگل بنا رہے ہیں۔ انسان کے بچے ہم رہے ہیں، دہل گئے ہیں، لوگ کاروبار

کو مختصر کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بجلی بھی کوند نے لگتی ہے، وہ چمکتی ہے تو سینکڑوں کوس تک روشنی پھیل

جاتی ہے۔ مسافر ڈرتا ہے اور زمین دار بے اختیار خوشی سے ہنس رہا ہے کہ اب خوب بر سے گا۔ ٹلڈ آئے گا، قحط ٹولے گا، قرض ادا ہوگا، بیٹے



ایک ہی چیز ہے جس نے خوف و طمع کے مختلف تاثرات پیدا کر دیے۔ اب وہی بجلی ہے جو ٹیلی گراف (Telegraph) میں کام کرتی ہے جو لاسکی اخبار کے لیے حجرہ میں آ بجلی ہے۔ وہی بجلی ہے جس نے روٹنٹن بن کر گوشت کے بیچے چھپے ہوئے اعصاب اور اشخوان کو آنکھ کے سامنے کر دیا ہے۔ ابھی معلوم نہیں کہ یہ کیا کیا نشان دکھائے گی اور کن کن علوم میں "آیت" بن کر درخشاں ہوگی۔

کیا اس زمین کا قیام آیت نہیں؟ اگر زمین کی حقیقت یہی ہے کہ وہ سورج میں سے ٹوٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے تو اس کا یہ عہد ماضی سورج ہی کا جزو اور جزو ہو کر گرم و درخشاں ہونا ضرور ایک نشان تھا اور پھر اس گرمی سے درخشندگی سے قطعی جدا ہو کر ایک اور صورت میں جلوہ گر ہو جانا ضرور دوسرا نشان ہے۔ کیا یہ نشان لائٹ سے سائپ اور سائپ سے لائٹ کے نشان سے کم ہے۔

کیا عالم بالا کا وجود اور اس وجود کا قیام آیت نہیں۔ ہزاروں ہزار ثوابت و سیار کا مقررہ دور، مقررہ انضباط کے ساتھ چلنا پھرنا، موسموں کا تغیر اور ٹیل و نبار کا انقلاب ظہور میں آنا کیا آیت نہیں؟

ہاں قدرت الہیہ کی ہر شے آیت ہے اور جب عوام کے اذہان افہام اسے آیت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں تو انبیاء کرام کے بیان سے ان کا آیت ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

مجھے ان سب معجزات کے تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں، جن کا ثبوت قطعی ہوا اگرچہ کسی سائنس دان کا فہم اس کی علت و اسباب کے سمجھنے میں عاجز بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات (غیر مادی) میں جس قدر خواص پیدا کیے ہیں۔ ان سب کا احاطہ نہ انسان سے ہو سکتا ہے اور نہ کبھی کسی انسان نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اسرار کائنات کا انکشاف کر دیتا ہے، وہ کیسا ویں تدبیر جو قلت کو کثرت سے بدل دے یا ہوا کو پانی بنا دے، ان کے علم و تجربہ میں ہوتی ہیں۔ نیز ان کا علم، تجربہ اور تدبیر اہل دنیا کی طرح آلات یا مشق یا تدبیر کی معلومات کا منت پذیر نہیں ہوتا۔

ہم یہ سب باتیں معجزات انبیاء کو قریب بہ فہم کے لیے کہہ رہے ہیں، لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ کُنْ فَيَكُونُ ارشاد کرنے والے کی طاقت اور قدرت انبیاء اللہ کی تائید و نصرت میں ہوتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی مقدس ہستی کا برگزیدہ بارگاہ ربانی کا ہونا عوام پر ثابت کر دے تب اسی طاقت و قدرت کو انبیاء اللہ کے توسط سے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اسی کو آیات الہی کہتے ہیں اور اسی کو معجزات۔ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے جو معجزات بروایات صحیحہ ثابت ہیں ان کا شمار بہت زیادہ ہے اور ہر ایک نبی کے معجزات سے ان کی تعداد بھی افزوں ہے اور قدرت میں بھی ان کا شان اعلیٰ ہے۔

ذیل میں چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کی ترقی ایمان کا موجب ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت بھی زیادہ دل نشین ہو جائے۔

میرا ارادہ معجزات پر ایک جداگانہ کتاب لکھنے کا ہے۔ اس وقت مختلف عنوانات کے تحت مختصر واقعات لکھ دینا کافی ہیں۔

## نَبْعُ الْمَاءِ..... پانی کا معجزہ

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَا عَشَرَ نَبِيعًا ۗ﴾  
 ”جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی سیرانی کے لیے دعا کی تو ہم نے کہا کہ پتھر کو اپنا عصا مارو۔ تب پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔“ [البقرہ: 60]

سورہ اعراف رکوع 20 میں بھی یہی مذکور ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورہ اعراف میں ﴿فَاسْبِغْ بِهَا﴾ ہے اور بقرہ میں ﴿فَاسْقِطْ﴾ ہے۔ لفظ انجاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانی پہلے تھوڑا تھوڑا نکلنے لگا تھا اور لفظ انجاس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پھر پانی خوب بہ نکلا تھا۔

آیات بالا سے یہ مستفیض ہے کہ جب پانی کا فقدان ہو اور ساتھ کی تمام جماعت پانی نہ ملنے کی وجہ سے زندگی اور آرام سے مایوس ہو جائے، تب لوگ نبی اللہ کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں اور اس وقت نبی اللہ کی دعا اور برکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پانی مل جایا کرتا ہے۔

توراة کی کتاب الخروج کے ملاحظہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بیابان سور میں تین دن تک سفر کرنے کے بعد رونما ہوا تھا۔ 15/21 خروج۔ کتاب مذکور میں 12 چشموں کا عصا نے موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے برآمد ہونا نہیں بتلایا گیا بلکہ ظاہر کیا ہے کہ مقام ایلیم میں ان کو وہ جگہ مل گئی جہاں پانی کے بارہ (12) چشمے اور سبز درخت کھجور کے تھے۔ خروج۔

اہل اسلام میں جو لوگ معجزات کی تاویلات کرنے میں مشاق ہیں انھوں نے معجزہ موسوی میں تاویل اس طرح کر دی کہ پہاڑ میں سے پانی کا رستا بہتا ایک معمولی امر ہے۔ کسی چشمہ کا اور سوت کا بیرونی رکاوٹوں سے بند ہو جانا بھی ایک معمولی بات ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر ملی زمین میں دبے ہوئے چشموں کا نشان بتلادیا۔ چشموں کو عصا سے پھر نکال لیا گیا اور چشمے بہنے لگے۔

یہ تاویل خواہ الفاظ قرآنی سے کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو مگر نبی معجزہ پھر بھی نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے ہدایت ملنا اور موسیٰ علیہ السلام کے فضل سے برکت کا ظاہر ہونا پھر بھی مسلمہ رہتا ہے۔

اب عہد سرور کائنات ﷺ کی فضیلت بھی آشکارا ہو جائے، پتھر ملی زمین کی جگہ اب گوشت پوست میں سے پانی کے نکلنے کا عجیب ترین معجزہ ظہور میں آتا ہے

واضح ہو کہ فوران ماء و فیضان آب کے واقعے نبی ﷺ کی ذات اقدس سے بار بار اور مختلف اسلوب سے ظہور میں آئے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے واقعات کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

محرم 7ھ

﴿۱﴾ جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں بصراحت مذکور ہے کہ ہم غزوہ ذات الرقاع اور وادی فح میں تھے کہ نبی ﷺ نے وضو کے لیے پانی

طلب فرمایا۔ جابر ذمومند آئے۔ لشکر میں ایک قطرہ پانی نہ ملا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے جابر رضی اللہ عنہ اس انصاری کے پاس پہنچے جو حضور ﷺ کے پینے کا پانی رکھا کرتے تھے۔ وہاں بھی دیکھا تو ایک پرانی مشک (شجب) کے دہان پر ایک قطرہ آب نظر آیا اور پس حکم دیا وہی لے آؤ۔ پھر کاشھ کا کٹہرہ منگایا گیا۔ نبی ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ انگلیاں پھیلا کر رکھ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق بسم اللہ کہہ کر وہ قطرہ آب اس بجزخا کے دست مبارک پر ڈال دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ کی یعنی شہادت ہے کہ سب انگلیوں میں سے پانی فوارہ وار نکلا۔ پانی نے لکڑی کے کٹہرے کو بھی چکر دے دیا۔ سب کو بلایا گیا اور سب نے سیرابی حاصل کی۔ جب حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا لیا تب بھی وہ کٹہرہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ ①

رحمۃ للعالمین جلد دوم کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس غزوہ میں چار سو غازی ہر کاب مصطفوی ﷺ تھے۔

### ذی قعدہ 6ھ

① صحیح بخاری میں جابر بن عبد اللہ الشہید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں نبی ﷺ نے وضو کیا۔ پانی ایک رکوہ (کوزہ) میں تھا۔ مسلمان اسے دیکھ کر ٹوٹ پڑے۔ نبی ﷺ نے پوچھا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ پانی نہ وضو کے لیے ہے نہ پینے کے لیے۔ بس یہی کوزہ آب ہے جو حضور ﷺ کے سامنے رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی کوزہ میں ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی حضور ﷺ کی انگلیوں میں سے پھوٹ پڑا اور تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ سب نے وضو بھی کر لیے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے سالم ابن ابی جعد کے سوال پر بتلایا کہ اس وقت ہم پندرہ سو (1500) تھے۔ یہ بھی کہا کہ اگر ایک لاکھ (100000) بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کو کفایت کر جاتا۔ ②

② مقام حدیبیہ ہی کا دوسرا واقعہ بھی جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ چونکہ حدیبیہ میں نبی ﷺ کا قیام ایک ہفتہ تک رہا تھا اس لیے جمع بین الاحادیث کے قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اول پہلے روز کا ہے۔ اس کے بعد پانی کی پھر ضرورت لاحق ہوئی۔ تب نبی ﷺ اس چاہ پر تشریف لے گئے جس کا نام حدیبیہ تھا اور یہ مقام اسی چاہ کے نام سے معروف تھا۔ چاہ کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ بخاری کی روایت بالا میں ہے: فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَفِيرِ الْبَيْتِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَضَمَّصَ وَمَجَّ لِي الْبَيْتِ فَحَمَمْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ اسْتَقْبَلْنَا۔ یعنی نبی ﷺ چاہ کی منڈیر پر آ بیٹھے پانی منگایا گلی کی اور چاہ میں ڈال دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم چاہ سے پانی لینے لگے اور سیراب ہوئے۔ ③

③ بڑھ ہزار (1500) کے لشکر کے لیے یہ مستقل انتظام تھا۔ امام بخاری نے اس واقعہ کو براہِ جلیلیہ سے بھی روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ثُمَّ إِنَّهَا أَصْدَرْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِثَابَنَا۔ ④

امام احمد رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ چاہ کا پانی اٹل پڑا۔ ہم سے آخری شخص چادر لے کر بھاگا کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور پھر یہ پانی بہ نکلا۔ ⑤



① مسلم: 1203/74؛ بخاری: 169,3575؛ ② بخاری: 4151,4150,3577؛ ③ بخاری: 4151,4150,3577

④ مسند احمد: 18148,18111؛ نزہۃ القلوب: 3508؛ مجمع الزوائد: 14105

﴿۱۱﴾ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم سفر میں تھے (معارض السنہ) میں اسے سفر توبہ بتایا گیا ہے) صبح کی نماز دن چڑھے پڑھی گئی کیوں کہ سب سوتے رو گئے تھے۔ مجھے نبی ﷺ نے آگے آگے چلنے کا حکم دیا ہم کو سخت پیاس لگی۔ راہ چلتے ہوئے ہم کو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی کے دو مشکیزے تھے اس سے معلوم ہوا کہ پانی اس گاؤں سے ایک دن ایک رات کی مسافت پر ہے۔ صحابہ اس عورت کو نبی ﷺ کے پاس لے گئے۔ وہاں عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ قیہوں کی ماں ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے مشکیزوں کو ہاتھ سے چھو دیا۔ فممسح عذرا وہن پانی بہ نکلا۔ چالیس (40) صحابہ نے جو سخت پیاس تھے سیر ہو کر پانی پی لیا اور مشکیزے جتنے ساتھ تھے وہ بھی بھر لیے۔ اونٹوں کو وہ پانی نہیں پایا۔ عمران رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس وقت وہ مشکیزے پانی سے ایسے بھرے دیکھے جاتے تھے گویا اب پھوٹ پڑیں گے۔ وَ هِيَ تَكَادُ تَنْفُضُ مِنَ الْمَاءِ۔

اس عورت نے گھر جا کر لوگوں سے کہا کہ میں سب سے بڑے جاوگر سے مل کر آئی ہوں یا اسے نبی کہنا چاہیے، جیسا کہ اس کے ساتھیوں کا یقین ہے۔

اس عورت کی اس اطلاع پر یہ دور افتادہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور وہ بھی اسلام لے آئے۔ ﴿۱۲﴾

عجب معجزہ ہے کہ دیکھنے والی اس وقت غیر مسلمہ ہے اور حضور ﷺ کا ذکر اَمْحَسُّ النَّاسِ کے لفظ کے ساتھ کرتی ہے مگر سننے والی تو فوراً اس نتیجے پر پہنچ جاتی ہے کہ حرم میں یہ طاقت کہاں کہ پیاس سے سیر بھی ہو جائیں اور مشک مشکیزے بھی پر کر لیں۔

سحر تو صرف نظر بندی کا نام ہے۔ ساحر قوت سحر بریم (Mysmerism) سے ناظرین کی قوت متخلیہ پر اور نظر پر اثر ڈالتا ہے اور ایسا معمول کسی شے کو اس کی حقیقت کے خلاف کچھ اور شے سمجھنے اور دیکھنے لگ جاتا ہے۔ یہ تغیر صرف دیکھنے والے معمول کی نگاہ اور تخیل پر ہوتا ہے ورنہ وہ شے جو اس کی توں اپنی اصلیت پر موجود ہوتی ہے۔ سحر کی قریب تر مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک رسی کو اندھیرے میں سانپ سمجھ لیتا ہے اور اپنی سمجھ کی وجہ سے اس پر آثار خوف و ہراس وغیرہ ویسے ہی طاری ہو جاتے ہیں جیسے اصل سانپ کی موجودگی سے ہوتے۔ حالانکہ وہ رسی ہی ہوتی ہے اور اس ڈر پوک پر وہ بذات خود کسی طرح متاثر نہیں ہوتی۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں حقیقت اصل یہ ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نبی کو ساحر سے بلند و ارفع و اعلیٰ اور پاک و برتر ثابت کرتی ہے۔

قرآن مجید میں ساحران مویٰ کا قصہ موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فن میں کمال رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاءَ وَبِسُحْرِ عَظِيمٍ﴾ [الاعراف: 116] اب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سحر عظیم کیا تھا؟

﴿فَإِذَا جِبَالُهُمْ وَعَصِيْبُهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى﴾ [نمل: 66]

”ان کی رسیاں اور ان کی لائٹھیاں ان کے سحر کی وجہ سے دوڑتی ہوئی خیال کی جاتی تھیں۔“

ساحروں کی اس نمائش کا نتیجہ کیا ہوا ﴿وَأَسْتَرْهَبُوهُمْ﴾ [الاعراف: 116] ”لوگوں کو ڈرا دیا۔“ بس ساحروں کی سب سے

﴿۱﴾ یہ قوم نژاد سے ہیں اور قسطنطنیہ صحابہ میں سے ہیں، مشہور میں مسلمان ہوئے اور 8، 5ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔ ﴿۲﴾ بخاری: 344-3571

پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے وہ اپنا عصا پھینک دیتے ہیں۔ وہ اثر دہا بن جاتا ہے اور جاوید گروں کی سب لائٹیاں اور رسیوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ اگر معجزہ موسوی کی حقیقت صرف اتنی ہی ہوتی کہ وہ عصا صرف ساحروں کی نگاہ میں اثر دہا نظر آنے لگ جاتا ہے تو ساحروں کے دلوں پر بھی اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا فرعون کے دل پر ہوا تھا یعنی: **اللَّهُ لَكَيْسٌ مُّكْمٌ** (یہ تمہارا بڑا اگر وہ ہے) مگر ساحر تو فوراً سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام ان رسیوں اور لائٹیوں کو ہڑپ کر جانے کا تھا اور صرف خشک ہی نہ تھا بلکہ حقیقتاً تھا اور بہترین صداقت رکھتا تھا۔ اسی اصلیت پر فائز ہو جانے کے بعد وہ ساحر لوگ جھٹ سحر سے تائب ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا۔ وہ انکشاف حقیقت کے بعد فرعون کی پھانسی سے ڈرے اور نہ دست و پا کی قطع و برید کا عذاب ان کو اسلام سے مرتد کر سکا۔ رحمت الہیہ کو دیکھیے کہ یہ ساحر میدان مقابلہ میں آئے تھے۔ اس وقت بارگاہ روحانیت کے مقہورہ مخدول تھے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد آستان رحمانیت کے منظور و مقبول بن گئے تھے۔ یہی حال اس عورت اور اس کے قبیلہ کا ہوا جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے۔ حدیث بالا کو صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے ہم نے بخاری کے الفاظ کو یہاں لیا ہے۔

تہجی کی روایت میں اس قدر اور مترا ہے کہ راویان حدیث کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اس طرف کو جاؤ۔ تمہیں ایک ایسی عورت ملے گی۔ اندر میں صورت یہ روایت نہ صرف ایک معجزہ پر بلکہ ایک اور پیش گوئی پر بھی (جو قسم مجزہ سے ہے) مشتمل ہے۔

⑤ صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نماز کا وقت آ گیا۔ جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ گھروں میں جا کر وضو کر آئے، جو باقی رہ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتھر کے پیالہ میں پانی لایا گیا، وہ اتنا چھونا تھا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا ہاتھ نہ پھیل سکتا تھا۔ اسی پانی سے 80 سے زیادہ لوگوں نے وضو کیا۔ ①

② تہجی کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ میں اپنی چار انگلیاں ڈالی تھیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ انگلیوں سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ یہ واقعہ مقام قبا کا ہے۔ ②

③ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت مقام زوراء کی بابت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میں ہاتھ رکھ دیا اور پیچھے مبارک سے پانی بہ نکلا۔ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں کی تعداد تین سو (300) کس تھی۔ ③

④ صحیح بخاری میں ایک روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی ایسی ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں ہاتھ رکھ دیا اور پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے پھوٹ نکلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے فرمایا: **حَسْبِيَ عَالِي الطُّهُورِ الْمُبَارِكِ وَالسُّرُكَةُ مِنَ اللَّهِ** ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پانی سے سب ہی نے وضو کر لیا تھا۔ ④

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو طہورہ مبارک فرمایا ہے۔ علمائے امت کا اتفاق ہے کہ برکت و عزت میں آب زمزم سے بڑھ کر وہ پانی تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکلا تھا۔ ایسے ہی واقعات اور بھی ہیں اور روایات کی خصوصیتوں پر غور کرنے سے واضح

ہو جاتا ہے کہ انگشتان مبارک سے پانی پھوٹ پڑنے کے واقعات بار بار ہوئے بہ کثرت ہوئے۔ بے شک عرب جیسے گرم اور خشک ملک میں اور غزوات کے سفر ہائے طول و طویل میں اگر یہ معجزہ نہ ہوتا تو اس بے سرو سامانی کی حالت میں جو بے ہمد نبوی ﷺ کو اسلامی لشکروں میں پائی جاتی تھی ضرور تھا کہ مجاہدین ہلاک ہو گئے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس معجزہ کی مثال عہد موسوی میں نزول من اور حصول سلوی کی صورت میں پائی جاتی ہے، لیکن پھر بھی معجزہ نبوی ﷺ کا درجہ عہد موسوی کے معجزات سے اسی قدر زیادہ بڑھا ہوا ہے جس قدر بقائے حیات میں پانی درجہ طعام پر فائق ہے۔

میں یہ بھی عرض کروں گا کہ نبی ﷺ کے اس معجزہ اور اس خصوصیت لامتناہی کی خبر پر بھی انبیائے پیشین کے مبارک کلام میں دے دی گئی تھی۔

سعیاد میں ہے:

”خداوند خشک بیابانوں میں پانی کے چشمے بہائے گا۔“

ہم کو ان الفاظ کی تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فی الواقع ان خشک میدانوں میں جہاں پینے کو پانی نہ ملتا تھا نبع السماء کے معجزات متواترہ نے چشمے جاری کر کے دکھلا دیے تھے و اللہ الحمد۔

### دودھ کی برکت

پانی کے بعد جس شے کا درجہ ہے وہ دودھ ہے۔ شب معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے پیالے آسمان پر پیش کیے گئے اور حضور ﷺ نے ان میں سے دودھ کو پسند فرمایا اور خبریل امین علیہ السلام نے یہ نظارہ دیکھ کر کہا: اِخْتَصَرْتُ الْفِطْرَةَ حضور ﷺ نے فطرت کو پسند کیا۔ اسی لیے اسلام کو بھی دودھ کے ساتھ تشبیہ دی جایا کرتی ہے۔ [1] انسان کا ہر ایک بچہ دودھ سے پلا ہے، مگر ایک بچہ بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کی رضاعت شراب سے ہو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دودھ فطرت انسانی کا راز دار ہے۔

داعی ایمان و ہادی اسلام ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم پاک کے دودھ سے بھی پرورش کیا اور ان کے لب و کام کو معجزانہ دودھ سے بھی ذوق آشنا بنایا۔ ایسے واقعات بہت ہیں۔

[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ اور حضور ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی گزران کا کیا حال تھا؟ اس باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ جو معجزات نبوی ﷺ کی بھی مظہر ہے اور یہ حقیقت بھی ظاہر کرتی ہے کہ سرور کائنات و فخر موجودات ﷺ کی حیات طیبہ اس دنیا میں کسی زاہدانہ تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کے مارے کبھی ایسا ہوتا کہ جگر کو تھام کر زمین پر گر جاتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں سرراہ آ بیٹھا جہاں سے لوگ آ یا جا یا کرتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور میں نے ان سے قرآن پاک کی ایک آیت کی بابت دریافت کیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کچھ کھلا بھی دیں گے۔ وہ یونہی چلے گئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا عرض وہی تھی کہ کچھ کھانے کو دیں گے۔ وہ بھی یونہی چلے گئے۔ اتنے میں ابوالقاسم رضی اللہ عنہم تشریف

لائے مجھے دیکھ کر قسم فرمایا۔ میرے جی کی بات سمجھ گئے۔ میرے چہرہ کو تازہ کیا، ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ساتھ ساتھ چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے ہولیا۔ حضور ﷺ گھر میں گئے۔ وہاں حضور ﷺ نے پیالہ میں دودھ دیکھا۔ گھر والوں نے حضور ﷺ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا یہ ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جاؤ، اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ اہل صفہ وہ لوگ ہوتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ ہوتا تھا۔ جن کو کسی شخص کا کوئی سہارا نہ ہوتا یہ اَصْفَاءُ الْاِسْلَام (اسلام کے مہمان) ہوتے۔ نبی ﷺ کی سیرت پاک یہ تھی کہ کوئی صدقہ آتا تو سب کا سب ان کو دے دیتے تھے اور ہدیہ آتا تو ان کو اپنے ساتھ شامل فرمالتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا اہل صفہ میں اس دودھ کی حقیقت کیا ہوگی۔ اگر مجھے ہی مل جاتا مجھ میں کچھ سکت آ جاتی۔ اب دیکھیے اس میں کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں۔ یہی حالات تھے اور اطاعت اللہ اور رسول کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ میں سب کو بلا لایا۔ آ کر بیٹھ گئے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما یہ پیالہ لؤ اور سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے لیا۔ ہر ایک کو دینا جاتا تھا۔ جب ایک شخص پی پی کر سیراب ہو جاتا تب دوسرے کو وہی پیالہ دیتا تھا۔ اسی طرح سب سیر ہو گئے، تو میں نے آخر میں نبی ﷺ کے سامنے پیالہ پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے لے کر اسے دست مبارک پر رکھ لیا۔ مجھے دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اب تو میں رہ گیا یا تو رہ گیا۔ میں نے کہا حضور ﷺ صحیح ہے۔ فرمایا اچھا اب تو پی لے۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پی لیا فرمایا اور پیو۔ میں نے اور پی پھر حضور ﷺ یہی فرماتے رہے: پیو، پیو۔ آخر میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب تو گنجائش بالکل نہیں رہی۔ فرمایا لاؤ۔ پیالہ میں نے پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اللہ کا شکر کیا۔ بسم اللہ پڑھی اور پیالہ ختم کر دیا۔ ①

یہ حدیث تو ایک ہے لیکن آیات و علامات نبوت کی اتنی جامع ہے کہ دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں۔

- ① سرور عالم و عالمیان ﷺ کا گھر ہے اور اس میں جسمانی غذا نام و نشان کو بھی نہیں۔
- ② کسی نے ہدیہ کچھ بھیجا بھی ہے تو دودھ کا ایک پیالہ۔
- ③ پیالہ کتنا بڑا تھا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے کہ صرف ایک آدمی کے پی لینے کا۔
- ④ نبی ﷺ اتنی سی خوراک پر ان سب کو بلا لیتے تھے جو گھر بار کو بیچ کر جو اہل و عیال کو چھوڑ کر جو مال و منال سے مزہ موز کر دہستان نبوت میں پہنچ گئے تھے۔

یہ حالات و اخلاق محمدی ﷺ کے مظہر ہیں۔

- ④ اب آیات نبوت ملاحظہ ہوں کہ ایک شخص نے سیر ہو کر دودھ پیا اور پیالہ بھرا کا بھرا رہ گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک پیالہ حلف کرنا پڑا کہ اب گنجائش ہی نہیں رہی۔

- ⑤ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس پیالہ کو کوئی بڑی سے بڑی تعداد ختم کر سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔ لاکھ (100000) ہوتے تو کیا اور دس لاکھ (1000000) ہوتے تو کیا۔ سب ہی اس سے سیراب ہو سکتے تھے۔ اس پیالہ کو ختم کرنے کی طاقت بھی اسی میں تھی جس کی برکت و بکرم سے وہ چیز سب کے لیے کفایت کر گئی تھی۔

- ⑥ حدیث پر مکرر غور کرو کہ پیالہ ہاتھ میں لے کر اللہ کی حمد کی۔ یہی وہ چیز ہے جو تعلیم نبوت ﷺ کی روح رواں ہے۔

﴿7﴾ ممکن ہے کہ کوئی غیر نبی ایسے مجاہد کو دیکھ کر اپنی بڑائی کا خیال کر بیٹھے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسے ذاتی کمالات میں شمار کرنے لگے مگر اللہ کا نبی ہر وقت اپنے مالک و قادر کو یاد کیا کرتا اور جملہ عطیات کو اسی کی جانب سے قرار دیا کرتا تھا جس کی ربوبیت اس شکل میں جلوہ گر ہوتی تھی۔

﴿2﴾ سفر ہجرت میں نبی ﷺ کا گزر ام معبد عاتکہ بنت خالد بن خلید خزاعیہ کے خیمہ پر ہوا۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی اور خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتی۔ آئے گئے کو پانی پلاتی۔ کھجوریں وغیرہ فروخت کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضور ﷺ کے ساتھ پھلی نشست پر سوار تھے۔ دوسری سواری پر عامر بن لہب رضی اللہ عنہ تھے ﴿3﴾ یا ابن اریطہ رضی اللہ عنہ تھا۔ جو اس راہ کا واقف تھا اور اسے اجرت پر ساتھ لے لیا گیا تھا۔ یہ مبارک قافلہ اس خیمہ پر سنانے، آرام لینے کے لیے ٹھہر گیا۔ بڑھیا سے پوچھا گیا کہ اس کے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے۔ وہ بولی نہیں۔ اگر کچھ ہوتا تو میں خود پیش کر دیتی۔ (ان ایام میں قحط بھی سخت پڑا ہوا تھا)

ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد (قتیل اہلحما) ﴿4﴾ کا بیان ہے کہ خیمہ میں ایک دہلی کزور بکری کھڑی تھی۔ نبی ﷺ نے اس بکری کی بابت پوچھا۔ ام معبد نے جواب دیا کہ یہ کزور بہت ہے۔ ربوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس لیے یہاں رہ گئی۔ نبی ﷺ نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم اسے دھولیں۔ وہ بولی اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دھو لیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ایک بڑا برتن لاؤ۔ پھر بسم اللہ کہہ کر بکری سے دودھ نکالنا شروع کیا۔ برتن بھر گیا تو سب کو پلایا۔ دوبارہ دودھ نکالا، برتن بھر گیا تو دوبارہ پھر سب کو پلایا گیا۔ آخر نبی ﷺ نے یہاں سے بارہ دودھ نکالا اور گھر والوں کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ ﴿5﴾

آیت ثبوت نے دودھ پلایا اور خلق محمدی ﷺ نے بھی اپنا معجزہ دکھلایا کہ رفتائے راہ کو حضور ﷺ پہلے سیراب فرماتے ہیں اور خود سب کے بعد نوش جان فرماتے ہیں اور اہل خانہ کے لیے کافی ذخیرہ چھوڑتے ہیں۔

### تکثیر طعام

تکثیر طعام سے مراد وہ معجزہ ہے کہ تھوڑا سا طعام بہت کے لیے کافی ہو جائے۔ انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معجزہ کا ظہور مسیح علیہ السلام سے بھی ہوا۔ انھوں نے چار (4) روٹیوں اور تین (3) مچھلیوں سے بہت بڑی جماعت کو سیر کیا۔

نبی ﷺ کی آیات ثبوت میں بھی ایسے واقعات کا ذکر احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعہ خندق کے ایام میں میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے پیٹ کو ہاتھ رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اسی حالت میں حضور ﷺ اہل صفحہ کو سورہ نساء کی تعلیم دے رہے تھے۔ ﴿1﴾ انس رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ (شوہر والدہ) کو بتلایا۔ انھوں نے کچھ مزدوری کی اور جو حاصل کیے۔ ان کی والدہ نے ادھ سیر جو پیس لیے۔

﴿1﴾ یہ مقام تھے۔ اسلام لے آئے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو فریاد اور آواز کو دیا تھا۔ 4۔ کہ وہ واقعہ بدر میں شہید ہوئے ان کی لاش نہیں ملی۔  
 ﴿2﴾ حج مکہ کے دن یہ حبش اور کریمین جا رہے تھے۔ اس لیے ان دونوں کو قتل اہلحما کہتے تھے۔ ﴿3﴾ سیر اعلام النبلاء، 168/1، السیرۃ لابن کثیر، 258/2، مستدرک، 1139/3، دلائل النبوة للبیہقی، 2372-228/1، الاستیعاب، 4982-495/4، الخصائص الکبریٰ للسیوطی، 188/1، السیرۃ لابن ہشام، 225/2، طبقات ابن سعد، 330/1، النسب الاشراف، 262/1، وصحیحہ البیہقی و ابن عبد البر وابن شاہین وابن السکین والطبرانی وغیرہم (ترقائی جلد 1 ص 340)



روٹی پکائی کہ نبی ﷺ اکیلے تشریف لے آئیں تو بخوبی سیر ہو سکتے ہیں۔ ایک آدھ کوئی ساتھ آ گیا تب بھی کفایت سے کام چل جائے گا۔ انس رضی اللہ عنہ کو ماں باپ نے بھیجا۔ اچھی طرح سمجھا دیا کہ لوگوں کے سامنے کچھ نہ کہنا۔ جب حضور ﷺ اٹھ کر اندر گھر میں جانے لگیں تب عرض کر دینا کہ ہمارے ہاں تشریف لے چلے۔

انس رضی اللہ عنہ بچنے تو نبی ﷺ انبوه کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا تجھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا کھانے کے لیے۔ عرض کی ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگو! چلو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے لپک کر باپ کو اطلاع دی۔ اس نے بیوی سے کہا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تو پوری جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں۔

یہ خاتون بلند پایا سمجھی کہ کیا ہوگا۔ بولی: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ نبی ﷺ کو ابو طلحہ نے آگے بڑھ کر بتلا بھی دیا کہ ایک نکلیا موجود ہے۔ حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ (علہ) گھی کی کچی لے آؤ۔ کچی سے چند قطرے گھی کے نکلے۔ نبی ﷺ نے انگشت مبارک سے روٹی چیر دی۔ روٹی پھولنے لگی۔ برتن سے اونچی ہو گئی۔ نبی ﷺ نے مردانہ مکان کھلوایا۔ روٹی رکھ دی اور زبان سے فرمایا: بِسْمِ اللَّهِ الْعَظِيمِ فِيهَا الْبُرْسُكَةُ دَسْ دَسْ آدھی روٹی پر بیٹھتے جاتے اور سیر ہو کر اٹھتے جاتے تھے۔ اسی طرح اسی (80) شخصوں نے اس روز کھانا کھایا۔

2) جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد عزہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور بھاری قرض چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجور کی فصل آئی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ چلیں تاکہ قرض خواہ حضور ﷺ کو دیکھ کر مجھ سے رعایت کریں۔ فرمایا تم چلو۔ ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیریاں الگ الگ لگا دو۔ میں نے تعمیل کر دی۔ اتنے میں سرور عالم ﷺ آ گئے۔ حضور ﷺ نے بڑے ڈھیر کو تین بار پھر کر دیکھا اور بعد ازاں وہ ہیں بیٹھ گئے۔ فرمایا قرض خواہوں کو بلاؤ۔ وہ آ گئے تو ہر ایک کو ناپ ناپ کر حضور ﷺ نے کھجوریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ سب قرض وار پٹ گئے اور وہ ڈھیر مجھے جوں کا توں نظر آتا تھا۔ گویا ایک دانہ بھی اس میں سے کم نہیں ہوا۔

میں تو اسٹنے ہی پر خوش تھا کہ ساری پیداوار قرض خواہ لے لیں اور مجھے گھر لے جانے کو ایک کھجور بھی نہ ملے۔

3) صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب قرض داروں کو چکا دینے کے بعد پھر ایک یہودی بھی آ گیا۔ اس کا قرض 30 دینار کھجور کا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو ڈھیریاں باقی ہیں انھیں یہودی لے لے۔ یہودی نے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ ایک باران ڈھیروں میں سے گزر گئے پھر حکم دیا کہ یہودی کو ناپ کر دو۔ چنانچہ اس کے 30 دینار پورے ہو گئے اور 17 دینار ابھی اور بھی باقی رہ گئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ ڈھیروں میں سے ہو کر نکلے تھے میں تب ہی سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں برکت ڈال دے گا۔

4) صحیح مسلم میں ہے کہ ام مالک کے گھر ایک کچی تھی کی تھی۔ وہ اس میں سے نبی ﷺ کے لیے کچی نکال کر بھیجا کرتی تھی۔ اس کے بچے جب سائن مانگتے اور سائن نہ ہوتا تو اس کچی میں سے کچی نکال کر ان کو دیا کرتی۔ تو یہی طریقہ جاری رہا۔ ایک روز ام مالک نے اس کچی کو نچوڑ لیا۔ بعد ازاں اس میں سے کچی نہ نکلا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَوْ تَرْتَحِيهَا مَا زَالَ قَانَسًا۔

ٹانیا: ”اگر تم نچوڑ نہ لیتیں تو اس میں سے ہمیشہ کھی پایا جاتا۔“

(5) ابن ابی شیبہ اور احمد اور طبرانی اور ابن سعد نے خباب رضی اللہ عنہ کی نبی سے روایت کیا ہے کہ ان کا والد جہاد پر چلا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آتے اور بکری کا دودھ دھو جاتے۔ گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خباب رضی اللہ عنہ واپس آ گئے انھوں نے دودھ نکالا تو اتنا ہی نکلا جتنا پہلے اس بکری کا ہوا کرتا تھا۔ (1)

(6) صحیح بخاری میں عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک سفر میں 30 افراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ جب منزل پر اترے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے۔ ایک صحابی کے پاس قریباً دو سیر آنا تھا۔ وہ گوند لیا گیا۔ پھر ایک شخص ریوڑ لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ اس سے ایک بکری خرید لی گئی۔ بکری کی بلیگی آگ پر بھون لی گئی اور سب حاضرین کو تقسیم کر دی گئی۔ بعد ازاں وہی بلیگی دو برتنوں میں ڈالی گئی۔ سب نے اسے سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی دو ختم نہ ہوئی تو اسے ہم نے اونٹ پر رکھ دیا۔ (2)

## نباتات پر اثر

### حنین جذع

حنین لغت میں مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں کہ جو فراق محبوب میں اس کے منہ سے نکلے۔ جذع مجبور کے کٹے ہوئے تنہا کو کہتے ہیں۔ ہم اس جگہ جس روایت کا اندراج کرنے والے ہیں اسے دو اہل حدیث میں سے صحیح بخاری صحیح مسلم صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان اور مسند شافعی و مسند احمد و سنن نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و مستدرک حاکم و بیہقی و طبرانی اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں اس روایت و روایت یحییٰ کے بیان کرنے والے: سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (المتوفی 19ھ) و جابر بن عبد اللہ اشہد رضی اللہ عنہ (المتوفی 72ھ) و خادم الرسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ (المتوفی 92ھ) و عاشق السنہ عبد اللہ بن عمر الفاروق (المتوفی 73ھ) و ابن عم النبی عبد اللہ بن عباس (المتوفی 88ھ) و اہل بن سعد الساعدی (المتوفی 91ھ) و ابوسعید سعد بن مالک الحدادی (المتوفی 78ھ) و بریدہ بن الخطاب السلمی (63ھ) و امام المومنین ام سلمہ (المتوفی 59ھ) اور مطلب بن ابورواحہ القرظی رضی اللہ عنہم میں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی تو شروع شروع میں کوئی منبر نہ تھا۔ (3) نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت مجبور کے خشک نڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد تقسیم داری رضی اللہ عنہ (4) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کر با قوم نجار سے جو ایک انصاریہ کے غلام تھے منبر تیار کرا لیا۔ وہ تین زینہ کا تھا۔ یعنی دو زینے اور تیسری نشست کی جگہ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب پہلی دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ شروع فرمایا اور مجبور کا نڈ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹیک لگانے کی عزت سے محروم رہ گیا۔ تب اس سے آواز گریہ آئی شروع ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ صَاحِبِ النَّخْلَةِ صَاحِبِ الصَّبِيِّ (یعنی وہ بچوں کی طرح چلایا) اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: سَمِعْنَا لِذَلِكَ الْجَذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعَشَارِ (دس ماہہ حاملہ اونٹنی کی سی آواز ہم نے اس کی سنی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے، اس پر دست شفقت رکھا تو دو چپ کر گیا۔ (5)

(1) ابن کثیر: 2/112، و اہل البیوہ اللیبی: 136/6 (2) بخاری: 5382، 2216 (3) منبر: آواز بلند کرنا منبر آواز بلند کرنے کی جگہ۔ (4) تقسیم بن اوس بن خادج۔ و اراکب قبیلہ بن عجم کا قبیلہ ہے۔ قبل از اسلام یہ یہ سائی عالم تھے۔ (5) بخاری: 3585، 3584، 2095، 918

ابن ابی حاتم نے کتاب مناقب الشافعی [1] میں درج کیا ہے کہ امام شافعی نے ایک دفعہ فرمایا ہمارے نبی ﷺ نے جو عطیات عطا فرمائے تھے وہ کسی نبی کو نہیں ملے۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء موتی [2] کے بالمقابل حضور ﷺ کو کیا عطا ہوا تھا؟ امام نے فرمایا کہ حسین جندب کا واقعہ موجود ہے جس کا ترجمہ قرآن (روایت نسائی) اور روایا چلانا (بروایت صحیحین وغیرہم) سے ثابت ہے۔

[1] محمد بن ادریس القرشی اطمس کے ازاد تبار ہیں، ولادت 150ھ و وفات 202ھ۔ مصر میں مدفون ہیں۔ الزور سے نسب جملہ ائمہ دین کے اندر نبی ﷺ سے سب سے قریب تر ہیں۔ [2] ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس معجزہ نمائی کی طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ ہاڈن اللہ کی مردہ کا احیاء فرمائیں۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں ہے: (الواحسی الموصی صادق اللہ) اب یہ بات رو جاتی ہے کہ کبھی سملا اس کا تمہور بھی ہوا۔ عالم ائمتہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا۔

① عاذر بن کادوست جسے تین دن کے بعد قبر سے نکالا۔ ② ایک بڑھیا کا بیٹا جس کا بیٹا زولے جا رہے تھے اور لوگوں کے کدھوں سے اتر کر گھر آ گیا۔ ③ ایک چوٹی کے حصول لینے والے کی بیٹی، ایک دن کی مری ہوئی گھر میں پڑ ہی تھی۔ ④ ام بن نوح۔ واضح ہو کہ صاحب معالم القبول نے اس روایت کو باسند روایت کیا ہے۔ ابنہ احمد بن حنبل کے نزدیک سابقہ اعتبار ہے۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مصنفین انہیں ازبہ نے بھی ایسا کوئی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درج کیا ہے یا نہیں۔

(الف) اھل زکا ذکر صرف انجیل یوحنا میں ہے۔ وہ اس عورت کا بھائی ہے جس نے مسیح علیہ السلام کے قدموں پر قدرتی عطر انجیل دیا تھا۔ یوحنا کہتا ہے کہ یہ واقعہ یوحنا سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہوا تھا اور اسی وقت مشہور ہو گیا تھا۔ تب جب کہ مصنفین انجیل دیگر سے یہ واقعہ کیوں کر پوشیدہ رہا۔

(ب) بڑھیا کے بیٹے کا ذکر انجیل میں مطلق نہیں۔ (ج) ابن عباس کی روایت میں جسے بنت العاشر کہا ہے اس کا ذکر لوہا قبرس نے کیا ہے اور اسے عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی بتلایا ہے۔ انجیل نگار لکھتے ہیں کہ سردار کے گھر سے اطلاع آئی کہ لڑکی مری اور مسیح علیہ السلام نے کہا کہ وہ نہیں مری۔ مسیح علیہ السلام ان کے گھر گیا۔ لوگ اور بھی تھے۔ مسیح علیہ السلام نے لڑکی کو دیکھ کر کہا کہ وہ نہیں مری۔ لڑکی کو فرمایا کہ وہ اٹھ بیٹھے۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ ہم مسلمان مسیح علیہ السلام کے دست کے لفظ کوچ لکھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ لڑکی نہ مری تھی بلکہ اس پر سکنت یا ضعف طاری ہو گیا تھا اور مسیح علیہ السلام کی برکت سے اس نے شفا پائی۔

(د) سام بن نوح کے زندہ کرنے کا قصہ بھی انجیل میں نہیں۔ میرا مقصود انجیل کے ان حوالہ جات کا اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی قوت احیاء موتی پر انجیل خاموش ہیں اور اصرار شہادت اور روایت اور تواتر میں بڑھا ہوا واقعہ شہن جندب ہے۔

ہاں انجیل کی صحت سے زیادہ صحت اور ثبوت وہی روایت ہمارے دواوین میں بھی موجود ہے۔ جسے طبرانی اور ابوصمیم وابن مندہ اور ابن ابی الدینانے ائس بن ماکٹ سے روایت کیا ہے اس روایت کو امام ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب میں اور قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں اور قسطلانی نے سوابب اللہ فیہ میں درج کیا ہے کہ زید بن خارجہ کا بچہ خلافت عثمان ذوالنورین راہ طے ہوئے گزر کر انتقال ہو گیا تھا۔ عصر کے وقت ان کے کوچ میں سے مرد اٹھا گیا اور گھر پہنچا گیا۔ مغرب و مشاہد کا درمیانی وقت تھا۔ ان کی آواز سر پر رگی ہوئی تھی۔ کپڑا ہوا تھا۔ گھر کی عورتیں جمع تھیں کہ انھیں انھیں صواری آواز آئی سب پوکے ہو گئے کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ دیکھا تو کپڑے کے نیچے سے آواز آ رہی ہے۔ مرد و عورت جمع ہو گئے۔ زید کے چہرہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا تو انھوں نے مندرجہ ذیل کلام کیا:

محمد [3] رسول اللہ النبی الامی و خاتم النبیین کان ذلک فی الکتاب الاول صدق صدق۔ السلام علیک یا رسول اللہ و رحمته و برکاتہ یا محمد احمد فی الکتاب الاول۔ ابو بکر ن لصدیق الضعیف فی نفسه القوی فی امر اللہ فی الکتاب الاول صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاول صدق صدق عثمان غنی منہاجہ مضت الاربع و بقی سنان انت الفتن و کل الشدید الضعیف قامت الساعۃ و سبائکم خیر بیراریس و ما بیراریس۔ [4]

"اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں وہ نبی الای ہیں اور انھیں علیہ السلام کو شرم کر دینے والے ہیں۔ سچ لوج محفوظ میں اسی طرح ہے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر اللہ کا صلہ و سلام اور برکتیں ہوں۔ میں اللہ کی حمد کتاب اول میں کرتا ہوں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم میں کزور عمر اللہ کے حکم میں بہت مضبوط۔ کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ لوج عمر رضی اللہ عنہ قوی مضبوط اور امین ہے۔ کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ لوج عثمان لھیک راستہ پر تھے۔ چار سال اکل گئے اور وہ گئے تھے اور مضبوط کزور کاکل جانا آ پہنچا۔ قیامت قائم ہوگی۔ تم کو چاہو اور میں کی خبر ملے گی۔ خبر بھی یہی کچھ۔"

واضح ہو کہ اس روایت کی صحت اندراجات انجیل سے ضرور بڑھ کر ہے۔ زید بن خارجہ، باپ بیٹا دونوں صحابی رضی اللہ عنہما اور سرداران انصار میں سے ہیں۔ فقہ۔

[3] ان الفاظ کو شرح شفا و معنی لفظی صحری اور کتاب الاستیعاب سے نقل کیا گیا ہے۔  
[4] اس واقعہ میں بھی ایک پیش گوئی موجود ہے جسے چاہو اور میں کا واقعہ بتلایا ہے۔ نبی ﷺ کی آگشت پاک کی خاتم مبارک حضور ﷺ کے بعد صدیق رضی اللہ عنہ اور صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد فاروق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ذوالنورین رضی اللہ عنہ (درج بدیدہ) انتقال خلافت کے بعد پہنچا کرتے تھے۔ آخرا یام خلافت میں ذوالنورین رضی اللہ عنہ چاہو اور میں پر بیٹھے ہوئے تھے وہ خاتم اس میں گزری اور شہادت کرنے سے بچ کر نہ ملی۔ اسی دن سے اختلاف خلافت کا آغاز ہوا۔ اسد الغابہ: 345/2

راقم عرض کرتا ہے کہ احيائے موتی سے مراد جسم موتی میں اس وقت حیات کا اعادہ ہے۔ جو شخص میت میں پہلے کبھی حاصل تھی۔ مگر گر یہ نخل تو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ یعنی ایک نباتی جسم کے اندر ایک ایسی صفت کا پیدا ہو جانا جو خاص انسانی صفت ہے۔ یہ انسانی صفت نہ صرف تھر تھرا نا، کپکپانا اور رونا ہے بلکہ فراق محبوب کا احساس اور نقد ان شرف کا علم بھی اس کے اندر حاصل ہے۔ بلکہ یہ تو ایک عاشقانہ رنگ ہے جو ایک کججور کے نڈ میں نظر آیا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تو کہا کرتے تھے، اے دعوی داران بشر! نظر اقر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نڈ کا یہ حال تھا تو اب اپنی حالتوں کا بھی اس سے مقابلہ کرو۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس واقعہ کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ و دیگر محدثین کرام نے مشہور و متواتر تسلیم کیا ہے۔ میرا فہم ناقص یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نڈ کو فون کر دینا غالباً اسی لیے تھا کہ وہ صفات انسانی کا مظہر بن گیا تھا۔ اس نکتہ کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل میں اور زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

### حیوانات پر اثر

① مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گیا تھا۔ میرا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا اور چل نہ سکتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے راہ میں مل گئے۔ پوچھا اونٹ کو کیا ہے؟ میں نے کہا: بیمار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو ڈانٹا اور دعا بھی فرمائی، وہ سب سے آگے چلے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کر دیا کہ اب وہ اچھا ہے اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا حاصل کیا ہے۔۔۔ ②

② مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بلایا اس نے حاضر ہو کر کہا کہ میری اونٹنی ایسی ہو گئی ہے کہ مجھے حاضر ہونے میں دیر لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کے ایک ایرنگائی، وہ سب سے آگے نکلے لگی۔ ③

③ مسند احمد میں خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت ہے کہ خباب رضی اللہ عنہ جہاد پر گئے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبر گیری فرماتے اور ہماری بکریاں دھو جاتے اور گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ کا بھر جاتا۔ جب خباب رضی اللہ عنہ واپس آگئے تو بکریوں کا دودھ بھی اتنا رو گیا۔ جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔ ④

④ بیہقی نے عمیل سے روایت کی ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میرے پاس ایک کمزور و بلیسی گھوڑی تھی اور میں سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آٹے۔ فرمایا گھوڑی والے چلو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو دہلی بھی ہے اور کمزور بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چابک اسے لگایا اور یہ الفاظ بھی زبان سے فرمائے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهٗ فَيْهٖمَا۔ پھر تو وہ ایسی تیز ہو گئی کہ مجھے اس کی لگام سنبھالنا اور سب سے آگے نکل جانے سے روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ بعد ازاں میں نے اس کے شکم کے دس چھڑے بھی فروخت کیے۔ ⑤

⑤ ابن سعد ابو یعلیٰ برادر ابن مندہ، بیہقی و ابو نعیم اور حاکم نے (مع الصحیح) سفینہ رضی اللہ عنہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے کہ انھوں نے بحری سفر کیا۔ کئی ٹوٹ گئی اور ایک تخت پر بہتے ہوئے ایک ساحل پر پہنچ گئے۔ جس کے ساتھ جنگل تھا۔ اس میں شیر تھے۔ ایک شیر میری طرف آیا، میں نے کہا او شیر! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، شیر دم بلانے لگا اور میرے برابر برابر چلنا ہوا مجھے رستہ پر ڈال گیا۔ جب میں اس سے الگ ہوا تو وہ دوھاڑتا تھا گویا مجھے رخصت کر رہا تھا۔ ⑥

① امام حسن بصری ابوسعید، ابواسمن، یسار نام ولادت 21ھ وفات کیم رجب 110ھ۔ ② بخاری: 2097، مسلم: 1089، ابن حبان: 7143، نسائی: 299/7۔

③ بخاری: 2969، 2867، مسلم: 2307/48۔ ④ ابن کثیر: 102/2، دلائل النبوة للذہبی: 138/6۔ ⑤ کنز العمال: 35384، الطبرانی: 315/2۔

⑥ الذہبی: 46/6، مستدرک حاکم: 606/3۔

### افلاک پر اثر اور معجزہء شق قمر

نبی ﷺ کے اشرع معجزات میں سے شق قمر کا معجزہ ہے۔ کفار نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد ﷺ سے اس کی صداقت کا کیا نشان طلب کرنا چاہیے انہوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلاوے۔ امید ہے کہ محمد ﷺ کچھ نہ دکھلا سکے گا۔ انہیں کی سکھلاؤٹ سے کفار نے شق قمر کا سوال کیا تھا۔ ①

احادیث شق القمر کے راوی عبداللہ بن مسعود، امیر المؤمنین علی المرتضیٰ، جبیر بن مطعم، نوفلی، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہیں۔ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

إِنْشَقَّ الْقَمَرَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُونَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِشْهَدُوا ②

”رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک گزرا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا اس سے نیچے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو، گواہ رہنا۔“

اس روایت میں لفظ إِشْهَدُوا اس لیے ہے کہ شق قمر کا وقوع طلب کفار کے بعد بطور معجزہ رسول اخیار واقع ہوا تھا۔ ورنہ تاکید شہادت کے کیا معنی؟

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں ہے:

إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ شِقَّتَيْنِ حَتَّى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا ③

اہل مکہ (کفار) نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے نبی ﷺ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھلایا، اس کے دو ٹکڑے تھے۔ کوہ حرا ان دونوں کے درمیان تھا۔

صحیحین کی ایک روایت عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ یعنی انْفَلَقَ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب چاند پھٹا ہے تو اس وقت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مع دیگر صحابہ کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ④

علی الحدادی بھی اور ابو نعیم نے جو روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ ہم مکہ میں تھے جب شق قمر کا واقعہ ہوا۔ ⑤

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اجلہ صحابہ جنی اللہ عنہم میں تین بزرگوں سیدنا علی و عبداللہ بن مسعود و جبیر بن مطعم نوفلی جنی اللہ عنہم کی شہادت چشم دید ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت مرسل صحابی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ ہر دو احتمال ہو سکتے ہیں اور غالب ظن یہ ہے کہ ① مسلم: 2802، 163/3، ترمذی: 3286، بخاری: 3636، ابن ماجہ: 3636، ترمذی: 3285، 7074، 7072، 3869، بخاری: 7077، 7076، 3868، 3637، مسلم: 3869، بخاری: 7072، 3636، 3637، 3638، 3639، 3640، 3641، 3642، 3643، 3644، 3645، 3646، 3647، 3648، 3649، 3650، 3651، 3652، 3653، 3654، 3655، 3656، 3657، 3658، 3659، 3660، 3661، 3662، 3663، 3664، 3665، 3666، 3667، 3668، 3669، 3670، 3671، 3672، 3673، 3674، 3675، 3676، 3677، 3678، 3679، 3680، 3681، 3682، 3683، 3684، 3685، 3686، 3687، 3688، 3689، 3690، 3691، 3692، 3693، 3694، 3695، 3696، 3697، 3698، 3699، 3700، 3701، 3702، 3703، 3704، 3705، 3706، 3707، 3708، 3709، 3710، 3711، 3712، 3713، 3714، 3715، 3716، 3717، 3718، 3719، 3720، 3721، 3722، 3723، 3724، 3725، 3726، 3727، 3728، 3729، 3730، 3731، 3732، 3733، 3734، 3735، 3736، 3737، 3738، 3739، 3740، 3741، 3742، 3743، 3744، 3745، 3746، 3747، 3748، 3749، 3750، 3751، 3752، 3753، 3754، 3755، 3756، 3757، 3758، 3759، 3760، 3761، 3762، 3763، 3764، 3765، 3766، 3767، 3768، 3769، 3770، 3771، 3772، 3773، 3774، 3775، 3776، 3777، 3778، 3779، 3780، 3781، 3782، 3783، 3784، 3785، 3786، 3787، 3788، 3789، 3790، 3791، 3792، 3793، 3794، 3795، 3796، 3797، 3798، 3799، 3800، 3801، 3802، 3803، 3804، 3805، 3806، 3807، 3808، 3809، 3810، 3811، 3812، 3813، 3814، 3815، 3816، 3817، 3818، 3819، 3820، 3821، 3822، 3823، 3824، 3825، 3826، 3827، 3828، 3829، 3830، 3831، 3832، 3833، 3834، 3835، 3836، 3837، 3838، 3839، 3840، 3841، 3842، 3843، 3844، 3845، 3846، 3847، 3848، 3849، 3850، 3851، 3852، 3853، 3854، 3855، 3856، 3857، 3858، 3859، 3860، 3861، 3862، 3863، 3864، 3865، 3866، 3867، 3868، 3869، 3870، 3871، 3872، 3873، 3874، 3875، 3876، 3877، 3878، 3879، 3880، 3881، 3882، 3883، 3884، 3885، 3886، 3887، 3888، 3889، 3890، 3891، 3892، 3893، 3894، 3895، 3896، 3897، 3898، 3899، 3900، 3901، 3902، 3903، 3904، 3905، 3906، 3907، 3908، 3909، 3910، 3911، 3912، 3913، 3914، 3915، 3916، 3917، 3918، 3919، 3920، 3921، 3922، 3923، 3924، 3925، 3926، 3927، 3928، 3929، 3930، 3931، 3932، 3933، 3934، 3935، 3936، 3937، 3938، 3939، 3940، 3941، 3942، 3943، 3944، 3945، 3946، 3947، 3948، 3949، 3950، 3951، 3952، 3953، 3954، 3955، 3956، 3957، 3958، 3959، 3960، 3961، 3962، 3963، 3964، 3965، 3966، 3967، 3968، 3969، 3970، 3971، 3972، 3973، 3974، 3975، 3976، 3977، 3978، 3979، 3980، 3981، 3982، 3983، 3984، 3985، 3986، 3987، 3988، 3989، 3990، 3991، 3992، 3993، 3994، 3995، 3996، 3997، 3998، 3999، 4000، 4001، 4002، 4003، 4004، 4005، 4006، 4007، 4008، 4009، 4010، 4011، 4012، 4013، 4014، 4015، 4016، 4017، 4018، 4019، 4020، 4021، 4022، 4023، 4024، 4025، 4026، 4027، 4028، 4029، 4030، 4031، 4032، 4033، 4034، 4035، 4036، 4037، 4038، 4039، 4040، 4041، 4042، 4043، 4044، 4045، 4046، 4047، 4048، 4049، 4050، 4051، 4052، 4053، 4054، 4055، 4056، 4057، 4058، 4059، 4060، 4061، 4062، 4063، 4064، 4065، 4066، 4067، 4068، 4069، 4070، 4071، 4072، 4073، 4074، 4075، 4076، 4077، 4078، 4079، 4080، 4081، 4082، 4083، 4084، 4085، 4086، 4087، 4088، 4089، 4090، 4091، 4092، 4093، 4094، 4095، 4096، 4097، 4098، 4099، 4100، 4101، 4102، 4103، 4104، 4105، 4106، 4107، 4108، 4109، 4110، 4111، 4112، 4113، 4114، 4115، 4116، 4117، 4118، 4119، 4120، 4121، 4122، 4123، 4124، 4125، 4126، 4127، 4128، 4129، 4130، 4131، 4132، 4133، 4134، 4135، 4136، 4137، 4138، 4139، 4140، 4141، 4142، 4143، 4144، 4145، 4146، 4147، 4148، 4149، 4150، 4151، 4152، 4153، 4154، 4155، 4156، 4157، 4158، 4159، 4160، 4161، 4162، 4163، 4164، 4165، 4166، 4167، 4168، 4169، 4170، 4171، 4172، 4173، 4174، 4175، 4176، 4177، 4178، 4179، 4180، 4181، 4182، 4183، 4184، 4185، 4186، 4187، 4188، 4189، 4190، 4191، 4192، 4193، 4194، 4195، 4196، 4197، 4198، 4199، 4200، 4201، 4202، 4203، 4204، 4205، 4206، 4207، 4208، 4209، 4210، 4211، 4212، 4213، 4214، 4215، 4216، 4217، 4218، 4219، 4220، 4221، 4222، 4223، 4224، 4225، 4226، 4227، 4228، 4229، 4230، 4231، 4232، 4233، 4234، 4235، 4236، 4237، 4238، 4239، 4240، 4241، 4242، 4243، 4244، 4245، 4246، 4247، 4248، 4249، 4250، 4251، 4252، 4253، 4254، 4255، 4256، 4257، 4258، 4259، 4260، 4261، 4262، 4263، 4264، 4265، 4266، 4267، 4268، 4269، 4270، 4271، 4272، 4273، 4274، 4275، 4276، 4277، 4278، 4279، 4280، 4281، 4282، 4283، 4284، 4285، 4286، 4287، 4288، 4289، 4290، 4291، 4292، 4293، 4294، 4295، 4296، 4297، 4298، 4299، 4300، 4301، 4302، 4303، 4304، 4305، 4306، 4307، 4308، 4309، 4310، 4311، 4312، 4313، 4314، 4315، 4316، 4317، 4318، 4319، 4320، 4321، 4322، 4323، 4324، 4325، 4326، 4327، 4328، 4329، 4330، 4331، 4332، 4333، 4334، 4335، 4336، 4337، 4338، 4339، 4340، 4341، 4342، 4343، 4344، 4345، 4346، 4347، 4348، 4349، 4350، 4351، 4352، 4353، 4354، 4355، 4356، 4357، 4358، 4359، 4360، 4361، 4362، 4363، 4364، 4365، 4366، 4367، 4368، 4369، 4370، 4371، 4372، 4373، 4374، 4375، 4376، 4377، 4378، 4379، 4380، 4381، 4382، 4383، 4384، 4385، 4386، 4387، 4388، 4389، 4390، 4391، 4392، 4393، 4394، 4395، 4396، 4397، 4398، 4399، 4400، 4401، 4402، 4403، 4404، 4405، 4406، 4407، 4408، 4409، 4410، 4411، 4412، 4413، 4414، 4415، 4416، 4417، 4418، 4419، 4420، 4421، 4422، 4423، 4424، 4425، 4426، 4427، 4428، 4429، 4430، 4431، 4432، 4433، 4434، 4435، 4436، 4437، 4438، 4439، 4440، 4441، 4442، 4443، 4444، 4445، 4446، 4447، 4448، 4449، 4450، 4451، 4452، 4453، 4454، 4455، 4456، 4457، 4458، 4459، 4460، 4461، 4462، 4463، 4464، 4465، 4466، 4467، 4468، 4469، 4470، 4471، 4472، 4473، 4474، 4475، 4476، 4477، 4478، 4479، 4480، 4481، 4482، 4483، 4484، 4485، 4486، 4487، 4488، 4489، 4490، 4491، 4492، 4493، 4494، 4495، 4496، 4497، 4498، 4499، 4500، 4501، 4502، 4503، 4504، 4505، 4506، 4507، 4508، 4509، 4510، 4511، 4512، 4513، 4514، 4515، 4516، 4517، 4518، 4519، 4520، 4521، 4522، 4523، 4524، 4525، 4526، 4527، 4528، 4529، 4530، 4531، 4532، 4533، 4534، 4535، 4536، 4537، 4538، 4539، 4540، 4541، 4542، 4543، 4544، 4545، 4546، 4547، 4548، 4549، 4550، 4551، 4552، 4553، 4554، 4555، 4556، 4557، 4558، 4559، 4560، 4561، 4562، 4563، 4564، 4565، 4566، 4567، 4568، 4569، 4570، 4571، 4572، 4573، 4574، 4575، 4576، 4577، 4578، 4579، 4580، 4581، 4582، 4583، 4584، 4585، 4586، 4587، 4588، 4589، 4590، 4591، 4592، 4593، 4594، 4595، 4596، 4597، 4598، 4599، 4600، 4601، 4602، 4603، 4604، 4605، 4606، 4607، 4608، 4609، 4610، 4611، 4612، 4613، 4614، 4615، 4616، 4617، 4618، 4619، 4620، 4621، 4622، 4623، 4624، 4625، 4626، 4627، 4628، 4629، 4630، 4631، 4632، 4633، 4634، 4635، 4636، 4637، 4638، 4639، 4640، 4641، 4642، 4643، 4644، 4645، 4646، 4647، 4648، 4649، 4650، 4651، 4652، 4653، 4654، 4655، 4656، 4657، 4658، 4659، 4660، 4661، 4662، 4663، 4664، 4665، 4666، 4667، 4668، 4669، 4670، 4671، 4672، 4673، 4674، 4675، 4676، 4677، 4678، 4679، 4680، 4681، 4682، 4683، 4684، 4685، 4686، 4687، 4688، 4689، 4690، 4691، 4692، 4693، 4694، 4695، 4696، 4697، 4698، 4699، 4700، 4701، 4702، 4703، 4704، 4705، 4706، 4707، 4708، 4709، 4710، 4711، 4712، 4713، 4714، 4715، 4716، 4717، 4718، 4719، 4720، 4721، 4722، 4723، 4724، 4725، 4726، 4727، 4728، 4729، 4730، 4731، 4732، 4733، 4734، 4735، 4736، 4737، 4738، 4739، 4740، 4741، 4742، 4743، 4744، 4745، 4746، 4747، 4748، 4749، 4750، 4751، 4752، 4753، 4754، 4755، 4756، 4757، 4758، 4759، 4760، 4761، 4762، 4763، 4764، 4765، 4766، 4767، 4768، 4769، 4770، 4771، 4772، 4773، 4774، 4775، 4776، 4777، 4778، 4779، 4780، 4781، 4782، 4783، 4784، 4785، 4786، 4787، 4788، 4789، 4790، 4791، 4792، 4793، 4794، 4795، 4796، 4797، 4798، 4799، 4800، 4801، 4802، 4803، 4804، 4805، 4806، 4807، 4808، 4809، 4810، 4811، 4812، 4813، 4814، 4815، 4816، 4817، 4818، 4819، 4820، 4821، 4822، 4823، 4824، 4825، 4826، 4827، 4828، 4829، 4830، 4831، 4832، 4833، 4834، 4835، 4836، 4837، 4838، 4839، 4840، 4841، 4842، 4843، 4844، 4845، 4846، 4847، 4848، 4849، 4850، 4851، 4852، 4853، 4854، 4855، 4856، 4857، 4858، 4859، 4860، 4861، 4862، 4863، 4864، 4865، 4866، 4867، 4868، 4869، 4870، 4871، 4872، 4873، 4874، 4875، 4876، 4877، 4878، 4879، 4880، 4881، 4882، 4883، 4884، 4885، 4886، 4887، 4888، 4889، 4890، 4891، 4892، 4893، 4894، 4895، 4896، 4897، 4898، 4899، 4900، 4901، 4902، 4903، 4904، 4905، 4906، 4907، 4908، 4909، 4910، 4911، 4912، 4913، 4914، 4915، 4916، 4917، 4918، 4919، 4920، 4921، 4922، 4923، 4924، 4925، 4926، 4927، 4928، 4929، 4930، 4931، 4932، 4933، 4934، 4935، 4936، 4937، 4938، 4939، 4940، 4941، 4942، 4943، 4944، 4945، 4946، 4947، 4948، 4949، 4950، 4951، 4952، 4953، 4954، 4955، 4956، 4957، 4958، 4959، 4960، 4961، 4962، 4963، 4964، 4965، 4966، 4967، 4968، 4969، 4970، 4971، 4972، 4973، 4974، 4975، 4976، 4977، 4978، 4979، 4980، 4981، 4982، 4983، 4984، 4985، 4986، 4987، 4988، 4989، 4990، 4991، 4992، 4993، 4994، 4995، 4996، 4997، 4998، 4999، 5000، 5001، 5002، 5003، 5004، 5005، 5006، 5007، 5008، 5009، 5010، 5011، 5012، 5013، 5014، 5015، 5016، 5017، 5018، 5019، 5020، 5021، 5022، 5023، 5024، 5025، 5026، 5027، 5028، 5029، 5030، 5031، 5032، 5033، 5034، 5035، 5036، 5037، 5038، 5039، 5040، 5041، 5042، 5043، 5044، 5045، 5046، 5047، 5048، 5049، 5050، 5051، 5052، 5053، 5054، 5055، 5056، 5057، 5058، 5059، 5060، 5061، 5062، 5063، 5064، 5065، 5066، 5067، 5068، 5069، 5070، 5071، 5072، 5073، 5074، 5075، 5076، 5077، 5078، 5079، 5080، 5081، 5082، 5083، 5084، 5085، 5086، 5087، 5088، 5089، 5090، 5091، 5092، 5093، 5094، 5095، 5096، 5097، 5098، 5099، 5100، 5101، 5102، 5103، 5104، 5105، 5106، 5107، 5108، 5109، 5110، 5111، 5112، 5113، 5114، 5115، 5116، 5117، 5118، 5119، 5120، 5121، 5122، 5123، 5124، 5125، 5126، 5127، 5128، 5129، 5130، 5131، 5132، 5133، 5134، 5135، 5136، 5137، 5138، 5139، 5140، 5141، 5142، 5143، 5144، 5145، 5146، 5147، 5148، 5149، 5150، 5151، 5152، 5153، 5154، 5155، 5156، 5157، 5158، 5159، 5160، 5161، 5162، 5163، 5164، 5165، 5166، 5167، 5168، 5169، 5170، 5171، 5172، 5173، 5174، 5175، 5176، 5177، 5178، 5179، 5180، 5181، 5182، 5183، 5184، 5185، 5186، 5187، 5188، 5189، 5190، 5191، 5192، 5193، 5194، 5195، 5196، 5197، 5198، 5199، 5200، 5201، 5202، 5203، 5204، 5205، 5206، 5207، 5208، 5209، 5210، 5211، 5212، 5213، 5214، 5215، 5216، 5217، 5218، 5219، 5220، 5221، 5222، 5223، 5224، 5225، 5226، 5227، 5228، 5229، 5230، 5231، 5232، 5233، 5234، 5235، 5236، 5237، 5238، 5239، 5240، 5241، 5242، 5243، 5244، 5245، 5246، 5247، 5248، 5249، 5250، 5251، 5252، 5253، 5254، 5255، 5256، 5257، 5258، 5259، 5260، 5261، 5262، 5263، 5264، 5265، 5266، 5267، 5268، 5269، 5270، 5271، 5272، 5273، 5274، 5275، 5276، 5277، 5278، 5279، 5280، 5281، 5282، 5283، 5284، 5285، 5286، 5287، 5288، 5289، 5290، 5291، 5292، 5293، 5294، 5295، 5296، 5297، 5298، 5299، 5300، 5301، 5302، 5303، 5304، 5305، 5306، 5307، 5308، 5309، 5310، 5311، 5312، 5313، 5314، 5315، 5316، 5317، 5318، 5319، 5320، 5321، 5322، 5323، 5324، 5325، 5326، 5327، 5328، 5329، 5330، 5331، 5332، 5333، 5334، 5335، 5336، 5337، 5338، 5339، 5340، 5341، 5342، 5343، 5344، 5345، 5346، 5347، 5348، 5349، 5350، 5351، 5352، 5353، 5354، 5355، 5356، 5357، 5358، 5359، 5360، 5361، 5362، 5363، 5364، 5365، 5366، 5367، 5368، 5369، 5370، 5371، 5372، 5373، 5374، 5375، 5376، 5377، 5378، 5379، 5380، 5381، 5382، 5383، 5384، 5385، 5386، 5387، 5388، 5389، 5390، 5391، 5392، 5393، 5394، 5395، 5396، 5397، 5398، 5399، 5400، 5401، 5402، 5403، 5404، 5405، 5406، 5407، 5408، 5409، 5410، 5411، 5412، 5413، 5414، 5415، 5416، 5417، 5418، 5419، 5420، 5421، 5422، 5423، 5424، 5425، 5426، 5427، 5428، 5429، 5430، 5431، 5432، 5433، 5434، 5435، 5436، 5437، 5438، 5439، 5440، 5441، 5442، 5443، 5444، 5445، 5446، 5447، 5448، 5449، 5450، 5451، 5452، 5453، 5454،

وہ بھی چشم دید راوی ہیں۔ کیوں کہ ان کے آخری لفظ یہ ہیں: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللَّهُمَّ اشْهَدْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (کہ میں نے کفار کو یہ نشان دکھلا دیا ہے۔) [1]

### اس معجزہ کی توثیق

قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾ [القمر: 1-2]

”وقت آ گیا اور چاند پھٹ گیا اور کفار جب کوئی بڑا نشان دیکھتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا رہا ہے۔“

علماء جانتے ہیں کہ قرب کی بجائے اِقْتَرَبَتْ کا استعمال وقوع کی تاکید کے لیے ہے السَّاعَةُ سے مراد خواہ قیامت ہے اور شق قمر جیسے واقعات اس تغیر عظیم کے قریب ہونے کی خبر دینے والے ہیں جیسا کہ شمس و قمر اور نجوم و کواکب اور جبال و ارض سب کے سب ہی تلف ہو جائیں گے۔

خواہ السَّاعَةُ سے مراد وقت مقررہ ہے جو علم الہی ہی واقعہ شق قمر کے لیے تھا۔ اس معنی کا اطلاق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل

آیات سے ثابت ہے۔

﴿لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً﴾ [نہس: 45] ﴿مَّا لَبِثُوا إِلَّا سَاعَةً﴾ [احقاف: 35] لیکن ان مقالات پر معارف بالام نہیں۔

شہ کرنے والے بیان شہ سے نہیں چوکا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ دراصل قمر میں انشقاق نہ ہوا تھا بلکہ روایت انس رضی اللہ عنہ میں لفظ اَرَاهُمْ واقع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کی آنکھوں کو چاند کا دو ٹکڑوں میں ہو جانا دکھلایا گیا تھا۔

کاش یہ لوگ اسی روایت میں اور اسی لفظ اَرَاهُمْ سے پہلے کے الفاظ مَسَالُوا اَنْ يُّرِيَهُمْ آيَةً لَوْ كَيْفَ لَيْتَ! کیا کفار کا سوال بھی یہی تھا کہ ”چاند خواہ شق ہو یا نہ ہو، مگر ہم کو شق شدہ نظر آ جائے۔ یقیناً ان کا یہ سوال نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ لہذا اَرَاهُمْ تو اس یُسْرِيَهُمْ کے وقوع کی اطلاع ہے۔

دوسروں کا شہ یہ ہے کہ یہ تو زمان مستقبل کے متعلق اطلاع ہے کہ چاند پھٹ جائے گا لیکن اِقْتَرَبَتْ اور اِنْشَقَّ دونوں لفظ ماضی کے ہیں۔

اور مزید برآں خود کفار نے اسے دیکھ کر بِسْحَرٍ مُّسْتَمِرٍّ کہا ہے۔ اگر اس کا تعلق مستقبل سے ہوتا تو وہ اس واقعہ کو سحر مستمر سے کیوں تعبیر کرتے۔

الغرض شک و شبہ کے شہات پیدا کرنے کے بعد بھی واقعہ ہذا بکمال صحت ثابت ہے۔

پرانے زمانے کے متشکک جو دقیقاً نوسی بیعت سے روشنی گیر تھے۔ خرق و التیام، اجرام سماوی کے امکان و عدم امکان پر بھی بحث کیا کرتے تھے۔ لیکن اب نہ تو ان کی وہ زمین باقی ہے اور نہ آسمان اس لیے وہ اعتراضات بھی پاؤں ہو ہو گئے۔

کاش ان لوگوں کو زلزلہ ارضی سے سبق ملتا کہ کس طرح زلزلہ کے جھٹکے سے ہموار زمین میں غار پڑ جاتے ہیں اور کیوں کروہی غار

[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے 73ھ میں مہر 86 سال انتقال کیا۔ یعنی ان کی عمر ابتدائے ہجرت کے وقت 13 سال کی تھی۔ ان کا اسلام اپنے والد کے ساتھ 6 نبوت میں تھا اور واقعہ شق قمر 9 نبوت کا ہے۔ لہذا شہادت چشم دید ہے۔

ہم کو اپنے زمانہ میں جو اعتراض سننا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر چاند پھٹ گیا ہوتا تو کیا ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور نہ ہوتا۔

ہندوؤں کا اعتراض تو صحیح ہوتا ہے ان کے ہاں تواریخ کی کتابیں بھی پائی جاتیں جس ملک میں سرے سے کوئی تاریخ ہی موجود نہ ہو جہاں واقعات ملک و قوم کی کوئی یادداشت موجود نہ ہو، ان کو دوسرے ملک کی بابت کہنا کہ ہماری کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کہاں تک زریا ہو سکتا ہے۔

مصریوں کو دیکھو یہ بھی تہذیب قدیم کے بلند دعاوی میں ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں مگر ان کی کتابوں میں واقعات موسیٰ علیہ السلام کا کہیں نشان نہیں ملتا جس ملک کی تاریخ ایسے ایسے واقعات ارضی سے خالی ہو۔ ان سے یہ توقع کہ ان کے ہاں جملہ واقعات سماوی بھی ضروری درج ہونے چاہئیں کیوں کر درست ہو سکتی ہے۔

ہاں یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھیے کہ وہ کتاب بیسورج 12/10 کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

”یسوع نے کہا! اے آفتاب جیون پر ٹھہرا رہ اور اے ماہتاب تو واہی ابلوں کے مقابل 10/13 تب آفتاب نے درنگ کیا اور ماہتاب کھڑا رہا یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا۔“  
10/13 قریب دن بھر کے سورج چپخم کی طرف مائل نہ ہوا۔“

کیوں جناب سورج اور چاند کا 12 گھنٹے کے لیے اپنی رفتار سے رک جانا کس قدر عجیب ہے۔ شق القمر کا واقعہ تورات کا تھا۔ ہزاروں مقامات پر لوگ سو رہے ہوں گے۔ ہزاروں انسان گھروں کے اندر ہوں گے۔ لیکن سورج کا 12 گھنٹے رک جانا تو سارے جہاں میں تہلکہ ڈال دینے والی بات تھی۔ مگر اس کا ذکر یسوع کی معاصر کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملتا اور ہاں ہم آپ اس واقعہ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر آپ ہم آپ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعات کے 9 بجے وقوع پزیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے اوقات کیا تھے؟ ①

نام ملک	گھنٹے	منٹ	نام ملک	گھنٹے	منٹ
ہندوستان	12	50-شب	انگلستان آئرلینڈ فرانس	6	دن
ماریشس	12	20-شب	بلجیم، سپین، پرتگال	6	دن
رومانیہ بلغاریا امریکی یونان	8	20-دن	جبل الطارق، البجیریا	6	دن

① یہ نقش اوقات سینڈرز نام کے حساب سے ہے۔

جرمنی 1940ء، ڈنمارک	8	20-دن	جر و تھام، جریمہ، بھاسن	1	20-نیم شب
سوئڈن	8	20-دن	امریکہ	1	// // //
آئیس لینڈ-ڈیریا	5	20-دن	سوا	6	20-دن
مشرقی برازیل	2	20 بعد نیم شب	نیوزی لینڈ	6	50-دن
متوسط برازیل و چلی	2	20-20	تسمانیہ، کوئوریہ، نیوساؤتھ	5	22 صبح
برٹش کولمبیا	10	20 قبل دوپہر	جنوبی آسٹریلیا	4	50 صبح
کولون	9	// // 24	جاپان-کوریہ	4	20 بعد دوپہر
برہما	1	50 بعد نیم شب	مغربی آسٹریلیا، شمالی یورینو	3	// // 20
سال لینڈ ڈنمارک	10	20 شب	جزائر فلپائن، ہانگ کانگ	3	// // 20
ریاستہائے ملایا	2	// // 20	چین	3	// // 20
جزائر سنڈوک	7	50-دن			

### معجزات کی قسم دوم

یعنی اطلاع اخبار مستقبلہ و واقعات آئندہ

عہد مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ [النہل: 34] "کسی شخص کو بھی یہ پتا نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کیا کرے گا۔"

علم غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے ﴿لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [البقرہ: 26] رب العالمین ہی اپنے گزیدہ انبیاء و رسل پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے جس کی ان کو ضرورت ہوگی یا جس کی ضرورت ان کی صداقت و رسالت کا یقین دلانے کے لیے پائی گئی۔

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِۦٓ اٰتًا مِّنْ اَرْضِ مَن رَّسُوْلٍ﴾ [الحج: 27-28]

"وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے وہ خوش ہو۔"

معجزات مادی کا انکار کرنے والے اور شکوک و اہام کے دام میں گرفتار تو بہت پائے جاتے ہیں مگر اخبار مستقبلہ کی اطلاع صحیح کی تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے لہذا یہ بھی معجزات میں داخل و شامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک اظہار اخبار غیب کا درجہ بڑا ہے۔

صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ نزل وحی سے پیشتر حضور ﷺ پر رویائے صادقہ کا باب کھولا گیا تھا۔ حضور ﷺ پر نور جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے، بیداری میں وہ واقعہ اسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔ ﴿انبیاء علیہم السلام کے رویا کو دیگر اکابر صالحین کے رویا پر یہی فوقیت ہے کہ انہوں نے خواب تمثیلی رنگ میں بھی ہوتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام کا



رہا میں جلوہ حقیقت ہوتا ہے۔ ذبح پسر کے متعلق امام الخلائق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں: ﴿يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ [الصافات: 102] ”پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تم غور کرو کہ اس میں تمہاری رائے کیا ہے؟“

خلیل الرحمن علیہ السلام کا فرزند ذبح اللہ علیہ السلام کا منصب پانے والے کا آرزو مند نبی بنی جو اب دیتا ہے

﴿يَا بَيْتِ افْعَلْ مَا تَأْمُرُ﴾ ”بزرگ باپ جو حکم آپ کو ملا اس پر عمل کیجیے۔“

غور کرو کہ صورت مرثیہ منام کا نام انہوں نے امر الہی رکھا ہے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ٹھیک اسی صورت کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک خواب کا ذکر سورہ الفتح میں فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِينَ مُحِلِّينَ رُؤُوسِكُمْ

وَمُقَصِّرِينَ﴾ [الفتح: 27]

”اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کو پوری حقانیت کے ساتھ پورا کر دیا کہ تم ان شاء اللہ کعبہ میں داخل

ہو گے۔ اس وقت بعض مسلمانوں نے سر منڈائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے بال کٹوائے ہوئے۔“

یہاں بھی مسجد الحرام اور حلق و قصر اپنے اصلی معنی میں تھے۔

خواب کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مشاہدات اور علامات ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر دنیا کو

مطلع فرمایا ہے۔ عنوان بالا کے تحت ہم ایسے ہی واقعات کا ذکر بالا اختصار کرتے ہیں۔

اطلاع اخبار مستقبلہ

(1) حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بات جو قیامت تک

ہونے والی تھی بیان فرمادی۔ جسے یاد ہے اسے یاد ہے، جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ میرے سامنے بھی جب وہ ایسا واقعہ آجاتا ہے جو میں بھول

چکا تھا تو اسے دیکھتے ہیں سمجھ جاتا ہوں۔ جیسے ہم کسی شخص کو بھول جایا کرتے ہیں اور پھر اس کا منہ دیکھ کر اسے پہچان لیا کرتے ہیں (2)

صحیح مسلم بروایت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت بالا کے متعلق یہ مزید صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد نماز ظہر تک خطبہ

فرمایا۔ نماز پڑھ کر پھر خطبہ شروع کر دیا۔ غروب شمس تک یہی ہوتا رہا۔ اس خطبہ میں واقعات تاقیامت کا ذکر فرمایا تھا جسے وہ خطبہ زیادہ

مختصر فرمایا ہے وہ ہم میں سے زیادہ عالم ہے۔ (3)

جہاز بحری کی اطلاع

(4) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے وجہ پوچھی، فرمایا: مجھے میری امت کے وہ غازی دکھلائے گئے جو سمندر میں جہاد کے لیے

سفر کریں گے۔ وہ اپنے جہازوں پر ایسے بیٹھے ہوں گے جیسے ملوک اپنے اپنے تخت پر نشست کرتے ہیں۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی میرے

لیے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر دی اور پھر لیٹ گئے۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے

فرمایا: مجھے میری امت کے دوسرے غازی جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے دکھلانے گئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے کہا، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔ فرمایا نہیں تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بحری جہاد کو گئے تو یہ ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر کیساتھ گئیں۔ غزوہ سے واپسی کے وقت ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے سواری لائی گئی، وہ سوار ہونے لگیں تو جانور نے لات ماری اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا۔ ﴿۱﴾

### پیش گوئی

﴿۱﴾ صحیح بخاری میں عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فاتح کی شکایت کی، دوسرا آیا اس نے ذکیتوں کی شکایت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”کہ اے عدی رضی اللہ عنہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی، وہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتی ہوگی۔“ (میں نے اپنے دل میں کہا کہ طے کے ذکیت کدھر چلے جائیں گے، جنھوں نے تمام بستیوں کو اجاڑ رکھا ہے۔ پھر فرمایا: ”اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو جا کھولو گے۔“ میں نے پوچھا کیا کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا: ”ہاں کسریٰ بن ہرمز۔“ پھر فرمایا: ”اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تو دیکھ لے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا سونا اور چاندی لیے ہوئے پھرے گا اور اسے کوئی نہ ملے گا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔“

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھا لیا جو کوئٹہ سے اکیلی حج کو آئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ تھا اور خزان کسریٰ کی فتح میں بھی شامل تھا۔ تیسری بات بھی تم اے لوگو! دیکھ لو گے۔ ﴿۲﴾

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہو گئی کہ زکوٰۃ دینے والے کو تلاش سے بھی کوئی فقیر نہ ملتا تھا اور وہ اپنا مال گھر واپس لے جایا کرتا تھا۔

### پیش گوئی متعلق فتوحات ممالک

﴿۲﴾ تہائی رضی اللہ عنہما نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا اور بہت سخت پتھر نکل آیا جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ہم نے نبی ﷺ سے یہ حال عرض کیا حضور ﷺ نے پتھر کو دیکھا کدال کو ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی۔ ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ أَيُّهَا أُعْطِيتُ مَقَاتِيحَ النَّسَارِيسِ وَاللَّهُ لَا بُصْرَ قَصْرَ الْمَمْدَانِينِ الْأَبْيَضِ (مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں)۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر پھر ٹوٹ گیا پھر فرمایا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَقَاتِيحَ الشَّامِ (مجھے ملک شام کے خزانے اور کنجیاں عطا کی گئیں)۔ بعد ازاں نے وہاں کے سرخ سرخ محلات کو بھی دیکھ لیا ہے۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور سارا پتھر چکنا چور کر دیا اور فرمایا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَقَاتِيحَ الْيَمَنِ وَاللَّهُ أَيُّهَا لَا بُصْرَ أَبْوَابِ صُنْعَاءَ مِنْ مَكِّيَّةِ السَّاعَةِ“ (مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ واللہ! میں یہاں سے اس وقت شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔“ ﴿۳﴾ یہ پیش گوئی اس وقت فرمائی تھی جب مدینہ پر کفار کے عساکر

﴿۱﴾ بخاری: 2788، احمد: 423/6، اسد الغابہ: 305/7، بخاری: 1413، 3595، شرح السنہ: 5/31، سنن الترمذی: 3176، ابوداؤد: 4302،  
 دلائل النبوة والجنہ: 421/3، سنن الکبریٰ للبخاری: 65/2، ابن ہشام: 173/3

عمل آ رہا ہے تھے اور ان سے بچاؤ کے لیے شہر کے گردا گرد خندق کھودی جا رہی تھی ایسے ضعف کی حالت میں اتنے ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبی ہی کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرف بہ حرف پورا فرمایا۔

## فتح مصر کی پیش گوئی

﴿نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ أَرْضًا يُذَكِّرُ فِيهَا الْفَيْرَاطُ قَاسَتْهُ صُورًا بِأَهْلِهَا خَيْرًا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا فَإِذَا رَأَيْتَهُمْ رَجَلَيْنِ بَقَاتِلَانِ عَلَى مَوْضِعٍ لَيْسَ فَاخْرَجَ مِنْهَا. ﴿۱﴾

”تم عتق رب اس ملک کو فتح کر لو گے جہاں سکہ قیراط ہے۔ تم وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا کیوں کہ ان کو ذمہ اور رحم کے حقوق حاصل ہیں (پھر ابو ذر سے فرمایا) جب تم دیکھو گے کہ دو شخص ایک اینٹ برابر کی زمین پر جھگڑ رہے ہیں تب وہاں سے چلے آنا۔“ ابو ذر رضی اللہ عنہما نے فتح مصر کو بھی دیکھا اور وہاں بود و باش بھی اختیار کی اور یہ بھی دیکھا کہ (ربیعہ اور عبدالرحمن بن شریحیل) اینٹ برابر زمین کے لیے جھگڑ رہے ہیں تب یہ وہاں سے چلے بھی آئے۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ لَهُمْ ذِمَّةٌ وَرَحِمًا کی تفسیر بیہقی و ابونعیم کی حدیث عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما میں موجود ہے کہ باجرہ ام اسماعیل رضی اللہ عنہما اور مار یہ قبطیہ رضی اللہ عنہما ام ابراہیم بن رسول اللہ رضی اللہ عنہما مصر یہ ہیں۔ حدیث بیہقی و ابونعیم میں ملک مصر کا نام صراحۃ ہے۔

## ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیش گوئی

﴿نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْعَتِ الْعِرَاقَ دِرْهَمَهَا وَفَيْبِزَهَا وَمَنْعَتِ الشَّامُ مَدَهَا وَدِينَارَهَا وَمَنْعَتِ الْمِصْرُ أَوْدَنْهَا وَدِينَارَهَا وَعَدْتُمْ مِنْ حَيْثُ بَدَأْتُمْ. ﴿۲﴾

”عراق نے اپنے درہم و فقیر کو شام نے اپنے مد و دینار کو اور (مصر نے) اپنے اودب و دینار کو روک لیا اور تم ویسے کے ویسے رہ گئے جیسے شروع میں تھے۔“ □

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں صیغہ ماضی کا استعمال فرمایا۔ حالانکہ اس کا تعلق عہد مستقبل سے تھا اس لیے کہ حکم الہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا تھا۔

حدیث بالا اس زمانہ کے متعلق پیش گوئی ہے، جب مدینہ منورہ میں خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا اور دمشق میں سلطنت امویہ کا قیام ہو گیا تھا کہ پھر حجاز میں ان ممالک سے مالیہ نہ پہنچ سکے اور نہ پہنچ سکے جس سے بھی حجاز کو حاصل نہ ہوا۔ یہ پیش گوئی اب تک بارہ صدیوں سے اسی طرح چلی آتی ہے۔

﴿۱﴾ مسلم: 6493، 6494، کنز العمال: 31767، دراکل السنن: 321/2، سنن ابی نعیم: 206/9، ﴿۲﴾ مسلم: 7277، ابوداؤد: 3035، احمد: 262/2، فقیر مد اور اودب اناج کے پیمانے ہیں۔ فقیر بکوک کا مد اور 1/13 رطل یا اجیرل بعض 2 رطل کا اور اودب 24 صاع کا ہوتا ہے۔ جمع اناج۔

پیش گوئی کہ شہنشاہ ایران کے نکلن سراقہ اعرابی کو پہنائے جائیں گے

(۱) نبی ﷺ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

كَيْفَ يَلِكُ إِذَا لَيْسَتْ سَوَارِي كَسْرِي.

”تیری کیا شان ہوگی جب تجھے کسری کے نکلن پہنائے جائیں گے۔“

بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس فتح ایران کے مال غنیمت میں کسری کے نکلن پہنچے تو انھوں نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہما کو بلایا اور اسے وہ نکلن پہنائے جو سراقہ کے بازوؤں کے اوپر تک پہنچے۔

فاروق رضی اللہ عنہما نے نکلن پہننا کر زبان سے کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے کسری بن ہرمل سے جو اپنے آپ کو رب الناس کہلاتا تھا یہ نکلن چھین لیے اور آج سراقہ رضی اللہ عنہما بن مالک اعرابی مدنی کو پہنائے۔ (۱)

امام شافعی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ یہ نکلن سراقہ رضی اللہ عنہما کو تہی اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی تعمیل میں پہنائے گئے تھے۔

حدیث بالا کے مختصر فقرہ پر غور کرو جو تین پیش گوئیوں پر مشتمل ہے:

① خلافت فاروق رضی اللہ عنہما کی صداقت پر جس نے نبی اللہ کے ارشاد کو پورا کیا۔

② فتح ایران کو۔

③ فتح ایران تک سراقہ کے زندہ رہنے پر۔ کتاب الاستیعاب سے واضح ہے کہ سراقہ نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ یعنی فتح ایران سے

صرف چند سال بعد وہ زندہ رہے۔

معجزات قسم سوم

اب ایسی پیش گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا اندراج کتب احادیث میں پہلے سے ہو چکا تھا اور ان کتب کو عالم اسلام میں تداول بین الناس اور اشاعت نام کا درجہ حاصل تھا، پھر ان پیش گوئیوں کا ظہور دنیا کے سامنے بعد میں ہوا۔

اس سے ثابت ہوگا کہ ایسی پیش گوئیوں کی نسبت تصنع یا ساخت کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا نیز ان سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ

قرب قیامت کی علامات و شرائط جن احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں اور جن کا ظہور آج 1348ھ تک نہیں ہوا۔ ان کا ظہور بھی یقیناً

اپنے اپنے اوقات پر (جو علم الہی میں مقرر ہے) اپنے ظاہری الفاظ اور کمال تطابق کے ساتھ بصیرت افزاے مؤمنین ہوگا۔

393 سال پیشتر کی پیش گوئی

سنن نسائی و بیہقی میں غزوہ ہند کی پیش گوئی ہائیں الفاظ و درج ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَعَدَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ الْهِنْدِ. (۲)

”رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ مسلمان ہندوستان میں غزوہ کریں گے۔“

(۱) ساری تفصیل درج ذیل کتب میں یکے بعد دیگرے: (۱) استیعاب رقم: 721، (۲) اسما ب رقم: 3122، (۳) اسما ب رقم: 414/2

(۲) نسائی: 3175، مستدرک: 514/3، درائل المم: 336/67، بیہقی: 176/9

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث امام نسائی نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ امام نسائی 215ھ کو پیدا ہوئے اور 303ھ کو وفات پائی۔

نسائی طاہر 215 بزدوز جہاں فیروز 303 رفت

ہند پر سب سے پہلے سلطان محمود نے 393ھ کو حملہ کیا تھا۔ یعنی اشاعت کتب سنن نسائی سے قریباً ایک صدی بعد، جب کہ سن

ہجرت 393 تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اہل اسلام کی کتابوں میں ہندو ریائے انک کا نام ہے اور اسی مناسبت سے انہوں نے ماورائے انک کے رہنے والی قوم کا نام "ہندو" رکھا تھا (انگریزی میں ہندوستان کا نام انڈیا بھی اسی مناسبت سے ہے) لہذا حدیث بالا کا مصداق واوی غزوہ ہو سکتا ہے، جسے انک سے عبور کیا گیا۔

### 654 سال پہلے کی پیش گوئی

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِّنَ الْجَبَّارِ تُضِيءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى۔ ①

"قیامت نہیں آئے گی جب تک جبار میں ایسی آگ نہ نمایاں نہ ہو جو بصری کے اونٹوں پر اپنی روشنی نہ ڈالے گی۔"

یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ 256ھ کو امام مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ نے 261ھ کو انتقال فرمایا تھا اور ان ائمہ کبار کی ہر دو کتب و صحیحین ان کی زندگی ہی میں جملہ ممالک اسلام میں داخل درس و تدریس ہو چکی تھیں اور روز افزوں اشاعت کی وجہ سے یہ کتابیں ہر ایک اسلامی علاقہ میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ کا ظہور جمادی الثانی 654ھ کو ہوا۔ یعنی صحیحین الحدیث کی وفات سے بھی چار صدیوں کے بعد۔ گواہان یعنی نے اس آگ کے متعلق جس کی ابتداء پہاڑ کی آتش فشاں سے ہوئی۔ جداگانہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ شیخ صفی الدین رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ بصری کی شہادت موجود ہے کہ جس روز اس آگ کا ظہور حجاز میں ہوا اسی شب بصری کے بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو دیکھا اور شناخت کیا۔

یہ آگ نیم جمادی الثانی کو پہاڑ سے پھوٹ پڑی تھی۔ دوسری تاریخ کو زلزلہ کی رفتار تیز محسوس ہوتی تھی۔ تیسری کو زلزلہ کی شدت اور بڑھ گئی۔ چوتھی کو زلزلہ کے ساتھ گرج کی آوازیں بھی آئے لگیں۔ گویا رعد فلک زور زور سے کڑک رہا ہے۔ پانچویں کو دھومیں نے زمین و آسمان اور افق کو چھپایا۔ آگ کے شعلے بلند ہونے لگے پتھر کھٹکنے لگے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ پہاڑ پر سے نہراحر کی آبخار گری رہے۔ روز بروز آگ کا رخ جانب شہر مدینہ تھا۔ باشندگان مدینہ نے جمعہ کی شب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہ کر بسر کی اور تمام شب تضرع و زاری کرتے رہے۔ صبح کو دیکھا کہ آگ کا رخ پلٹ گیا ہے۔

تعب خیز امر یہ تھا کہ اس شدت ناز کے وقت بھی مدینہ میں جو ہوا آتی تھی وہ ٹھنڈی ٹھیم ہوتی تھی۔

### 656 سال پہلے کی پیش گوئی

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقَالِبُوا التُّرُكَ صَغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرُ الْوُجُوهِ زَلْفُ الْأَنْوَابِ كَمَا نَّ وَجُوهُهُمْ الْمَتَّحَانِ

الْمُطْرَقَةُ۔ ②

① بخاری: 7118، مسلم: 2902، ابن حبان: 6839، مسند احمد: 144/5، بخاری: 2928، 3585، حمیدی: 1101، 4304، کنز العمال: 38404، 530/2، مستدرک: 474/4

”قیامت قائم نہ ہوگی (کئی باتوں کے بعد فرمایا) جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کر لو گے جو چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہرے والے، پست ناک والے ہوں گے۔ ان کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے۔“  
یہ فتنہ تاریکی خیز ہے۔ ہلاکو خاں کے لشکروں نے خراسان و عراق کو تباہ کیا، بعد کو لوٹا تھا اور بالآخر ان کو بھی ایشیائے کوچک میں شکست عظیم ہوئی تھی۔ یہ واقعہ 656ھ کا ہے۔ اور صحیحین میں پانچ صدی پیشتر سے درج چلا آتا تھا۔

### 700 برس پہلے کی پیش گوئی

طہرانی و ابو نعیم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
اَتْرَكُوا التُّرِكَ مَا تَرَكَوْكُمْ بِانَّ اَوَّلَ مَنْ يُسَلِّبُ اُمَّتِي مُلْكُهُمْ۔<sup>①</sup>  
ترکوں کو نہ چھیڑنا جب تک وہ تم کو نہ چھیڑیں کیوں کہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری امت سے ملک چھین لے گی۔

### 855 سال پیشتر کی پیش گوئی

مسند امام احمد میں اور صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سنن ابی داؤد میں بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فتح قسطنطنیہ کا ذکر موجود ہے۔<sup>②</sup>  
امام تہام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا انتقال 241 میں ہوا۔ مہموران کی کتاب مسند تاریخ تدوین سے ہمیشہ علمائے امت اور ائمہ محدثین کے پیش نظر رہی۔

محمد فاتح سلطان رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کو 855ھ (1353ء) میں فتح کیا۔ یعنی کتاب مسند سے چھ صدیوں اور سال ہجرت سے ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد دنیا نے نعم الامیر اور نعم الخلیفہ کا نظارہ دیکھ لیا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

### 1348 سال کی پیش گوئی

فتح مکہ کے دن (پنج شنبہ 20 رمضان 8ھ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کی کلید عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

خُذْهَا خَالِدَةً تَابِدَةٌ لَا يَنْزِعُهَا يَا اَبِيْ طَلْحَةَ مِنْكُمْ اِلَّا هَالِكًا۔<sup>③</sup>  
لو یہ کنجی سنجال لو، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ تم سے یہ کلید کوئی نہ چھینے گا مگر وہی جو ظالم ہوگا۔  
ان مختصر الفاظ میں تین پیش گوئیاں مندرج ہیں:

① خاندان ابو طلحہ کا دنیا میں برابر باقی رہنا، نسل قائم رہنا۔

② کلید بیت اللہ کی حفاظت و خدمت کا انہی کے متعلق رہنا۔

① ابوداؤد: 4302، کنز العمال: 10934، مجمع الزوائد: 304/5، مشکوٰۃ: 176/9

② مسلم: 7278، ابوداؤد: 4295، 4294، مسند امام احمد: 576، 535/2

③ قرطبی: 256/5، اتحاف السعاده: 128/3

ان کے ہاتھوں سے کلید چھیننے والے کا نام ظالم ہوتا۔

نمبر 2، 1 کی بابت اب تک کل دنیا کو معلوم ہے کہ یہ کلید ہنوشیہ میں آج تک موجود ہے اور یہ نسل اب تک جاری ہے۔  
نمبر 3 کی بابت مؤرخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے ان سے یہ کلید چھین لی تھی۔ اس کے بعد پھر یہ 1333 سال کا زمانہ شاہد  
صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔

پیش گوئی جس کی تصدیق زمانہ حال ہمارے سامنے بھی کر رہا ہے

صحیح مسلم میں ابو مستور قرشی رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ انھوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کے سامنے یہ بیان کیا کہ  
آخری زمانہ میں یورپین عیسائیوں کا دنیا میں زور ہو جائے گا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے روکا اور کہا کہ دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے  
کہا میں تو وہی کہہ رہا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ عمرو بولے تب تو درست ہے۔

تاریخ غور کریں کہ یہ روایت صحابی رسول ﷺ نے اس وقت بیان کی جب عساکر اسلام جملہ اطراف عالم میں مظفر و منصور  
تھے۔ جب ان کو عراق و شام و مصر خراسان و ایران و سوڈان کی فتوحات میں کہیں ایک جگہ بھی شکست نہ ہوئی تھی۔ عیسائی مسلمانوں کے  
سامنے جملہ ممالک میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور عقل و دہم و قیاس کے نزدیک یورپین اقوام کی کثرت و غلبہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آ سکتی تھی۔  
دنیا کے اسلام کی یہی حالت امام مسلم (متوفی 261ھ) کی زندگی تک موجود تھی مگر صحابی رضی اللہ عنہ روایت کرتا ہے اور امام الحدیث  
اسے اپنی کتاب میں ایمان و ایقان صحت کے ساتھ درج بھی کر دیتا ہے۔ آج دنیا دیکھ لے کہ امریکن (جو اپنی اصلی زاد و نیاہاد کے اعتبار  
سے یورپین ہیں) برطانیہ، اطالیہ، پرتگال، سویڈن، ناروے، سوئٹزر لینڈ، چین، جرمنی وغیرہ کی حالت کیا ہے؟

پیش گوئی جس کی صداقت کی شہادت موجودہ زمانہ ادا کر رہا ہے

تیسری وحاکم نے ابو ہریرہ و معاویہ رضی اللہ عنہما اور طبرانی نے عوف بن مالک اشجعی سے نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ (جیسا کہ روایت میں)  
بیان کیے ہیں:

تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثَةِ وَسِتِّينَ فِرْقَةً "میرسی امت میں تہتر فرقتے بن جائیں گے۔"

نزول قرآن پاک کے وقت امت محمدیہ کے جملہ افراد کا منفرد اور مجتہد ایک ہی نام تھا یعنی مسلم جیسا کہ قرآن پاک میں ﴿هُوَ  
نَسَاكُمُ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الحج: 78] "تمہارے باب ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔" امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی  
خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معترف رہا۔ لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور ان فرقوں کے نئے نئے نام  
نکلنے شروع ہو گئے۔ ہر ایک فرقہ کو اپنے مختص نام پر ناز ہے۔

یہ پیش گوئی ایسی ہدایت اور صداقت کے ساتھ پوری ہوئی اور ہو رہی ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کے متحد ہو یہ دعاوی اس کی  
تصدیق میں موجود ہیں۔

جامع کتاب کا مقصد صرف سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات (اخبار عن الغیب) کی شکل میں بیان کرنا ہے۔ الحمد

لہذا کہ جو کچھ اس بارہ میں لکھا گیا ہے وہ ثبوت مقصد کے لیے کافی ہے۔ ہر چند کہ حصر دشوار ہے۔

### قسم چہارم از معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بندوں کی دعاؤں کا قبول فرمانا رب العالمین کے صفات علیا میں سے ہے۔ وہ رؤف الرحیم ہر ایک بندہ کی دعا کو بشرطیکہ پورے اعتقاد و اضطراب سے کی گئی ہو قبول فرماتا ہے۔

﴿ اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ ﴾ [المحل 62]

”کون ہے (اللہ کے سوا) جو مضطر کی پکار کو قبول فرماتا ہے۔“

وہ رحمن اللدین اور رحیم اللعزیز اہل اطاعت کی دعاؤں کو خصوصیت سے منظور فرماتا ہے

﴿ اَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ [البقرہ 186]

”جب مجھ سے مانگنے والے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں ان کی پکار کو سن لیتا ہوں اور درخواست کو منظور کر لیتا ہوں۔“

وہ عزیز الکلیم اپنے عہد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور بزرگی کو جہاں و جہانیاں کے دلوں میں مستحکم و استوار کرنے کے لیے ان کی دعاؤں کو بہ سرعت و بہ کثرت منظور فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ علامت بجائے خود ایک معجزہ (دنیا کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کرنے والی) ایک نشان (طالبان ہدایت کو راہ ہدایت پر لانے والی) ایک آیت (اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچانے والی) بن جاتی ہے۔

سینکڑوں ایسے نظائر موجود ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان صدق سے جو الفاظ نکلے وہ پورے طور پر اسی طرح مستجاب اللہ پورے کیے گئے جیسا کہ ان الفاظ کے معانی لغوی کا اقتضا تھا۔

ایسے نظائر کا حصر دشوار ہے، مگر سیرت نگار کا فرض ہے کہ اس چمن فردوس بہار کی شمیم سے قارئین کے دماغ کو منہر آگین بنانے کی سعی کرے۔

① صحیح بخاری صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ① کہ عہد نبوی میں قحط پڑا۔ انہی ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اٹھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مال تباہ ہو گیا اور عیال بھوک سے نڈھال ہے۔ ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے۔ اس وقت آسمان پر کوئی بدلی بھی نہ تھی۔ اللہ کی قسم انہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نیچے بھی نہیں کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل جمع ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر سے نہ اترے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک پر قطرات بارش نظر آنے لگی۔ اس روز سارا دن برستا رہا۔ پھر اگلے دن بھی اور اس سے اگلے دن بھی۔ غرض دوسرے جمعہ تک یہی حال رہا اور پھر وہی اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا۔ کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اب تو مکانات گرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر یہ الفاظ کہے: اَللّٰهُمَّ حَوِّ اَلَيْنَا لَا عَلَيْنَا اَلْبِيْ كَرُوْنَا وَاوْحٰ مِيْنَ بَرَسْتِمْ بِرَسْتِمْ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جدھر کے بادلوں کی طرف اشارہ فرمادیتے تھے۔ وہی پھٹ جاتے تھے حتیٰ کہ مدینہ صاف کھم گیا اور شہر سے باہر جل تھل کا منظر ہو گیا اور باہر سے بھی جتنے لوگ آئے سب نے بارش کا ہونا بتلایا۔ ②

① بخاری: 1021، مسلم: 897، ترمذی: 1174، ابن ماجہ: 2858، 2859، مسند احمد: 194/3۔  
 ② ترمذی: 1021، ابن ماجہ: 1174، ترمذی: 1174، ابن ماجہ: 2858، 2859، مسند احمد: 194/3۔  
 لَا بِيْنَ لَنَا فَمَا عَلَيْنَا صَدْرًا تَمَلُّا بِهٖ الصُّرُوْعُ وَ تَنْسِبُ بِهٖ الزُّرُوْعُ وَ تَنْحِي بِهٖ الْاَرْضَ حَتَّى تَعْدَ مَوْتِهَا وَ تَحْلِلُكَ تُخْرِجُوْنَ (خصائص الکبریٰ ج 3 ص 163)۔



## قتل سے مصون رہنے کی دعا

(2) طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے کہ ضمیرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آئے اور درخواست کی کہ میرے شہید ہونے کی دعا فرمائی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُحْرِمُ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَةَ عَلٰى الْمَشْرِىْمِ كَيْفَ "الہی میں مشرکین پر ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہما کا خون حرام کرتا ہوں۔" (1)

یہ بزرگ جہاد میں دشمن پر بے دھڑک حملے کیا کرتے اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے اور پھر صحیح سلامت واپس آ جاتے۔

## وعائے عفت

(3) امام احمد رحمہ اللہ نے اور شعب الایمان میں بتیقی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت مل جائے۔ لوگ سنتے ہی اسے دیکھتے اور جھڑکنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب آؤ اور بیٹھ جاؤ۔ وہ جوان قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرتا ہے؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بھی اپنی بہن کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی انسان بھی اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتا۔

پھر پوچھا: تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بشر بھی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتا۔

بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اس پر رکھا اور یہ الفاظ زبان سے کہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَ اَحْصِنْ قَرْبَهُ

"الہی اس کا گناہ دور کر دے، اس کا دل پاک کر دے اور اس کا ستر محفوظ کر دے۔" (2)

اس دعا کے بعد یہ جوان کبھی ایسی بات کا خیال بھی نہ کیا کرتا تھا۔

1 صحیح ترمذ: اسے اللہ تو ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو ہم کو دہانے والی ہو، خوشگوار ہو، آسانی والی ہو، مسلسل اور موسلا دھار ہو، جلدی آسے، نہ کہ دیر سے۔ فائدہ بخش ہو، نہ ضرر والی۔ جس سے (دو سو دو لے جانور کے) دو سو بھرجائیں اور کھیتیاں لگ آئیں اور زمین کو سبز ہو جانے کے بعد اس کو زندہ کر دے۔

(1) طبرانی 368/8

(2) شعب الایمان للبیہقی: 5415، احمد: 257/5، تفسیر ابن کثیر: 70/5، کنز العمال: 4661، جامع الصحیح: 9876

قبل از دعائی سَلِّ عَلَیْهِمْ اِسْمَ اللّٰهِ سَجَّانًا چاہتے تھے کہ اگر زنا کی اجازت دی جائے تو زانیہ بہر حال کسی نہ کسی کی بیٹی، یا بہن، یا ماں یا خالہ یا پھوپھی وغیرہ ہوگی اور یہ رشتے ایسے ہیں کہ خود مسائل اور جملہ دیگر اشخاص بھی فطرنا اس کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی ایسی قربابت میں زنا کا وجود پایا جائے۔ لہذا جواز زنا کی درخواست جیسا کہ ایک فیور انسان کی فطرت کے خلاف ہے، اسی طرح وہ جملہ نوع بشری کی غیرت و حمیت کے خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی انسان زنا کو پسند نہیں کر سکتا۔ یہ نکتہ سمجھانے کے بعد پھر حضور سَلِّ عَلَیْهِمْ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

(۴) صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسری (خسر و پرویز) نے نبی سَلِّ عَلَیْهِمْ کے فرمان دعوت کو پڑھ کر چاک کر ڈالا تھا۔

نبی سَلِّ عَلَیْهِمْ نے اس کے حق میں فرمایا: مَنْ قُوَا كَلَّ مَسْوَقٍ "وہ خود پارہ پارہ ہو گئے۔" (۴)  
 قوم پارسی کو دیکھو اور وطن سے ان کی جدائی کا خیال کرو اور دیکھو کہ اب وہ کیسی تفریق اور پراگندگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔  
 تہذیبی نے روایت عبدالرحمن بن عبدالباری بیان کیا ہے کہ نبی سَلِّ عَلَیْهِمْ نے فرمایا تھا: مَسْوَقٌ كَسْرِيٌّ مُلْغَمٌ، کسری نے اپنی سلطنت کو چاک کر ڈالا۔ (۵) صفحہ امان پر تلاش کرو کہ جب سے آخری کسری خلیفہ راشد عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہلاک کیا گیا اس کے بعد کوئی کسری بھی ہوا؟ پارسی قوم میں حکومت یا سلطنت کا نام و نشان بھی کہیں پایا جاتا ہے؟ خسر و کا انجام بہت ہی حسرت ناک ہوا۔ اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں "شیریں" پر عاشق ہو گیا۔ باپ کو رشک رقابت میں خنجر سے ہلاک کر دیا۔

چاک فرمان نبی کی ہے سزا چاک شکم دیکھ اے خسر و پرویز یہ پیدا نہیں  
 (۵) تہذیبی نے روایت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے کہ بھیر بن بھیرہ رضی اللہ عنہ نے جو قوم طے سے تھا، واقعہ دومہ الجندل کے متعلق اپنا شعر  
 رسول اللہ سَلِّ عَلَیْهِمْ کو سنایا۔ حضور سَلِّ عَلَیْهِمْ نے خوش ہو کر فرمایا: تو نوے (90) برس کی عمر تک پہنچے۔ لَا يَفْقَضُ اللَّهُ قَمَاقِكَ اِنْ كُنْتَ سَبَّ  
 ذُرِّيَّتِيْمْ اَوْ رَدَّ اَنْتَ سَالِمٌ تَحْتِيْ۔ (۶)

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

(۶) صحیح بخاری میں جعد بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سائب بن یزید 94 سال کے ہو کر فوت ہوئے اور بائیں ہمد مضبوط و متعادل تھے انھوں نے کہا کہ یہ نبی سَلِّ عَلَیْهِمْ کی دعا کا ثمرہ ہے کہ میری بیٹائی و شہنائی اب تک درست ہے۔ (۷)

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما أَحَدُ الْعَشْرَةِ مَبَشِّرَةِ كَيْ لِيْهِ دَعَا

(۷) صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی سَلِّ عَلَیْهِمْ نے عبدالرحمن کو بَسَّارَكَ اللهُ لَكَ فرمایا تھا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے اب تک یہ ہے کہ اگر میں پتھر اٹھاتا ہوں تو توقع ہوتی ہے کہ یہاں سے مجھے سونا یا چاندی دستیاب ہوگی۔ (۸)

(۳) بخاری: 4424، 64: 388/4 (۴) دلائل النبوة للبيهقي: 30276، 5: 251/5، ابن كثير: 17/5، ابن هشام: 139/4، شعر یہ ہیں۔

(۵) کنز العمال: 30276، دلائل النبوة للبيهقي: 30276، 5: 251/5، ابن كثير: 17/5، ابن هشام: 139/4، شعر یہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ السُّجُوْدِ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ اَنْ تَجْعَلَ لِيْ مِنْ اَمْرِیْ حَسْبًا

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ

(۴) بخاری: 5670، 3540: مسلم: 6087، ترمذی: 3643 (۵) بخاری: 5167، 2049: مسلم: 2540، 1967: 11/3، دلائل النبوة: 218/6، 218/6، 478/3

### انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

⑧ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے ان الفاظ میں دعا دی تھی: اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ مَا رَزَقْتَهُ اَللّٰهُمَّ اس کے مال اس کی اولاد کو بڑھا اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بخدا! میرے پاس مال کثیر ہے اور میرے بیٹوں اور پوتوں کا شمار ایک سو (100) کے قریب تک ہے۔ ⑨

ترمذی اور تہذیبی میں ابو العالیہ سے روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک باغ تھا جس کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتے۔ اس باغ کا ایک ایسا پھول تھا جس کی خوشبو کستوری جیسی تھی۔ ⑩

### مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

⑪ ابن عساکر اور ابن مندہ نے یزید بن ابی مریم سے روایت کی ہے کہ میرے والد مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے میرے لیے کثرت اولاد کی دعا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی (80) فرزند ان نرینہ عطا فرمائے۔ ⑫

### تکبیر کی سزا

⑬ صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھارہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”دائیں ہاتھ سے کھاؤ“ وہ بولا، میں نہیں کھا سکتا۔ یہ جواب اس نے صرف غرور میں آ کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”تو نہ کھا سکتے“۔ بعد ازاں اس کا داہنا ہاتھ منہ تک نہ اٹھ سکتا تھا۔ ⑭

### شکستہ استخوان کی درستگی کا معجزہ

صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قتل البورانغ کے بعد زینہ سے اترے تو گر پڑے اور ان کی ہڈی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ انھوں نے نبی ﷺ سے ذکر کیا۔ فرمایا: پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دیا۔ حضور ﷺ نے اس جگہ دست مبارک رکھ دیا۔ فوراً میں ایسا تندرست ہو گیا گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ ⑮



① بخاری: 1982، مسلم: 6372، ترمذی: 3829، مسند احمد: 188، 108/3، ② ترمذی: 3833، دلائل النبوة للہیثمی: 195/6

③ الاصابہ: 345/3، ④ مسلم: 5268

⑤ بخاری: 4039، مصنف عبد الرزاق: 5383، مطالب العالیہ لابن حجر: 4350، مجمع الزوائد: 201/6، مستدرک: 434/6، تہذیبی: 256/3

## اسماء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے سیدنا و آقا خویہ ہر دوسرا کا مقدس نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ نام قدرت الہیہ کی طرف سے خود آیت عظیم ہے کہ اس کا مسمی ضرور امام الانبیاء اور سرتاج کائنات و مافیہا ہے۔ اس کی شرح آیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت میں موجود ہے۔

ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند بزرگوں کے اسماء پر غور و لانا ضروری ہے۔ ان اسماء کو "ارہاس نبوت" قرار دینا صحیح ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بزرگوار کا نام عبد اللہ ہے والدہ مکرمہ و معظّمہ کا نام آمنہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ (ثا) کا نام علیہ ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسے مقدس ہیں جن کا پیکر اطہر عبودیت کے خون سے بنا۔ جنہوں نے امن کے لٹن میں مراتب وجود کو مکمل فرمایا جن کی تربیت علم، بر و باری کے شیر سے ہوئی۔

کیا ایسے اسماء کا اجتماع محض اتفاق ہے؟ نہیں بلکہ قدرت اس مولود مسعود کی شان رفیع کی آئینہ داری فرماری ہے اور نظاری ہے کہ جس بچہ کے پیکر عنصری میں ایسے فضائل کی جامعیت نمودار ہو ضرور ہے کہ وہ بچہ حقیقتاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔

اب غور کرو کہ لغوی معنی کے تحت میں ایک پیش گوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب و الشہادۃ کی جانب سے جملہ عوامل و اہل عالم پر پیرا آؤ شکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسمی کی مدح و ثناء دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ تو الٰہی و تو اتر کے ساتھ کی جائے گی۔

وہ کون ہے؟ جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب پر ساری ہے، وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی ثوبت شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی سیرت پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ و ہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے۔

وہ کون ہے؟ جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم میں محمود ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی رفعت فرش سے عرش تک ٹلی ہوئی ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی تعلیم کی وسعت برد بحر پر چھائی ہوئی ہے۔

بے شک وہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ اسم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسمی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور حمد کو اس کی ذات ہمایوں سے نسبت خاص ہے۔

(۱) اس کے مقام شفاعت کا نام "مقام محمود" ہے اور اسی کی امت "حمادون" کے لقب سے روشناس ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے افتتاح ہوتا ہے۔

(۲) ہاں اسی کا نام "احمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ یہ بھی اسی سرچشمہ "حمد" سے نکلا ہے۔ دونوں نام اپنے منبع و ماخذ کے اعتبار سے اتحاد نام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار و برکات خاص سے مختص بھی ہیں۔

وہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے اور اسی لیے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر مدح خواں ہے۔

وہ "احمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے اور اسی لیے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرات سے بڑھ کر اپنے مالک اپنے خالق اپنے رازق، اپنے ہادی اپنے معطی کی حمد و ثنا پھیلائی ہے۔

ہاں اوہ "محمد ﷺ" ہے اور کل دنیا اس کی مداح ہے۔

وہ "احمد ﷺ" ہے اور وہ کل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔

ترا محمد و احمد زمین خواند و زمان  
فروں تراز تو کے را نہ مدح گفت زمان  
حمید باشد و محمود ذات ربانی  
نہ بر تراز کے گفت حمد سبحانی

محمد احمد

ہاں وہ بیارا ہے، اسی نے دشمن و دوست سب سے بیار کیا ہے۔

وہ حبیب ہے اور اس نے محبت کا تاج اکمال سے مزین فرمایا ہے۔

① وہ محبوب ہے مگر حنین سے بے نیاز ہے۔

② وہ مطلوب ہے مگر طابین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

③ وہ متبوع ہے اور اس کی صحبت دوسرے کو مطاع بنا دیتی ہے۔

④ وہ نبی ﷺ ہے اور اس کی نبوت نے ہزاران ہزار جناب چشم بصیرت بنا دیے ہیں

⑤ وہ رسول ﷺ ہے اور اس کی رسالت نے نوع بشر کو تمام نعمت اور اکمال دین اور رضوانِ رحمن کے انعامات سے ممتاز فرما دیا ہے۔

⑥ وہ عبد ﷺ ہے اور اسی عبودیت نے عبودیت کو اور تک خلافت پر متمکن کر دیا ہے۔

⑦ وہ معلم ﷺ ہے اور اس کی تعلیم نے مسیح علیہ السلام کے اس قول اور امید کو پورا کر دیا ہے کہ وہ صداقت کی ساری تعلیم دے گا۔

اس نے اپنی درس گاہِ قدس کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اس نے اپنی تعلیم پر کوئی فیس مقرر نہیں کی۔ وہ مرموزات و تمثیلات میں تعلیم نہیں دیتا ہے۔ اس نے اپنے اور ارشد تلامذہ کے درمیان اشاراتِ خاص نہیں تجویز کیے ہیں۔ اس کے اوبستہ پر ﴿يَعْلَمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: 129] کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کے پاس دروس کا آغاز انسان کے جانے پہچانے سے علم و معارف کے انجام سے ہوتا ہے۔

⑧ وہ امین ﷺ ہے، اس کا یہی نام یوحنا رسول کے مکاشفات میں بتایا گیا ہے ⑨ اور اس کا یہی نام قریش کی زبان پر جاری ہوا۔ ⑩

اسی نام سے حضور ﷺ کا احتشام و وقار نمایاں ہے اور اسی نام سے حضور ﷺ کا وحی آسمانی کا امانت دار ہونا واضح ہے۔ اس معنی کی طرف حدیث مسلم عن ابی سعید رضی اللہ عنہما میں صراحت کی گئی ہے۔ ⑪ حضرت کعب بن العنبر کا شعر ہے۔

أَمِينٌ مُّجِبٌّ لِّلْعِبَادِ مُسَوِّمٌ  
بِخَاتِمِ رَبِّ قَاهِرٍ لِّلْعَوَاتِمِ

⑫ وہ امی ﷺ ہے اور ام القریٰ کی عزت و وقعت اسی نسبتِ قدسیہ سے ہے۔

وہ امی ﷺ ہے اور ولید سعید کی طرح جملہ افعال و اقوال سے معصوم ہے۔

وہ امی ﷺ ہے اور اسکی تعلیم حروف کتابی یا نقوشِ مرئیہ کی احتیاج مند نہیں ہے۔



عطاء سبانی کی تقسیم اسی گھر سے ہوتی ہے۔ گہر پاشی اسی ید مبارک کا خاصہ ہے۔

① وہ ظلیل الرحمن ہے۔ اہل عرب کے نزدیک محبت کے دس مراتب ہیں۔ ① علاقہ دل کا ذرا سا انکاد۔ ② ارادہ وہ میلان جو علاقہ کے بعد نمودار ہو۔ ③ صباہت، صباہ صباہ پانی کا نشیبی زمین پر بہہ نکلنا ہے اور اسی جگہ بے اختیاری شوق کا نام ہے۔ ④ غرام غرام قرض یا تاوان کو کہتے ہیں اور یہاں اس محبت لازم کا نام ہے، جو قرض ہو کر چٹ جاتی ہے اور کسی وقت بھی علیحدہ نہیں ہوتی۔ ⑤ وداو۔ خلوص محبت اور مغز محبت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی وداو بتلایا ہے۔ ⑥ شغف۔ شفاف پردہ دل اور شغف و محبت جو قعر دل تک جا پہنچے۔ ⑦ عشق، یہ عشق سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک نمل ہوتی ہے، زرورنگ کی جس درخت سے لپٹ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے اور عشق کی تاثیر بھی عاشق کے حق میں یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی حالت سے استفادہ فرمایا کرتے۔ ⑧ ایتیم انکسار اور عجز نام کو کہتے ہیں۔ عجز کا نام بھی عجز نام کا مورد ہوتا ہے۔ ⑨ التعب، جب کہ محبت جملہ دعاوی تملیک نفس و عزت سے دستبردار ہو کر سارے دل و جان سے دوسرے کا غلام بن جائے۔ ⑩ غلت: جب کہ دل دوسرے غیر سے اور عقل تعقل غیر سے اور نیت و عزم و تعبد و تشوق غیر سے کلیہً خالی ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کی تکمیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

مشہور عوام یہ ہے کہ درجہ غلت ابراہیم کے لیے وہ ظلیل الرحمن ہیں اور درجہ محبت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور وہ حبیب اللہ ہیں، لیکن دو حدیث صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلیل الرحمن ہونا بھی ظاہر فرمایا گیا ہے: ① اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ لِيْ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ② لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ خَلِيْلًا لَّا تَخَذْتُ اَبًا لَّكُمْ خَلِيْلًا وَّلٰكِنْ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا الرَّحْمٰنِ ③

”بلا رب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا دوست بنایا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا تھا اور اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو دوست بناتا، لیکن تمہارے دوست کا خود اللہ تعالیٰ دوست ہے۔“

④ وہ خطیب الانبیاء ہے، حدیث الشفاعت میں ہے: كُنْتُ اِقَامُ الْاَنْبِيَاءَ وَخَطِيْبُهُمْ ⑤

① خطیب، خطب سے ہے۔ خطب کے معنی فصاحت زبان میں اور خطیب وہ ہے جو صاحب فصاحت و بلاغت ہو۔ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی صفت فصاحت کا ذکر فرمایا ہے: ﴿هُوَ اَفْصَحُ مِيْنِيْ لِسَانًا﴾ ”وہ مجھ سے زیادہ زبان آور ہے۔“ اور حدیث بالا میں ہے کہ جملہ انبیاء کے مقدس ترین گروہ میں یہ شرف حضور علیہ السلام ہی کے لیے خاص ہے۔ صحیح مسلم حدیث میں ہے: اُوْتِيْتُ جَمَوعَ الْكَلِمِ ② سادہ صاف الفاظ شستہ ترکیب، مختصر عبارت میں ایسے معانی عالیہ کو بھر دینا جو عمیق بھی ہوں اور دقیق بھی، داخل کمال فصاحت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب الانبیاء ہونا اسی اعتبار سے ہے۔

② خطیب، خطابت سے ہے اور اس سے مراد امر و نواہی اور مواظبت و امثال کا بیان کرنے والا ہے۔

① بخاری: 3904، 466، مسلم: 6172، 6170، ترمذی: 355، 3660، ② ترمذی: 3613، ابن ماجہ: 4314، مسند احمد: 137/5، 169، تفسیر ابن کثیر سورہ الاسراء ③ مسلم: 1167، ترمذی: 1553، کنز العمال: 31932، ابن ماجہ: 567، مجمع الزوائد: 269/8، احمد: 412/2

خطیب کے معنی وہ شے بھی ہے جس میں انوان بوقلموں شامل ہوں اور خطیب وہ ہے جو جملہ انواع کلام اور اسالیب خطاب کا ماہر و قادر ہو۔

19) وہ خافض ہے، یہ نام قرآن مجید کی آیت ذیل سے مستنبط ہے:

﴿وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [الجر 88] ”آپ اپنے بازوؤں کو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں۔“

ٹیور کو دیکھو، وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کیسی محبت، کیسی پیار کیسی ہوشیاری اور کیسی نگہداشت سے اپنے شہسپروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت و پیار اور نگہداشت و حفاظت کا سلوک اسی مثال سے بڑھ کر تھا۔  
20) وہ خیرۃ اللہ ہے۔ خیرۃ کو علمائے لغت نے بکسر خاء اور فتح خاء ہر دو صورت روایت کیا ہے۔ اس اسم کے معنی یہ ہیں کہ حضور خیر الناس ہیں خیر البریہ افعال خیر میں افضل و اکثر ہیں۔

21) وہ داعی الی اللہ ہے، کسی شخص کی طرف سے کسی کا دعوت دینے کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ اذن یافتہ بھی ہو۔ دنیا میں دیکھو، اگر کسی کا ملازم کسی کو دعوت طعام دے آئے، مہمان صاحب خانہ کے ہاں پہنچیں اور تب میزبان کو اور مہمان کو پتا لگے کہ نہ کسی نے بلایا اور نہ کوئی بلایا گیا۔ تب طرفین کو کس قدر ندامت اور رنج کا احساس ہوگا اور وہ دعوت دینے والا کس قدر ذلیل و خقیق اور جاہلین کی طرف سے ہدف ملامت سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا اسم مبارک داعی الی اللہ تجویز کیا ہے۔ تو کلام پاک میں اس کے ساتھ ساتھ پاؤں بھی شامل فرما دیا اور اہل عالم پر ظاہر کر دیا کہ محمد ﷺ کو اختیار رکھی دیا گیا ہے کہ سب کو اللہ کے گھر کا مہمان بنا لیں اور تقرب و رضوان کی دعوت دیں۔ یہ اسم حضور ﷺ کے اسمائے خاصہ میں سے ہے۔

22) وہ رحمت ہے اور آیت قرآنیہ میں حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الاحرف: 54] فرمایا اور قرآن حکیم کو ﴿ذِكْرًا لِلْعَالَمِينَ﴾ [یوسف: 104] خانہ کعبہ کو ﴿مَبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ [آل عمران: 96] کشتی نوح اور مریم و سح کو ﴿آيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ بتایا مگر ﴿رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ صرف حضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے ﴿رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ کے ارشاد کو پیش نظر رکھو اور دیکھو کہ رحمۃ للعالمین کے خطاب میں کتنی وسعت، کتنی برکت اور کتنا فیض موجود ہے۔ حضور ﷺ کی رحمت کا فیضان اہل ایقان کو بھی پہنچا، جو دنیا میں حکمران بنے اور آخرت میں مغفرت و رضوان کے مستحق ٹھہرے۔ منکرین اور اہل خسراں کو بھی پہنچا جو ب برکت دعائے مصطفوی ﷺ عذاب دنیوی و عرق و خرق اور ہلاکت و جہاںی سے مامون کیے گئے۔

عورتوں، بچوں، یتیموں، راندوں، مسافروں، اسیروں، غلاموں، لونڈیوں، رعایا و برابرا طبقہ امراء و گروہ حکم فرما کو بھی پہنچا۔ جن کی راحت و آسائش اور حقوق و مفاد کے متعلق حضور ﷺ نے مستحکم آئین شرح متین ضابطہ مبین، دستور اساسی اور اصول مدنی و سیاسی وضع فرمائے اور ان سب پر اپنی حیات طیبہ میں خود بھی عمل فرما رہے اور تمام امت کو بھی پابند عمل فرمایا۔

حضور ﷺ کی رحمت کا فیض طیور و وحوش اور مر اکب و مواشی کو بھی پہنچا، جن کے ذبح و شکار کے قواعد اور تغذیہ و تربیت کے متعلق احکام نافذ فرمائے گئے۔



حضور ﷺ کا فیض شوارح اور طوارق اور مشارب و موارد کو بھی پہنچا جن کو پر امن اور مصفا و پاکیزہ رکھنے، نیز انجاس وار جاس و قاذرات سے پاک رکھنے کے قواعد مرتب فرمائے گئے۔ الغرض اس رحمت سے نہ کوئی کشتی و گردن زدنی عدو محروم رہا اور نہ کوئی ذبح شدنی ان سے مجبور کیا گیا۔

لہذا حضور ﷺ کا سراپا رحمت ہونا اور بہ ہمد و جوہ رحمتہ للعالمین ﷺ ہونا مسلم و عابدت ہے۔  
 ﴿۱۲۳﴾ وہ روح الحق ہے اس خطاب کا استعمال سب سے پہلے صحیح علیہ السلام نے اپنی اس آخری تقریر میں فرمایا جو انھوں نے دنیا چھوڑنے سے پیشتر اپنے خلفاء کے سامنے فرمائی تھی۔ (دیکھو 16 باب از 11 تا 16 درس)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انجیل اور بعد میں عام طور پر اسم روح القدس کا استعمال ہوا ہے اور اس سے وہ ملکوتی قوت و شخصیت مراد ہے جسے اہل اسلام جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں اور جسے مسیحی صاحب ان اتھام ثلاثہ میں سے ایک اقنوم ارکان تثلیث میں سے ایک رکن بتاتے ہیں اور بایں ہمد اس کی ہستی کے متعلق و ذرا بھی عرفان نہیں رکھتے۔

ہاں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں اسم روح الحق کا استعمال ہوا۔ اس کے کام اور اس کی شان اور اس کی علامات کا اعلام کیا گیا ہے۔ وہ روح الحق ہے اور ساری صداقت کی تعلیم دینا اس کا خاصہ ہے۔ وہ روح الحق ہے اور طالبان خاک نشین کو پستی سے اٹھا کر زندگی کے بلند ترین کنگرہ پر پہنچا دینا اس کا کام ہے۔ وہ روح الحق ہے اور زندگی بخش کلام اس کے منہ میں ہے۔ وہ روح الحق ہے اور قلوب مردہ کو حیات روحانی کا عطا کرنا اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس کی تعلیم ظاہر کو پاک اور باطن کو طاہر دماغ کو روشن اور قلب کو منور کرنے والی ہے۔

﴿۱۲۴﴾ وہ سید ہے اور سیادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔  
 اے کے برتخت سیادت زازل جاداری  
 آنچہ خواباں ہمہ دارند تو تہا داری  
 وہ سید کہلانے سے بے نیاز ہے وہ سید ہے اور اپنے سید (اللہ تعالیٰ) کا عہد کہلانے پر زیادہ خوش ہوتا ہے۔ وہ سید ہے اور اسباط رسول الحسن والحسین سید شباب اہل الجنة ﴿۱﴾ کے خطابات صحیحہ سے معزز ہیں۔  
 وہ سید ہے اور اس کے وزراء بھی اسی اعزاز سے مشرف ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِي بُكْرٌ وَ عُمَرُ هَذَا سَيِّدُ أَكْهُوْلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ۔ ﴿۲﴾  
 "انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر و عمر یہ دونوں اہل جنت کے گزرے ہوئے اور آنے والے تمام بزرگوں کے سردار ہیں، سوائے انبیاء و مرسلین کے۔"  
 وہ سید ہے اور اس کے حلقہ نشین بھی اسی علم گرامی سے روشناس ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سواری دیکھ کر حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: قَوْمُوا إِلَي سَيِّدِكُمْ۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ ترمذی: 3768، 3781 ابن حبان: 6959، 6960، مسند احمد: 62/3/3

﴿۲﴾ ترمذی: 3764، ابن ماجہ: 100

﴿۳﴾ بخاری: 3043، 3804، مسلم: 1768، ابوداؤد: 5215 ابن حبان: 7026، 7028، 7023

وہ سید ولد آدم ہے۔ ولد جمع ہے ولد کی۔ اس خطاب سے حضور ﷺ کا سید اولاد آدم ہونا آشکار ہے۔ ظاہر ہے کہ ولد آدم کے دائرہ میں ہر ایک بشر ہر ایک انسان ہر ایک آدم زاد داخل ہے۔ جملہ اولین و آخرین اسی جملہ میں شامل ہیں۔ کیا کوئی وجہ التباس موجود ہے کہ خود آدم علیہ السلام بھی اسی میں داخل ہیں یا نہیں۔ شک کی ضرورت نہیں۔ دوسری صحیح حدیث میں اذم و ذونہ تحت لیو ایسی <sup>(1)</sup> موجود ہے اور ہر دو احادیث بصر افروز و بصیرت افزا ہیں۔

(2) وہ شارع ہے۔ شریعت بیان کرنا آسان بات نہیں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت ہیں اور ان کے بعد بنی اسرائیل میں دو ہزار (2000) سال تک کوئی بھی صاحب شریعت نہ نکلا۔

”بزرگوار ﷺ نے بھی فرمایا: یہ مت سمجھ کہ میں تو رات منسوخ کرنے کو آیا ہوں بلکہ اسے مضبوط کرنے آیا ہوں۔“ <sup>(3)</sup>  
ہنود میں منوجی مہاراج ہوئے ہیں جنہوں نے سمرتی پیش کی ہے۔ میں دنیا کی تمام قانون ساز کونسلوں اور صواب و قواعد مرتب کرنے والی حکومتوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ہر شریعتوں کو دیکھیں اور رپورٹ کریں کہ ان میں سے کون سی شریعت زیادہ مکمل، زیادہ مفصل جزئیات پر حاوی، کلیات پر مشتمل، ضروریات انسانی پر مہتممی اور تمدن کی حامی ہے۔

بہن ایک بات پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا  
جب شرائع موجودہ عالم کی جانچ پڑتال ان اصولوں پر کی جائے گی تو شریعت محمدیہ ﷺ کی فوقیت اور حضور ﷺ فسادہ  
ایسی و ایسی کا تفوق خود بخود آشکارا واضح ہو جائے گا۔

(4) وہ شافع ہے، شفاعت کے معنی لوگوں نے کیا سمجھے؟ کسی نے کہا کہ شفیع وہ ہے جو اپنے اختیار و اقتدار سے غفران و نوب فرماتا ہے۔ اس عقیدہ کے موجد عیسائی ہیں۔ یہ لوگ شفیع بہ معنی غفور استمال کرتے ہیں۔ لیکن خود لفظ شفیع اس معنی کا متحمل نہیں۔ کسی نے شفاعت کو بے جا باؤ بتایا اور اس کے وجود کا انکار ہی کیا۔ اسلامی شفاعت دو اصول پر مبنی ہے ﴿مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ﴾ ”جسے اللہ اذن دے۔“  
(5) وَقَالَ صَوَّابًا ”جو ٹھیک ٹھیک بات بیان کرے۔“ ہر دو اصول بالا شفاعت اسلامی کو ہر دو فریق کے افراط و تفریط سے الگ کر دینے والے شفاعت کو محقول اور قابل التسمیم بنا دینے والے ہیں۔ ہاں حضور ہی صاحب مقام محمود ہیں اور حضور ﷺ ہی شفاعت کبریٰ کی خصوصیت سے ممتاز ہیں۔

(6) وہ شاہد ہے اور اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جس کی شہادت واقعات صحیحہ کو کتمان سے بروز میں لے آئے جس کی شہادت بے خبروں کو باخبر اور بے علموں کو باعلم اور غائبین کو مثل حاضر بنا دے۔ نبی ﷺ شاہد ہیں اور آشہدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت جملہ عالم کے سامنے حضور ہی نے ادا فرمائی ہے اور اپنی شہادت سے رب العالمین کے لیے استحقاق الوہیت و عبودیت ثابت کیا ہے۔ عبادات و استعانت بغیر اللہ کے مسئلہ میں سینکڑوں مذاہب سرگرداں و حیران و پریشان تھے۔ حضور ﷺ ہی کی شہادت نے ان حقائق خفیہ کو آشکار کیا۔ حضور ﷺ ہی نے آشہدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ کی شہادت ادا کی۔ رسالت و نبوت کے خصائص و وحی ربانی کی حقیقت و اعمال کا روح سے تعلق، جزا و سزا کا اعمال پر ترتیب، شریعت کی ضرورت اور شرائع الہیہ و قوانین حکمیہ کا استحکام۔ یہ سب حضور ﷺ ہی

کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبر! شاہد کیسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے کہ داوری گاہ علم میں شہادت کے لیے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار ہزار ہندگان الہی کو اس شہادت پر قائم بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے ان کو بھی شاہد بنا گیا اور تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَيَّ النَّاسِ کی سند عطا فرما گیا۔

وہ صاحب ہے، صاحب کے معنی ساتھ رہنے والا ہے۔ مسیح علیہ السلام نے حضور ﷺ کا نشان ان ہی الفاظ میں دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اس سے حضور ﷺ کی نبوت کا ابدی ہونا ثابت ہو گیا۔ یہ ثابت ہے وہ نوع انسان کے ساتھ ساتھ اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ خود یہ نوع باقی رہے۔ منکرین مکہ بھی حضور ﷺ کو صاحب قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ لفظ خواہ کیسی ہی نیت سے وضع کیا تھا لیکن قدرت الہیہ نے اسے پاک ترین معنی میں استعمال کیا۔ اور ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ﴾ [الکوثر: 22] فرمادیا۔ انبیاء علیہم السلام میں ایسے بزرگوار بھی ہوئے ہیں جنہوں نے امت عاصی کے مفسدات اور قابل نفرت افعال کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور ان کو چھوڑ کر خود ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے استقامت و صبر کی طبع و ثنا فرماتا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ اس نبی کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نافرمانوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا ان کو اپنے دربار سے دور نہیں کرتا۔ خود ان سے علیحدگی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ صابر ہے اور اس کا صبر صرف اللہ ہی کی نصرت و معیت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تم اسے اپنا صاحب کہتے ہو کل کو تمہیں خود اس کا صحابی بننا موجب شرف و عزت بن جائے گا۔

وہ صادق ہے صدق بیان و اشکاف کو کہتے ہیں۔ امر الہی کو صاف صاف بیان کرنا دنیا کی مخالفت و مخالفت کی پروا و نہ کرنا دُوباد اور دھمکی کو وقعت نہ دینا۔ اعداء کی تدابیر فاسدہ اور مکارانہ کاسدہ سے مرعوب نہ ہونا حضور ﷺ کا خاصہ ہے۔

وہ صادق ہے۔ اس نے عرب جیسے خونخوار، وحشی، خنزیریت پرستوں کو صاف صاف سنا دیا ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الانبیاء: 98] "تم بھی اور تمہارے معبود بھی جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔" وہ صادق ہے جس نے یہودی قوم کو تجارت کے مالک واحد ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر چھائے ہوئے تھے اور جن کے سود اور قرضے کی زنجیریں ہر ایک امیر و غریب کی گردن میں پڑی ہوئی تھیں۔ نیز مسیوں کو جن کی حکومتیں شام، مصر و یمن اور ایشیائے کوچک و یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ صاف صاف لفظوں میں یہ سنا دیا تھا ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ مِنَ رَّبِّكُمْ﴾ [المائدہ: 86] "اے یہودیو! اے عیسائیو! تم تو سچائی کے کسی درجے پر نہیں ہو، جب تک کہ تم ﴿۱﴾ تورات اور ﴿۲﴾ انجیل اور ﴿۳﴾ اللہ کے اس کلام پر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، قائم نہ ہو جاؤ۔"

ہاں صادق وہ ہے جو اپنے گلہ پڑھنے والوں کو بھی فرمادیتا ہے۔ ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ "اے نبی! کہہ دیجیے کہ میں تمہارے نقصان یا یہودی کا مالک نہیں۔" ﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ [الحج: 21] "کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ سے اور کوئی بھی پناہ نہ دے سکے گا اور میں تو اس کے سوا اور کسی کو اپنا سہارا بھی نہیں پاتا۔"

ہاں صادق وہ ہے جو اپنے عزیز و اقارب کی نسبت بھی یہ پیغام سناتا ہے: ﴿وَإَسْأَلُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: 214] اپنے خاندان کے قریب ترین اشخاص کو بھی ڈرادے۔

وہ صادق ہے۔ منازل روحانی میں صدق کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے۔ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی معیار احوال صدق ہی

وہ دروازہ ہے جو دربارِ جلال تک پہنچاتا ہے۔ صدق ہی بنیاد دین ہے اور صدق ہی کی چوب پر یقین کا خیمہ کھرا کیا جاتا ہے۔ صدق ہی ہے جس کا سوال ظلیل رب العالمین نے فرمایا تھا:

﴿وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾ [الشعراء: 214] ”میرا ذکر خیر آنے والے لوگوں میں بھی قائم رکھو۔“  
صدق ہی ہے جس کی مجلس دربارِ شاہی کے قریب منعقد ہوئی۔ ﴿فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ [القمر: 55] ”پاکیزہ اور راستی والی بیٹھک میں اپنے عزت والے بادشاہ کے پاس“ نبی ﷺ ہی صادق ہیں اور حضور ﷺ کا یہ نام یوحنا کو مکاشفات میں بتایا گیا ہے۔ حضور ﷺ ہی صادق ہیں، اپنی قوم میں اور اپنے وطن میں اطراف و اکناف میں حضور ﷺ ہی نام سے قبل از نبوت روشناس ہوئے۔ ﴿الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ﴾ [الزمر: 330] ”وہ جو صدق کو لے کر آیا“ حضور ﷺ ہی ہیں جس کے قبیلین صدیقیت و محمدیت کے مراتب پر فائز ہوئے۔

وہ مصدوق ہے، اس کے صدق پر زمین و آسمان گواہ ہیں۔ اس کے صدق کی شہادت میں برو بجز تر زبان ہیں۔ عیسائیوں کے رہبان اور اہبار یہودیوں کے ائمہ اور ریبون اس کی صداقت کے کلمہ خواں ہیں۔ لات منات و عزری کے پجاری اپنے اپنے کذب و بطلان اور حضور ﷺ کے صدق و حقانیت کے معترف ہیں۔ زبور اور امثال ذی الکفل اور دانیال، یسعیاہ، جقوق و حزقائل، تھی و ملاکی، زکریا و یحییٰ علیہم السلام کے صحیفے اس کے صدق و حقانیت کے بیان سے مملو ہیں۔ عباس بن مردیاس جو عیسائیوں کے مشہور شپ تھے اپنے قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

فَأَنْتَ يَا اللَّهُ الَّذِي آتَا عَبْدَهُ  
وَوَجَّهْتُمْ وَجْهِي لِحَوْ مَكَّةَ قَاصِدًا  
وَحَالَفْتُ مَن أَمْسَى يُزِيدُ الْمَهَالِكَا  
وَبَايَعْتُ بَيْنَ الْأَخْشِيِّينَ الْمُبَارِكَا  
نَبِيَّ آتَانَا بَعْدَ عِيسَى بِنَاطِقِي  
مِنَ الْحَقِّ فِيهِ الْقَضَلُ كَدَالِكَا

① میں ایمان لایا اس اللہ تعالیٰ پر جس کا میں بندہ ہوں۔ گزشتہ کمال ہی اس کی مخالفت کر کے ہلاکت و بربادی کا موجب ٹھہرا۔  
② مکہ کا ارادہ کر کے میں نے اپنے چہرہ کو اس کی طرف متوجہ کیا اور میں نے اس کی بیعت دو کھردرے کناروں کے درمیان کی۔  
③ وہ ایسا نبی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا ہے، اپنے رب کی مرضی سے بولتا ہے اور یہی اس کی فضیلت و توقیر ہے۔  
④ وہ ہلا ہے۔ وہ زہرۃ الحویۃ الدنیا سے دور ہے۔ وہ نعمت ہائے باقیہ سے پرورش یافتہ ہے۔ وہ وَرَجِي لَهْ قَوْلًا کی سند ہاتھ میں لے کر آیا۔ اس کی راحت، اس کی آسائش اس کی خوشنودی، اس کی رضا کار رب العالمین خود گمران ہے۔

⑤ وہ طیب ہے۔ اس کی اصل، اس کی نسل اس کی ازواج، اس کی ذریت، اس کا پیکر اس عنصر ارجاس و انجاس و عیوب و نقائص قباح اور زائل سے پاک ہے۔ وہ زکی ہے، وہ طاہر ہے، عظیمیون اس کے ثنا گستر ہیں اور قدوسی اس پروردخواست، سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

صَلَّى الْإِلَٰهَ وَ مَن يَحْفَ بِعَرِشِهِ  
وَ الطَّيُّونَ عَلَى الْمُبَارِكِ أَحْمَدِ

اللہ رب العزت اور اس کے عرش کو گھیرنے والے فرشتے اور نیک لوگ احمد مجتبیٰ ﷺ کی باہرکت ہستی پر درود بھیجتے ہیں۔  
وہ طاہر ہے، وہ حسب و نسب میں عالی ہے، آباؤ اولین جو امی کے نور کے حامل تھے۔ سفاح سے پاک رہے اور عمود و نسب سے جملہ

بزرگان محترمین میں اغیار کی غلامی سے آزاد۔

وہ ظاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اس نے طہارت کی تعلیم دی اور اسی نے طہارت ظاہری و باطنی سے اپنے قمعین کو پاک ٹھہرایا۔ اس کی تعلیم نے ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾ [البقرہ: 108] کی جماعت کو قائم فرمایا اور اسی کے احکام و انعال کی عاقبت ﴿تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ﴾ [البقرہ: 103] کو ٹھہرایا ہے۔  
 ﴿وَإِنَّ عِبَادَ اللَّهِ لَخَلْقٌ مِّنْ خَيْرٍ﴾ ہے۔ عبودیت ہی کمال انسانیت ہے اور عبودیت کی تکمیل منازل نبوت ہی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی نبی اللہ کا ذکر پیر اور محبت اور قبولیت کے لہجہ میں فرماتا ہے تو اس جگہ لفظ عبد کا اضافہ فرماتا ہے۔

﴿وَإِذْ كَرَّمَ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَالِ الْأَيْدِ﴾ [ص: 17] ”ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کرو جو بڑی قوت والے تھے۔“

﴿وَإِذْ كَرَّمَ عَبْدَنَا أَيُّوبَ﴾ [ص: 41] ”اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو۔“

﴿ذِكْرٌ رَّحْمَةً رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَّرْنَا﴾ [مریم: 2]

”یہ تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر کی تھی۔“

نبی ﷺ کی عبودیت وہ شجرہ طیبہ ہے جس کے پھل نہایت شیریں ہیں۔

① ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ [الفرقان: 1] نزول قرآن کا سبب عبودیت کا ملکہ ہے۔

② ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا بِحُكْمِ اللَّهِ وَرِئَاسِ الْأَنْبِيَاءِ﴾ [البقرہ: 36] کفایت الہیہ کا سبب عبودیت ہے۔

③ ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: 6] معراج عبودیت کا ثمرہ ہے۔

④ ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ [الانعام: 10] خطابات عالیہ کا شرف عبودیت پر عطا ہوا۔

یہ سچ ہے کہ مسیح (علیہ السلام) نے بھی صدیقہ مریم (علیہا السلام) کی گود میں اپنی عبودیت کا ثمرہ لیا تھا۔

اور حضور ﷺ کو بھی آیت ﴿وَإِنَّهُ لَمَّا كَانَتْ سَاخًا مِّنَ الْمَاءِ﴾ [الحج: 19] میں عبد اللہ فرمایا گیا ہے لیکن ہر دو مقامات پر تفاوت درجات کا نور اپنی نیا میں روشن ہے۔ اسی عبد اللہ حضرت مسیح کا اپنا قول ہے۔ ہنوز فعل اس کی معیت میں نہیں۔ نبی ﷺ کو خود رب العالمین نے عبد اللہ فرمایا اور حضور ﷺ کی قیام بر عبادت اور قیام بر دعوت کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے۔ ہاں وہ عبد اللہ ہے اور اس کی عبودیت کا شاہد خود معبود و معبود ہے۔

وہ عبد اللہ ہے اور دعوت عبودیت میں وہ سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ وہ عبد اللہ ہے اور اس نے کلمہ توحید میں اپنے مبارک و محمود اسم کے ساتھ عَبْدُہُ، وَرَسُولُہُ، كَوْزُوہُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، ناممکن ہے کہ کوئی شخص کلمہ شہادت پڑھنا چاہے اور وہ اسم اللہ کے ساتھ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، اور اسم محمد کے ساتھ عَبْدُہُ، وَرَسُولُہُ، نہ پڑھے۔

اسے مالک میں بھی اس مقام پر کلمہ شہادت کو دہراتا ہوں اور تیرے خزانہ رحمت میں بطور امانت سپرد کرتا ہوں:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ، وَرَسُولُهُ، رَضِيْتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَ

بِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) نَبِيًّا وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا۔ (3)

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وحدہ لا شریک ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کو اپنا رب، اسلام کو دین اور محمد کو آخری نبی اور قرآن کریم کو اپنا امام ماننے پر راضی ہوں۔“

① وہ غلو ہے۔ عفو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے اور نبی ﷺ کی صفات عالیہ میں سے بھی جملہ صفات نبوی ﷺ اللہ تعالیٰ ہی کی صفات الہی کے ظلال ہیں اور حضور ﷺ کے جملہ محاسن عطیاتی ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔

② کوہِ جَعْفَرِ کے اسی (80) اعدائے دین کو جنہوں نے حضور ﷺ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروف نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ③

④ نہب بنت الحارث بن اسلام خیری کو جو مسموم گوشت کا ہڈی لے کر آئی اقبال جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ⑤

③ سردارانِ قریش نے 13 سال تک اشاعتِ اسلام کو روکا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشقِ ستم اور ہدفِ تیر و نیزہ بنایا۔ مغلوب کر لیے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ④

④ ابنِ سلول رئیسِ المنافقین اور اس کی جماعت اہلِ شرک کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی بچکانہ حرکات سے درگزر کرنے والا وہی ہے۔

⑤ جنگِ حنین کے چھ ہزار (6000) قیدیوں کو ایک ربانی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔ حسان بن علیؓ فرماتے ہیں:-

عَفُوٌّ عَنِ السَّرَّالَاتِ يَسْفِلُ عُنْدَهُمْ  
قِيَانُ اٰخِسْنُوْا فَاَللّٰهُ بِالْخَيْرِ اَجْوَدُ

”وہ نبی عفو کرنے والا دشمنوں کے عذر کو قبول کر کے ان کو معافی دینے والا ہے۔ اگر وہ سبکی کریں تو اللہ تعالیٰ

بھلائی میں بہت آگے ہے۔“

دنیا کی تاریخ ایسے عفو و درگزر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

① وہ فاتح ہے اگر فتح کے معنی کشور کشائی و ملک گیری ہیں تو یقیناً حضور ﷺ کی سیرت پاک میں اس کے نمونے بہت کم ملیں گے۔ حضور ﷺ کے مشہور غزوات جن میں لڑائی بھی ہوئی۔ بدر و احد احزاب و خیبر اور حنین ہیں۔ ان پانچوں میں سے فاتحانہ قبضہ صرف خیبر پر کیا گیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ وہاں کی ارضیات پر انہی دشمنوں کا قبضہ قائم رکھا گیا اور ان سے صرف حق مالکانہ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ باقی چار مقامات کی بابت سنو کہ احد اور احزاب کی جنگ خود مسلمانوں کی اپنی زمین پر ہوئی اور بدر و حنین میں فتح کے بعد بھی کوئی علاقہ شامل خالص نہ ہوا تھا۔

یہ وجوہات بالاضروری ہے کہ اسم فاتح کے معنی پر غور کیا جائے۔ قرآن مجید میں سورہ اِنَّا فَتَحْنَا مَوْجِدًا مَوْجِدًا اور اسی میں حضور ﷺ کی فتحِ مبین اور نصرتِ عزیز کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ وہ فتح صرف اسی ایک استحقاق حاصل کرنے کا نام ہے کہ آئندہ تبلیغِ اسلام میں قریش مداخلت نہ کریں گے۔

① مسلم 4679، ابوداؤد 2688، ترمذی 3264، احمد 290، 124/3، بخاری 5777، 2617

② سنن الکبریٰ، بیہقی 118/9، سیرت ابن ہشام 412/4، تاریخ طبری 61/3

ہاں حضور ﷺ فاتح ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی تعلیم سے نادانوں کے سینے کھول دیئے۔ اسرار روحانی واضح کر دیئے، صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے سامنے جو موانع موجود تھے ان کو دور فرما دیا، حریتِ عطا فرمائی اور آزادیِ دین کے حقوق سے سب کو بہرہ مند فرمایا۔ عمان کا حکمران اکیدر کا بادشاہ، حبشہ کا تاج وزین کا فرمان روا، شام کا حاکم مختار اپنے اپنے مقامات پر تمیم اور اپنے اپنے ممالک پر متصرف اور اورنگ نشین ہیں۔ لیکن ان کے دل و دماغ کو اس حبیب اللہ ﷺ نے فتح کر لیا ہے اور اب ان کو فہم دی باخلاص کہلانے میں وہ مزہ ملتا ہے جو شاہ گرووں، قباہ کہلانے میں نصیب نہ تھا۔

وہ دلوں کا فاتح ہے، وہ قلوب پر قبضہ کرنے والا ہے، وہ روح ورواں ہے اور تاب و توان کی جان ہے۔

﴿وہ قاسم ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: اَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ مُعْطِيٌّ﴾ "دینے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں۔" حضور ﷺ نے کن کن فیوض و برکات کو عام کیا اور کن کن تجلیات و تدلیات کو بصیرت افروز بنایا، کن کن آلاء و نعم سے دنیا کو مستمع کیا اور کن کن عطایا سے اہل دین کو ممتاز بنایا۔ یہ ایک وسیع بیان ہے۔

اس عرب کو جو گونہ علوم اور تہذیب حقائق تھا۔ حضور ﷺ ہی کی تقسیم نے سیر اور سیراب بنایا، جن نعمتوں کے تجلید دار اہل زرتشت تھے اور جن آلاء کے خازن اسرائیل تھے اور جس پر شاد کے بھنداری لگنا جتنا پر قبضہ کرنے والے تھے، ان جملہ خزانوں و دفائن کو حضور ﷺ نے نکالا اور عرب پر تقسیم کر دیا۔ وہ عرب جو اب تک ریگ بیابان اور سنگلاخ وادی کے سوا اور کسی شے کے مالک نہ تھے انہی لوگوں نے اپنی عطیات کا حصہ دار ہر ایک انسان کو بنایا۔ انہی نے ہر ایک صادر و وارد کو اپنے دستِ خوان پر بٹھلایا، انہی نے مساکین و ایتانے سبیل کے لیے مشرق و مغرب تک لنگر جاری کیے۔ پیاؤ بٹھلائے، برابر کا بٹھلایا، برابر کا پلایا، غیروں کو اپنا کیا اور دشمنوں کو چھاتی سے لگایا اور اسی طرح پر آج تمام دنیا زلہ خوار کرم مصطفیٰ ﷺ ہے اور جملہ اہل عالم تک خوار احمد مجتبیٰ ﷺ ہے ورنہ یہ حقائق، یہ معارف دنیا کو کہا نصیب تھے؟

﴿وہ مصطفیٰ ہے۔ نبی ﷺ کے خاص اسمائے مبارکہ میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اسم مصطفیٰ اب حضور ﷺ کے لیے بطور علم مستعمل ہے اور دوسرے کے لیے نہیں آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ آدم اور نوح اور ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام خصوصیت سے وہ بزرگوار ہیں، جن کے لیے فعل مصطفیٰ کا اطلاق ہوا ہے اور مصطفیٰ کا سبب یا ذریعہ کلام الہی اور وحی ربانی کا نزول تھا۔ یہ وجود امتیاز بدرجہ اتم و اکمل و وجود نبی ﷺ میں موجود ہیں۔ کتاب استثناء کے باب 18 میں نبی ﷺ کی خاص وجہ شناخت یہی فرمائی گئی ہے کہ اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہوگا۔ وحی کا نزول اور اس کا تسلسل تنزیل اور تحمیل کی کیفیت جو کچھ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے وہ اور کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ لہذا محمد ﷺ ہی وہ برگزیدہ و چیدہ ہستی ٹھہرے جن کا نام مصطفیٰ ہوا اور جن کا مصطفیٰ ہر ایک مقدس کے مصطفیٰ سے برتر و اعلیٰ ہے۔

قرآن مجید میں ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾

"اللہ تعالیٰ نے آدم و نوح و آل ابراہیم اور آل عمران کو دنیا جہاں پر فضیلت بخشی۔" [آل عمران: 33]

فرمایا گیا ہے۔ آل ابراہیم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود اور حضور ﷺ کی آل ہر دو شامل ہیں اور اس اسلوب کلام کے اختیار کرنے کی وجہ یہی یہی کہ آل ابراہیم کا مصطفیٰ حضور ﷺ ہی کی شمولیت پر مبنی ہے۔

404 وہ مطاع ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت کرنے والوں کی شناخت کے لیے یہ معیار مقرر کر دیتا ہے کہ انبیاء الہی کی اطاعت کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے اور اطاعت انبیاء سے گریز کرنے والے ہی اطاعت ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیے جائیں گے۔ اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے بطور قانون حکم ظاہر فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [النساء: 46] "نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اطاعت کی گئی۔"

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی ﷺ کی نسبت خصوصیت سے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: 80] اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی۔ بعد ازاں فرمایا:

﴿إِنْ تَطِيعُوا تَهْتَدُوا﴾ [النور: 54] "اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب بن جاؤ گے۔"

قرآن مجید میں ﴿مُطَاعٌ تَمَّ أَمِينٌ﴾ [التہ بر: 21] حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے اور سورہ تحریم میں ﴿وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظٰهِيْرًا﴾ [التحریم: 14] نازل کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ مطاع آسمانی اور امین وحی ربانی بھی حضور ﷺ کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مؤمنین۔ ہر دو آیات نے نبی ﷺ کا سب سے بڑھ کر مطاع ہونا واضح فرمایا ہے۔

لہذا اب کوئی نبی یا مرسل، کوئی ملک یا حامل وحی، کوئی پیرو مرشد، کوئی امام، کوئی شہید، یعنی مخلوق الہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیدنا مولا نامہ ﷺ کے سامنے مطاع کہلانے کی جرأت کر سکتا ہو یا جس کی اطاعت محمد ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر باعث ہدایت و قرب ربانی بن سکتی ہو۔ حدیث پاک و "لَوْ كَانَ مُؤَسَّسًا حَتَّى لَمَّا وَسِعَتْهُ إِلَّا اتَّبَاعٌ" اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اطاعت کے بنا کوئی چارو نہ تھا۔" اسی راز کی کاشف ہے۔ ہاں ہر ایک کلمہ خواں اسلام کا دین و ایمان یہی ہے کہ قرب الہی اور رضوان سبحانی اور مغفرت و نجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اطاعت محمدی ﷺ ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا مدعی بن کر حضور ﷺ کی اطاعت سے اظہار استنفار کرے تو وہ مغفرت و نجات سے دور ہے اور قرب و رضوان کے منازل عالیہ سے محروم۔

نبی ﷺ ہی مطاع ہیں اور حضور ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ ائمہ دین اور اصحاب کرام کے مدارج و مناسب اس لیے دیگر مخلوق سے برتر و عالی ہیں کہ یہ بزرگوار حضور ﷺ کی اطاعت میں مستحکم اور کامل ترین۔

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دوسرا ست  
کے کہ خاک درش نیست خاک بر سر ادست  
پندار سعدی کہ راہ صفا  
تو ان یافت جز درپے مصطفیٰ

405 دو ماہی ہے۔ صحیحین کی تفسیق علیہ حدیث پاک عن جبر بن مطعم رضی اللہ عنہم میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ لِيْ خَمْسَةَ أَسْمَاءٍ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاجِسِيُّ الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِي الْكُفْرَ وَأَنَا الْمَحْشِيُّ الَّذِي



يُحَسِّرُ النَّاسَ عَلَى قَدَمَيْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي نَبِيٌّ ۝

حضور ﷺ ماجی ہیں، کفر و ضلالت کو محو کرنے والے، شرک اور ماسوا پرستی کو مٹا دینے والے۔ حجاب رسم و نفس کو اٹھا دینے والے، کفران و خذلان کے غاروں کو بھر دینے والے، طغیان و عصیان کی بلند چوٹیوں کو بیست کر دینے والے حضور ہی ہیں جنہوں نے عرب کے تین سوساٹھ بتوں کو ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [یٰسرا: 81] کا حکم سنا کر اوندھے منہ گرایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کے ارشادات کے بعد نصاریٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو والدہ خدا کہنے سے اجتناب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کی تعلیم نے مانی مشرک کی ناپاک تعلیم سے ایران کو نجات دی۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کی ہدایت نے دام مارگیوں چتر رنگد یوں جیسے فحش پسند فرقوں کا بیڑہ غرقاب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے معصوم بچیوں کو پوند خاک ہونے سے اور ناکردہ گناہ واپسوں کو زندہ نذر آتش بنائے جانے سے بچایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے عمرو قمار کو جس و خمس بتایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنہوں نے ایک نشلی چیز کو جو ہر صحت انسانی کا دشمن ظاہر کیا۔ الغرض مفاسد و ردائل کو مٹانا، سکارہ و ماتم کو محو کرنا حضور ﷺ ہی کی پاک اور طیب تعلیمات کا خاصہ ہے۔ لہذا حضور ﷺ کا ماجی ہونا مسلم ہے۔

﴿وہاشر ہے، قیامت کے دن مرقد پاک اور آرام گاہ خاص سے سب سے پہلے سرائٹھانے والے احیائے موتی کی کیفیت کو ملاحظہ کرنے والے، مناد رب العباد کی ندا پر سب سے پہلے لبیک پکارنے والے، عذر خواہی امت کی سب سے پہلے چارہ گری فرمانے والے حضور ﷺ ہی ہیں۔﴾

﴿وہ عاقب ہے۔ سب سے پیچھے آنے والا۔ جملہ انبیاء علیہم السلام کی اقتدا کو جمع کرنے والا عدیم الظہیر، عدیم المثال آغاز نبوت کا انجام اور انجام رسالت کا تمام۔﴾

﴿وہ نور ہے اسی کے دین پر چلنے والا﴾ ﴿فَهُوَ قَلْبِي نُورٌ مِنْ رَبِّي﴾ [الزمر: 22] کے نورانی خلعت سے ممتاز ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب کو نور بتایا گیا ہے۔ ﴿وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي نَزَّلَ مَعَهُ﴾ [المرآة: 157] اس نور کا اتباع کیا جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔ اسی کا مبارک نام سورہ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ [المائدہ: 15] خازن و معالم میں نور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات بتایا ہے۔ حضور ہی وضوح امر اور تین نبوت میں نور ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم تو پر قلوب کے لیے نور ہے۔

حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ذیل پر غور کرو اور دیکھو کہ حبیب الدعوات سے روزانہ کس شے کا سوال ہے؟ کیا ذات سبحانی کسی کا سوال رو بھی فرماتی ہے؟

اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَيَسَارِي نُورًا وَفِي فَوْفِي نُورًا وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا وَفِي دَمِي نُورًا وَفِي عَضِي نُورًا وَفِي شَعْرِي نُورًا وَفِي بَشَرِي نُورًا اللَّهُمَّ اعْظِمْنِي نُورًا اللَّهُمَّ اعْظِمْنِي نُورًا -  
اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي نُورًا ۝

”الہی امیرے قلب میں اور ہو، میری آنکھوں میں تو، میرے کانوں میں نور، میرے دہانے نور، میرے بائیں اور میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور، نور کو میرا بنا دے، میری زبان میں نور ہو، میرے خون میں نور ہو، میرے پٹھوں میں نور ہو، میرے بالوں میں نور ہو یا اللہ مجھے نور عطا فرما۔ یا اللہ میرے نور کو بڑھا یا اللہ مجھے نور ہی بنا۔“

کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ ”بانہ سعد“ میں کہتے ہیں:

ع إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ مُّبِينٌ

49) وہ مدثر ہے۔ تدثیر کے معنی ہیں طائر کا اپنے گھونسلے کو درست کر لینا، کاشانہ عالم حضور کے علوم مراتب کے مقابلہ میں ایک آشیانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آشیانہ کو درست و محکم بنا دینا اہل عالم کی ضروریات مادی و اخلاقی و روحانی کو مکمل فرمادیتا ہے۔ یہ تکمیل انذار اور تکبیر و تہلیل ربانی اور تطہیر خلقت از علق مادی و قلبی کی تدابیر سے فرمائی گئی ہے۔ رجز و رجز کو دور فرما کر طہارت ظاہری و باطنی سے اہل عالم کو مطہر بنانا اسی مدثر کا کام ہے۔

50) وہ منزل ہے: اس کی آنکھیں دنیائے تیرہ و تاریک کے بد نما چہرہ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے کان زور کے کذب و بہتان کو نہیں سن سکتے۔ وہ گھبرا کر غار حرا کے خلوت کدہ میں چلا جاتا ہے اس کی پاک فطرت کے مطابق تجلیات قدسیہ کو اس کے سامنے کھول دیا جاتا ہے۔ ملکوت اعلیٰ کے مظاہر کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کلام لم یزل سامع نواز بن جاتا ہے۔ اس وقت ترہب و تہلل کا راز آشکار کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ ظلمت کدہ آفرینش سے بیزار ہوئے اکثر انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ دانش مند بدھ مرتاض دیو جانس رشی ویدیا س وغیرہ ہم نے جو آسمان تاریخ کے روشن کو اکب ہیں اسی روش کو پسند فرمایا، ہزاروں سن اور منک نے ٹیک نیچی سے رہبانیت ہی کو اس دنیائے غدار سے چھوٹنے کی اعلیٰ تدبیر سمجھا۔ ہزاروں جینی درویش اسی ریاضت میں اپنی جان پر کھیل گئے۔

قدرت رہانیہ نے تہلل کا نسخہ اس منزل کو بتایا۔ وہ فوراً کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا سارا بدن مخلوق کی رہنمائی اور عقدہ کشائی میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس کی ساری رات اپنے مالک کے سامنے معروضات کے پیش کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اس کی انذار و بشارت بعض کے سامنے فرعونوں کے انجام کو قریب کر دیتی ہے اور بعض کو ہلاکت و تباہی کے بحر احمر سے بچیر و سلامت گزر جانے کے لیے دلیل راہ بن جاتی ہے۔ ہاں وہ منزل ہے، وہ فرعونوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام جیسا شکوہ اور ایمانوں کے لیے عیسیٰ علیہ السلام جیسا یقین اور مذموم عاقبت والوں کے لیے ہدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آیا ہے۔

51) وہ مشہود ہے، امام قرظی کا بیان ہے کہ انبیاء علیہم السلام شاہد ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہیں۔ قرظی کا فرمودہ درست ہے۔ سیدنا یعقوب، موسیٰ داؤد، سلیمان، وضحیاء، ودانی اہل درمیاد و حقوق و یوحنا و مسیح علیہم السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کی اطلاع دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ولادت و ہجرت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام اللہ کا نزول، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم اور راست بازی کا ملکہ کے دروس پاک کا ذکر فرمایا ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کی زبان پر با تحقیق مشہود ہیں۔

کارلائل، سر موروا شکتن، جان ڈیون، ایڈورڈ کمن جیسے بے باک آزاد خیال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن ضمیری خیر خواہی

خلاق، بلاشبہ زندگانی، پاک ترین حیات، پاک ترین مقصود کے لیے پاک ترین تدابیر کے عمل میں لانے کے مدحت طراز اور توصیف نگار ہیں۔  
ہاں! وہ زمین و آسمان جس میں روزانہ اس کی عبودیت و رسالت کی شہادت نوبت اوقات خمسہ میں بلند آوازہ ہے۔ حضور کا مشہور ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔

﴿۴۹﴾ وہ رؤف اور رحیم ہے۔ ہر دو اسماء یقیناً اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں حضور کو ﴿بِاسْمِ الْمُؤْمِنِينَ رَوْفٌ وَرَحِيمٌ﴾ [النوبہ: 128] ہونا مسلم ہے۔ اختصار نگار کے لیے یہی سند کافی ہے۔

﴿۴۹﴾ وہ مذکر ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کہ قافلہ بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو وہ آگے بڑھتا ہے۔ خشک چھروں کی اونٹ اور ریت کے بستر پر لیٹنے والوں کی تذکیر فرماتا ہے اور وہی مبارک نام جس کی تذکیر فرمائی گئی، سننے والوں کے دل و زبان پر بطور ذکر و دوام جاری ہو جاتا ہے۔

وہ مخالفین کی محظوظوں، سالانہ منڈیوں پر رونق میلوں، ٹھیلوں میں جاتا ہے اور بلائیکہما الناس قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا "اے لوگو! کلمہ حق کی گواہی دے دو فلاح پا جاؤ گے۔" ﴿۱﴾ کی تذکیر فرماتا ہے۔

وہ پہاڑ پر جاتا ہے، پتھر کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پاک نام غافلوں کی جماعت تک پہنچاتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں نرغہ اعداء میں گھرا ہوا ہے، اس کا بازو اس کا سر، اس کے دو دندان سنگباری سے مجروح ہیں لیکن وہ اس حالت میں بھی تذکیر فرما رہا ہے، وہ بستر پر پڑا ہوا ہے۔ دو دن سے شدید تپ ایک منٹ کے لیے بدن سے الگ نہیں ہوئی۔ دروسر بھی ہے، ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہے لیکن وہ تذکیر میں مشغول ہے۔ وہ وصایا و نصائح سے امت کے مستقبل کی فکر فرما رہا ہے اور اللہ پاک کا نام تلقین کر رہا ہے۔ وہی مذکر ہے اور تذکیر اسی پر ختم ہے۔

﴿۵۰﴾ وہ مبارک نام ہے۔ لفظ برکت، بَسْرَكَ الْبَسِيرُ سے ماخوذ ہے۔ اونٹ کا جم کر بیٹھ جانا۔ اس لفظ کا مفہوم لغوی ہے۔ برکت میں استقرار اور دوام کے معنی داخل و شامل ہیں۔ وہ مبارک ہے۔ اس کا دین ہمیشہ تک رہنے والا ہے۔ اس کی شریعت نسخ سے ہمرا ہے۔ وہی تاقیام قیامت سب کا ہادی ہے۔ اسلام جہاں پہنچ گیا، جم گیا۔ سب ملک اسی کے ہیں، وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتا ہے۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسم کا استعمال کیا ہے۔

صَلَّى إِلَاهُ وَمَنْ يَحْفَ بِعَرْشِهِ  
وَ الطَّيُّونَ عَلَى الْمُبَارِكِ أَحْمَدُ

"درود بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عرش عظیم کے ارد گرد فرشتے اور نیک و پاکیزہ لوگ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات گرامی پر۔"

سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے جو راہب نصرانی تھے اپنے نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے:

وَوَجَّهْتُ وَجْهِي نَحْوَ مَحَجَّةٍ قَاصِدًا  
وَبَسَيْعَتُ بَيْنَ الْأَحْمَسَيْنِ الْمُبَارِكِ

﴿۵۱﴾ وہ مہاجر ہے۔ قرآن مجید مہاجرین و انصار کے فضائل و مدارج سے مملو ہے۔ مہاجرین کو انصار پر مزیت خاص و امتیاز خاص ہے۔

مہاجرین وہی ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی اقامت کو پورا کیا، گھربار خویش و تبار وطن و دیار کو ترک کر دیا، مگر حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مہاجرین کی ہجرت حضور ﷺ ہی کی ہجرت سے مقبول رہانی ہوئی۔ حضور ﷺ مہاجر ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم و لوط و اسماعیل و موسیٰ و ہارون علیہم السلام بھی مہاجر تھے۔

﴿وہ ہادی ہے۔ ہدایت کے معنی و مفہوم وہ ہیں۔﴾ کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا۔ آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [انعام: ۱۰۶]

”تو ہدایت نہیں دے سکتا اسے جسے تو پسند کرتا ہے، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کسی کو بھی وہ چاہے۔“

﴿کسی کو ایمان و یقین کی طرف بلانا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل و براہین روحانی یا عقلی سے اور اپنے افعال حمیدہ و اقوال حکیمہ سے مستحکم کرنا بلا مشابہہ غرض اور بلا آمیزش طمع خالصہ خیر خواہی و نیک سگالی کے فرائض ادا کرنا اس مفہوم کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی ذات پر ہوتی ہے اور آیت ذیل میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ [الضحیٰ: ۵۲]

”تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔“

نبی ﷺ نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جملہ بہترین طریقوں کو جمع فرمایا تھا۔ کشادہ روی، نرم خوئی، خلق عظیم ایسی صفات تھیں کہ دشمن بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی واضح بیانی ایسی کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا، سامع کے قلب میں اتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وارد کرنے میں حضور ﷺ نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ثرولیدہ تقریروں اور مطلق الفاظ اور التزام محصم وغیرہ کے جملہ مسلک ترک کر دیے تھے۔ حضور ﷺ کے دلائل انفسی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کر دینا انسان کے ماحول کو انسان کے لیے دلیل راہ بنادینا حضور ﷺ کا مبارک شیوہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر ان قوانین فطرت کو کھول دیا تھا جن پر مخلوق کی آفرینش ہوئی ہے۔ لہذا حضور ﷺ کے دلائل بھی براہ راست مرشحت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ و بیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

مع ہذا حضور ﷺ نوع انسانی کے لیے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور ﷺ کے افعال، حضور ﷺ کے اقوال کے مصداق ہوتے تھے اور حضور ﷺ کے اقوال حضور ﷺ کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر باطن کے توافق اور افعال و اقوال کے تطابق نے حضور ﷺ کو نوع بشر کا سچا ہادی بنا دیا تھا۔ ضرار بن الخطاب الغمری رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

يَا نَبِيَّ اللَّهِ الْهُدَى إِلَيْكَ لِجَاجِي فُرَيْشٌ وَلِدَت حِينَ لَجَاءِ

”اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ میری پناہ گاہ ہیں اور قریش اب آپ ہی سے پناہ طلب کر رہے ہیں۔“

نابغہ جعدی کا شعر ہے:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ بِالْهُدَى وَبَسَلُوا كِتَابًا كَالْمَجْرَقَةِ يَسْرًا

”میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب وہ ہدایت کے ساتھ آئے اور کتاب (قرآن کریم) پڑھ رہے ہیں جو روشن

۱۶۹ وہ سب سے ہے۔ وہ سید ہے، وہ سید الناس ہے، وہ سید البشر ہے۔ اس کا صدق، اس کی دیانت، اس کی راسخ سب پر ثابت ہو چکی، اب خواہ اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں۔ قرونِ ماضیہ میں بعض اقوام کے پاس یکے بعد دیگرے تین تین نبی بھیجے گئے اور وہ صرف ایک نغمہ طیب کو جنت تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سید وہ ہے جو اکیلا آیا، سینکڑوں اور ہزاروں کو ظلمات سے نکالنے اور نور میں پہنچانے کا سبب ٹھہرا۔ وہ کبھی عرب سے باہر نہیں گیا۔ مگر اس کی تبلیغ نے دنیا کے ہر ایک براعظم پر قبضہ کیا۔ وہی اندھوں کے لیے بینائی ہے اور وہی بیٹاؤں کے لیے روشنی دلوں پر گرے ہوئے پردوں کو اٹھا دینے والا، بہرے کانوں تک صدائے حق پہنچا دینے والا، اسرائیلیوں اور اسماعیلیوں کی منافرت کو دور کرنے والا، عرب اور عجم کو ایک کر دینے والا، وہ احرار کا سید اور غلاموں کا مولیٰ ہے۔ امویہ، عباسیہ، قاطبیہ، رشیدیہ، مغلوں اور ترک افغانی و مراکشی الجزائر و حجازی اگر چہ اپنی اپنی فرماں وہی حکمرانی میں اپنے آپ کو لاثانی سمجھتے ہیں۔ ایک سلطنت دوسری سلطنت کی ابہت شوکت سے انکاری ہے، لیکن حضور ﷺ کی کفش برداری کو ہر ایک تاجدار اپنا افتخار سمجھتا ہے۔ حضور ﷺ کے دربار میں خاک پر جگہ مل جانے کو تخت و اورنگ کی نشست سے بہتر جانتا ہے۔ درحقیقت حضور ﷺ ہی سید ہیں اور حضور ﷺ ہی سرور عالم ہیں۔

۱۷۰ وہ خاتم النبیین ﷺ ہے۔ آیت قرآنیہ میں ﴿وَلَكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّیْنَ﴾ [احزاب: 40] فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں کیسی برقی طاقت موجود ہے۔ علیٰ قاع انسان پر اس کو کتنی قدرت حاصل ہے۔

اس آیت سے جو شتر ہی بنی اسرائیل میں سینکڑوں اور ہزاروں کو نبی تسلیم کیا گیا۔ ہندوؤں میں کروڑوں اشخاص کو دیوتا مانا گیا، چین و ایران میں بھی سروش بزدانی کا نزول اور ملکوئی جلال کی تدلیات ہزاروں پر اترتی رہیں، مگر اس آیت کا اثر تھا کہ تمام مذاہب اور جملہ ممالک اور جمیع اقوام کے علم و خیال اور دل و دماغ سے وجود نبوت اور اس کے دعویٰ کے اظہار کا تصور و خیال ہی اٹھ گیا۔ سب نے اپنے اپنے گھروں میں بھی نبوت کے دروازوں پر قفل ڈال دیے اور ہر ایک مذہب نے اپنے طریق عمل سے صحت مضمون آیت پر صادر کر دیا۔ دیکھیے اسے کہتے ہیں نصرت ربانی اور اسے کہتے ہیں کلام ربانی، جس کے نزول کے بعد منکرین نے بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور مخالفین نے بھی اس مسئلہ پر اپنا عملی اتفاق پیش کر دیا۔ نظامی تجوی فرماتے ہیں۔ عباس بن مرداس سلمیٰ فرماتے ہیں: ﴿یَا خَاتَمَ النَّبِیَّاتِ اِنَّكَ مُرْسَلٌ بِسَالِحِیْ كُلِّ هَدٰی السَّبِیْلِ هَدَاکُمَا﴾

”اے خاتم الانبیاء بلاشبہ آپ کو حق کے ساتھ بھیجا گیا، ہر رشد و ہدایت کا راستہ آپ ہی کی طرف سے ہے۔“

اب میں اس مضمون کو جو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے، اسم مبارک احمد ﷺ کے اعداد (54) پر ختم کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ پھر بھی اسم مبارک محمد ﷺ کے اعداد (92) تک وسعت دی جائے گی اور معانی و لطائف بھی ذرا وسعت و فصاحت سے کام لیا جائے گا اور پھر بھی یہی ہوگا کہ اس اعتراف کو کمزور نہ کر دہرانا رہوں گا۔

دایمان نگہ و عمل حسن تو بیار  
کلکچیں تو ز تنگی دایمان گلہ وارو

دایمان اپنا ہی نگہ ہے وگرنہ گل اور پھول حسن تو بہت ہیں۔ گل و بہار کی زیادتی کے سامنے دایمان اپنی تنگی پر شکوہ کننا ہے۔

### سنت مصطفویہ و طریقتہ محمدیہ ﷺ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "الشفاء فی بیان حقوق المصطفیٰ" میں حدیث ذیل پر روایت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق اور مدارک عبادت کا وضوح بخوبی ہوتا ہے۔

مصنف کا جو درجہ حدیث میں ہے، وہ ان کی کتاب اکمال شرح صحیح مسلم اور "مشارق الانوار" سے بخوبی مودار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شم و خصائل کے بیان صحیح میں جو ان کو شغف قلبی ہے وہ ان کی کتاب "الشفاء فی بیان حقوق المصطفیٰ" سے خوب واضح ہے، مصنف کی ثقاہت اور امانت فی الدین تو ثبوت حدیث کے لیے ملتی ہے۔ مع ہذا جملہ کلمات واردہ کی تطبیق دیگر روایات متعددہ سے ہو جاتی ہے۔

شرح حدیث کے وقت خوش قسمتی سے علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن بکر بن ایوب بن سعد الزری الدمشقی الفقیہ الحنفی المفسر النجفی الاصولی المتکلم المشہر بان قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مدارج السالکین بھی مل گئی۔ یہ کتاب شیخ الاسلام البروی عبد اللہ بن محمد بن علی الصوفی القدوة الحیة الامام کی ساترین کی شرح ہے۔ اس شرح میں ہر دو کتب سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے۔ جزا ہما اللہ عنہما خیر الجزاء حدیث یہ ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنِّيهِ فَقَالَ مَعْرِفَةُ رَأْسِ مَالِي وَالْعَقْلُ أَصْلُ دِينِي وَالْحُبُّ أَسَاسِي وَالشُّوقُ مَرْكَبِي وَذَكَرَ اللَّهُ أَنْبِيئِي وَالنَّفَقَةُ كَنْزِي وَالْحَزَنُ رَفِيقِي وَالْعِلْمُ سَلَاحِي وَالصَّبْرُ رَدَائِي وَالرِّضَا غَيْمَتِي وَالْعِجْزُ فَخْرِي وَالزُّهْدُ حِرْفَتِي وَالْيَقِينُ قَوْلِي وَالصَّدَقُ شَفِيعِي وَالطَّاعَةُ حَسْبِي وَالْجِهَادُ خَلْقِي وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ [1]

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (سنت) کیا ہے؟ فرمایا: معرفت میرا اس المال ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الہی میرا انیس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، حزن میرا رفیق ہے۔ علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میری قیمت ہے۔ عجز میرا فخر ہے، زہد میرا حرفہ ہے۔ یقین میری خوراک ہے، صدق میرا سامی ہے، اطاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

### [1] الْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِي

معرفت میری اصل پونجی ہے۔

رأس المال اس رقم کو کہتے ہیں جس کے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہو سکتا جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو اس المال فرمایا گیا ہے۔

معرفت لغت میں شناخت کو کہتے ہیں۔ اصطلاح عرفاء میں اس کا استعمال ہدایت پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔ واضح ہو کہ معرفت کی ابتداء خود نفس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے۔ سعید وہ ہے جس کے شعور کا آغاز خود اپنے عیوب کی شناخت سے ہو۔

ہائیکل اور قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے انھوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں، پھر اسی وقت انھوں نے درختوں کے پتے جمع کیے اور ان کو نائک نائک کر اپنی برائی کا پردہ بنایا۔ پدرا عظیم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اس کے ازالہ کی تدبیر کرنا چاہیے۔ لغت اور شرع میں معرفت اور علم کے وہ الفاظ ہیں جو شناخت کے لیے آتے ہیں۔ اہل علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظ معرفت سے برتر ہے، گو تصوف میں اب لفظ معرفت کا درجہ لفظ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَوَلَّىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضٌ مِّنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ﴾ [المائدہ: 83]

”جب انھوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اتارا گیا تب ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ انھوں نے حق کی شناخت کر لی۔“

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ كَمَا نَزَلْنَا إِلَىٰ آلِ يُونُسَ مِنَ النِّهَارِ بِتَعَارُفُونَ بَيْنَهُمْ ﴾ [یونس: 45]

”جس دن ہم ان کو اٹھائیں گے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی کے برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے۔“

﴿ وَجَاءَ إِخْوَةَ يُوسُفَ فَمَا عَلِمُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ ﴾ [یوسف: 58]

”جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسف نے ان کو شناخت کر لیا۔“

﴿ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ ﴾ [البقرہ: 146]

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت ان کو اپنے فرزندوں کی ہے۔“

ہر چہ آیت بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور اس فعل کے قائل انسان ہیں۔

اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات میں دیکھو۔

﴿ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ ﴾ [41: 53]

﴿ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ﴾ [النساء: 166]

﴿ قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴾ [طہ: 116]

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔

بلحاظ معنی معرفت و علم میں فرق یہ ہے کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا اطلاق اس شے کے اندرونی احوال

پر آتا ہے۔

لہذا معرفت کو تصور اور علم کو تصدیق کہا جاسکتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو اس المال فرمانے سے اسی ابتدائی سلوک کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جب کہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی شناخت یہی احساس بندہ کے لیے باہمی راہ بن جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اہل تصوف نے امارت اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے شبلیؒ فرماتے ہیں:

”عارف کو تعلقات سے کیا علاقہ، محبت کو شکوہ سے کیا نسبت، بندہ کو دعویٰ سے کیا تعلق۔“ [1] جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا عارف کے کہتے ہیں؟ فرمایا پائی کارنگ طرف کے رنگ کا سا نظر آ یا کرتا ہے۔“ [2]

اس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر الوان عبودیت کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ کبھی اتلائے ربانی کے سامنے صابر ہوتا ہے اور کبھی نعمائے ربانی کے سامنے شاکر۔ کبھی وعدہ ہائے صدق کی بشارت سے اس کا قلب خلد بہار ہوتا ہے اور کبھی سوا عید الہی سے وہ سراپا نچروا نکھسار۔ ذواتون مصریہؒ فرماتے ہیں کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں:

[1] نور معرفت پر نور روع غالب ہو۔

[2] اعتقاد باطن حالت ظاہر سے متناقض نہ ہو۔

[3] نعم الہیہ کی فراوانی سے محارم الہیہ میں نہ گریزے۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اور اس ہیبت ہی کے اندر انس و انشراح ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے: اَنَا اَعْرِفُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّكُمْ لَهٗ حَشِيَةً [4]

”میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کے سامنے خشیت والا ہوں۔

گو معنی بالا کو الفاظ بالا میں ظاہر فرما دیا گیا ہے۔“

یاور کھنا چاہیے کہ معرفت وہ نور ہے جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ صفات کو سمجھ سکے اور شواہد و براہین کا استعمال کر سکے۔

عارف صفات پر ایمان رکھتا ہے اور ان کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا، وہ تشبیہ کی لٹی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے۔ آگے بڑھ کر

وہ صفات و ذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھ کر وہ جملہ وسائل و وسائل، براہین و شواہد سے مزہ موڑ کر اپنے قلب و روح کو

اپنے مالک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے۔ تب اسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ [الافتاح: 7] کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے۔

## {2} الْعَقْلُ أَصْلُ دِينِي

میرے دین کی جڑ عقل ہے۔

عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ وہ عقیدہ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد فہم انسانی

سے بالاتر ہے۔

[1] مدارج السالکین: 338/3 [2] نفس المصدر: 342/3 [3] مدارج السالکین: 338/3 [4] كشف الخفاء للعجلوني: 231/1



وہ شاگرد کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو حلق سے نیچے نگل جاؤ، خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔ مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا، عقل اور عاقلین کی فضیلت آیات قرآنیہ سے بخوبی ہویدا ہے۔

﴿ كَذَلِكَ نَقُصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴾ [الروم: 28]

”ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں۔“

﴿ وَ لَقَدْ تَرَكْنَا آيَةً بَيِّنَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴾ [العنکبوت: 35]

”ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں عقل والوں کے لیے۔“

قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

﴿ وَ يَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ [یونس: 100]

”رجس انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔“

بتلایا گیا ہے کہ ظلم و عقل لازم و ملزوم ہیں اور ان ہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں۔

﴿ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴾ [العنکبوت: 43]

ان باتوں کی عقل اہل علم ہی کو ہے۔

بے شک جو شخص احکام شریعت کو پڑھے گا اور ان احکام پر بھی غور کرے گا جن کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا تو اسے بالیقین معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے ساتھ احکام شرعیہ کا تعلق بطریق مستحکم ہے۔

نماز کے لیے یہ حکم پڑھو:

﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَ تَذَكَّرُ اللَّهُ أَكْبَرُ ﴾ [العنکبوت: 45]

”نماز بدکاریوں اور برے کاموں سے روکنے والی ہے اور تحقیق اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔“

روزے کے لیے یہ حکم پڑھو۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ [البقرہ: 183]

”تم پر روزے لکھے دیے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔“

ادائے زکوٰۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کرو۔

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ [ابراہیم: 7]

”اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔“

حج کی بابت جو حکم ہے اس کے فوائد پر غور کرو۔

﴿ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ ﴾ [الحج: 28]

”تاکہ تم اپنے نفع کو دیکھ لو۔“

تصامی کا اثر مجرم کے لیے:

﴿ لِيَذُوقَ وَتَالَ أَمْرِهِ ﴾ [المائدہ: 95]

”تاکہ اپنے برے کام کا وبال دیکھے۔“

تصامی کا فائدہ ملک کے لیے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ [البقرة: 179] ”تمہاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے۔“  
ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتایا گیا ہے۔ عقل ہی برہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے اور اس لیے مخالفین کو فرمایا گیا ہے:

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [البقرة: 256]

”کہہ دیجیے کہ تم اپنی برہان پیش کرو اگر تم سچے ہو۔“

عقل جبر و اکراہ کے مخالف ہے اور اسی لیے کتاب حید میں ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ [البقرة: 256] ”دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں“

ان جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجر پاک سرزمین عقل میں لگایا گیا ہے اور علم کے پانی سے اسے پالا گیا ہے۔

نبی الامی ﷺ کا یہ فرمانا کہ **الْعَقْلُ اَصْلُ دِينِي** اس دین کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قوی ہے۔

﴿وَمَا يَدْعُرُ اِلَّا اَوْلُو الْاَلْبَابِ﴾ [البقرة: 269] ”نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل مند لوگ“

مسلمان نوجوانوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل فہم سمجھا کرتے تھے۔ یہ نادانستگی کی پہلی دلیل ہے۔

جو لوگ قانون سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں، جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی ایجادات کے عقل اتارنے سے عاجز

ہیں۔ ان کا کیا حق ہے اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

### ﴿۳﴾ وَالْحُبُّ اَسَاسِيٌّ

محبت میری بنیاد ہے۔

واضح ہو کہ لغز و ادبیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے مگر فرقان حید اور حدیث پاک میں لفظ عشق اور اس کے

مشققات کا استعمال نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دلیل لفظ ہے اور اصل لغت کے لحاظ سے معنی حب سے عاری ہے۔ قاموس میں

ہے: **الْحُبُّونُ قُتُونٌ وَالْعِشْقُ مِنْ قَبْلِهِ** جنون کی بہت اقسام ہیں، عشق بھی یکے ازاں جملہ ہے۔

لہذا لفظ حب کی تحقیق پر زیادہ توجہ کرنا چاہیے۔ زبان عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں:

① **حَبَبُ الْاَسْنَانِ** برائت روشن اور صاف ہیں۔

② **حَبَبُ الْمَاءِ**: پانی ٹھرا ہوا پاکیزہ ہے۔ انہی معنی کے لحاظ سے بلبلے کو حباب کہتے ہیں جس میں غلو اور صفائی پائی جاتی ہے۔

③ **حَبُّ الْبَعْبُورِ** اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیے۔ اس محاورہ میں حب کو لزوم و ثبات کے معنی میں لیا گیا ہے۔

④ **حَبٌّ**: دانہ و تخم یا اصل شے۔ اس لیے سویدائے دل کو **حَبَّةُ الْقَلْبِ** کہتے ہیں، اسی لیے دانہ کو حب (جس کی جمع حبوب ہے)

بولتے ہیں۔

⑤ **حَبُّ الْمَاءِ**: وہ جو ہر جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یہاں حفاظت و نگہداشت کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حب کو جب کہ وہ بطور اسم مستعمل ہوتا ہے۔ حرکت ضم دی گئی، جو جملہ

حرکات میں قوی تر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ حب میں اوصاف صفا و بہا اور علو و ارتقاء اور لزوم و ثبات کا ہونا پایا جائے۔ حب ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے اور حب ہی کے حفظ و تمسک کو سرمایہ حیات انسانی ثابت کیا جائے۔

بے شک محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی و مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اثبات محبت کے متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے:

﴿يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ [البقرہ: 156]

”یہ لوگ غیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عز و جل سے ہونا (ہر دو امور کا) ثابت فرمایا ہے۔

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ [المائدہ: 54]

”اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔“

احادیث پاک میں بھی اس امر کو وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

① إِنْ أَحَبَّ الْعَمَلُ إِلَى اللَّهِ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ ثُمَّ الْجِهَادُ۔ ①

”اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے، پھر جہاد۔“

② أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ مَا دَوَّمَ عَلَيْهِ صَاحِبَهُ۔ ②

”سب سے پیارا عمل اللہ کے ہاں وہ ہے، جس پر عمل والا دوامت کرے۔“

③ إِنْ اللَّهُ يُحِبُّ أَنْ يُؤَخَّذَ بِرِخَصَتِهِ۔ ③

”اللہ کو پسند ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے۔“

④ أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ الصَّلَاةُ عَلَى أَوْلَىٰ وَفِيهَا۔ ④

”سب اعمال سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے جو اول وقت پر پڑھی جائے۔“

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ذکر تھا جو اسے اپنے بندوں کے اعمال سے ہے۔ اب بندوں کی محبت کا ذکر فاتح پاک

کے ساتھ ہونا آیت ذیل میں بصراحت ہے:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ ذَاتُ فَتْرٍ فَتَمُوتُوهَا وَتِجَارَةٌ

تَتَخَشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ﴾ [التوبة: 24]

”کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بہن بھائی، بیویاں اور خویش قبیلہ اور مال جسے تم سمیٹتے ہو اور تجارت

① بخاری: 2518، مسلم: 84، 83، ترمذی: 1658، ابن حبان: 153، 152، مسند احمد: 268، 150/5، بخاری: 5861، 730، مسلم: 1827،

ابوداؤد: 1338، نسائی: 761، ابن ماجہ: 942، مشکوٰۃ: 315، مصنف عبد الرزاق: 20569، کنز العمال: 5341، مجمع الزوائد: 163/3، الکامل فی المفہم لابی

عبدی: 2/621، اروا الغلیل: 12/3، الام: 108/2، ابن حبان: 914، 545، ابن خزیمہ: 2027، بخاری: 2782، مسلم: 85/140، ابن حبان: 1475، 1479

جس کے گھٹنے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد

کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، تب انتظار مہلت کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔“

اس آیت میں انسان کی اس محبت کا جو اسے مادرو پدر، دختر و پسر، برادر و خواہر، خویش و قبیلہ، تجارت و منفعت، قصر و باغ اور مال و زر سے ہوتی ہے، اشیاء فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان سب اشیاء کی محبت کا انسان کو ہونا ایک فطری امر ہے۔

اس کے بعد محبت کا مسئلہ شروع فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ و رسول ﷺ کی محبت ان جملہ انواع محبت پر غالب تر ہے تب تو سب کچھ ٹھیک، لیکن اگر خدا نخواستہ اللہ و رسول ﷺ کی محبت سے ان اشیاء کی یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی تب معاملہ سخت مشکل ہے اور اس بارہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی حکم جاری فرمائے گا۔

حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن و تہذیب کا راز منکشف کر دیا اور توحش و ترہب کو چھوڑ کر افراط و تفریط کے وسط میں شاہراہ عدل قائم فرمادی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے وہ عبودیت ہے یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسن اعمال کی سرچشمہ ہے۔

محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف ورجا کا معدن ہے۔

محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقام رضا پر اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔

صبر بھی وہی صبر ہے جس کی بنا محبت پر ہو ورنہ اس کا نام بے چارگی ہوگا۔

زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو ورنہ اس کا نام عدم دسترس ہوگا۔

حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت ہو، جو ادب و تقصیم کی ہوا میں پٹی ہو ورنہ اس کا نام انفعال طبع ہوگا۔

فقر بھی وہی فقر ہے جو محبت کو بجانب محبوب ہو اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جوہ و قوال کی جانب منجذب ہو جائے

ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔

الغرض محبت ہی قُوَّةُ الْقُلُوبِ ہے۔

اور محبت ہی عِذَّةُ الْأَرْوَاحِ ہے۔

محبت ہی قُوَّةُ الْعُيُونِ ہے۔

محبت ہی حیات الابدان ہے۔

محبت ہی دل کی زندگی ہے۔

محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے۔

محبت ہی کامیابی کو ووام و بٹا کا تاج پہناتی ہے۔

محبت ہی بٹا کو تخت ارتقاء پر بٹھلاتی ہے۔

اب ہم مدارج محبت کا ذکر کرتے ہیں۔

① محبت کی ابتدا، علاقہ سے ہوتی ہے، یعنی دل کا تعلق جو کسی جانب پیدا ہو جائے۔

② اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔

③ اب کشش پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے اسی طرح محبت کو محبوب کی طرف وہ کشش لیے جاتی ہے۔

④ اب سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت جلن رہنے لگتی ہے۔

⑤ اب پیار نمودار ہوتا ہے اور صفت و داد سے دل آشنا ہو جاتا ہے۔

⑥ اس پر ترقی و افزونی ہوتی تو شغف کا تسلط ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قعر قلب (دل کا گہرا) تک پہنچ جاتا ہے۔ مصائب کے برداشت

اور مواعجات کی سبکی نظر آنے لگتی ہے۔ تدابیر قرب اور مواعصمات وصل کی درستی میں شب و روز گزرنے لگتے ہیں۔

محبوب کے سوا باقی دیگر تفکرات منقطع ہو جاتے ہیں۔ محبوب ہی کا تصور جسم پر اور محبوب ہی کی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔

⑦ اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے یہ لفظ اسم عطف سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک تیل زر و پھولوں والی ہوتی ہے جس درخت پر چڑھ جاتی

ہے اسے خشک کر دیتی ہے۔ اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

⑧ اس سے آگے درجہ یتیم کا ہے۔ "یتیم" کے معنی "غلامی" ہیں۔ اس وقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بن جاتا ہے اور ان سے

رہائی پانا اس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

⑨ اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے۔ جب کہ محبت ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہو جاتا ہے جب کہ دنیا میں کوئی شے اس کی نہیں رہ

جاتی ہے، جب کہ اس کا جسم، اس کا دل اس کی روح اس کی تمنا اس کی مراد خود اپنے لیے نہیں رہ جاتی اور وہ ان سب کو خوشی خوشی چھوڑ

کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔

⑩ اس سے بھی بالاتر درجہ عملت کا ہے۔ اب تو جسم کا ایک ایک ہال اور نفس کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بن

جاتے ہیں۔ جذبات اور تمنیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دل و دماغ، طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی

محبوب کا خالص رضوان مقصود و مطلوب بن جاتا ہے وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محبت کا مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصود و محبت کا مطلوب

نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔

عام طور پر فہم انسانی اس کیفیت کے تعلق سے نارسا ہے اور اس درجہ کی تکمیل صرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اور سیدنا و مولانا محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ الفاظ درود پاک میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبہ و مشبہ بہ کی طرح واقع ہوئے ہیں۔ ایک کو تقدیم کی

اولیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی افضلیت۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ

مُجِيدٌ۔ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ

حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام سے پیشتر ان اسباب کا ذکر کر دیا جائے جو جالب محبت اور جاذب محبت ہیں تاکہ کوئی

سعادت مند ان سے تمتع حاصل کر سکے۔

اسباب بغاوت و ارتقائے محبت الہیہ میں درج ذیل ہیں۔

- ① قراءت فرقان حمید: قراءت کے تحت میں تادیر معانی اور فہم مراد و بانی (ہر دو) شامل ہیں۔
  - ② نماز فرائض کے علاوہ نوافل کی مواظبت و کثرت۔
  - ③ دوام ذکر۔ اس لفظ کے اندر ذکر لسانی و قلبی دونوں شامل ہیں۔ ذکر بالحال اور ذکر بالمعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔
  - ④ اسماء و صفات الہی کا مطالعہ و مشاہدہ بذریعہ قلب۔
  - ⑤ اللہ عزوجل کی نعمت ہائے ظاہری و باطنی اور احسانات مادی و روحانی کا تذکار۔
  - ⑥ مقامات عبادت میں کمال ادب اور حضور تام کے ساتھ وقوف قلبی۔
  - ⑦ ذوق حضور میں قلب کا انکسار کلی۔
  - ⑧ اپنی خواہشات کا احکام ربانی پر ایثار۔
  - ⑨ خمین صادقین کی مجالست۔
  - ⑩ ان اسباب سے منافرت جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور بندہ تاجیز کے درمیان دوری کا موجب ہیں۔
- ان امور کی مواظبت سے امید ہے کہ وہ سرچشمہ محبت جو انسان کی سر زمین قلب و دیت ہے اور جسے خس و خاشاک علاقہ کئی نے بند کر رکھا ہے۔ پھر فوارہ سا جوش زن ہو اور پوری رفتار سے چلتا ہوا کشت زار ترنما کی سیرانی کا ذریعہ بنے۔
- اللَّهُمَّ ارْزُقْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُقَرِّبُنِي إِلَيْهِ حُبِّكَ ① "اے اللہ اپنی محبت عطا فرما اور ایسے محبوب اعمال جو مجھے تیری محبت تک پہنچاویں۔"
- قاری کتاب کو حضور ﷺ کے الفاظ الْعُحْبُ أَسَاسِيٌّ پر ایک بار تدبر کر لیتا چاہیے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد محبت ہو وہ عمارت کیا ہوگی اور اس مکان کا مکین کس شان کا ہوگا۔
- یہی سبق ہے جو سیرت محمدیہ ﷺ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیے۔

#### ④ وَالشُّوقُ مَرَكِبِي

شوق میری سواری ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں لفظ "شوق" وارد نہیں ہوا اور بجائے اس کے لفظ "لقاء" کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علمائے فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ حصول دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ "شوق" تو اس سفر کا نام ہے جو محبت کو بجانب محبوب لے جاتا ہے لہذا جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔

مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ حدیث زیر شرح میں بھی اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلَيَّ وَجِهَتِكَ وَالشُّوقَ إِلَيَّ لِقَائِكَ ②

"تیرے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقاء کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔"

① ترمذی: 3491، کنز العمال: 3672، میزان الاحتمال: 3334، ابوجیم: 226/1، نسائی: 1306، احمد: 264/4، السنن ابن العاصم: 185/1

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے اور اس کا درجہ اصل محبت سے کم تر ہے۔ کیوں کہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

ہاں شوق! وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے، وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اٹھتی ہے۔ شوق ہی اعضا و جوارح کو منقاد و اعمال بناتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔ شوق ہی ہے جو آلائے اخروی کو نعم دنیوی سے بھی قریب تر دکھاتا ہے اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کومائل پرواز کرتا ہے۔ شوق ہی ہے جو عاروں کی گہرائی کو ناپتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو لکھ کو بھناتا ہے۔ یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہی ہے جو کسی درمیانی منزل پر محبت آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدر شوق مقدر محبت پر مبنی ہے۔ یہ محال ہے کہ فردانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔

سچ ہے کہ سالک کے لیے شوق سے بڑھ کر کوئی اور سواری نہیں۔ یہ وہی مرکب ہے جو گھائیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پل سے صاف گزرتا ہو جنت الملقا تک پہنچا دیتا ہے۔

### ﴿ذِكْرُ اللَّهِ أَيْسَىٰ﴾

اللہ کا ذکر میرا موٹس ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿۱﴾

ذکر ہی اہل ایمان کا ذرا راہ ہے جسے لے کر وہ سفر کیا کرتے ہیں۔

ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے جس کے بغیر اجساد بمنزلہ گورہ جاتے ہیں۔

ذکر ہی وہ ہتھیار ہے جس سے رہنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے۔

ذکر ہی وہ پانی ہے جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے۔

ذکر ہی وہ دوا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے۔

فَإِذَا مَرَضْنَا نَدَارُنَا بِذِكْرِكَ

فَتُشْرِكُ الذِّكْرَ أَحْيَانًا فَنُنَبِّئُكَ

جب ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو تیرے ذکر کو اپنی دوا بنا لیتے ہیں، جب کبھی ذکر چھوٹ جائے تو ہم منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے۔

① ذکر کا علم دیا گیا ہے۔

① حکم مطلق بھی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ [الاحزاب: 41]

”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کیا کرو بہت ذکر کرنا۔“

② حکم مقید بھی:

﴿وَإِذْ تَنْصَرِعُونَ فِي نَفْسِكُمْ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً﴾ [الاحزاب: 205]

”اپنے رب کو یاد کرو اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے۔“

﴿وَسَبِّحْهُ بَكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الاحزاب: 42]

”اللہ کی تسبیح کیا کرو صبح و شام۔“

③ غفلت و نسیان ذکر سے نہیں فرمائی گئی۔

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ﴾ [الحشر: 19]

”مت بنو تم ویسے جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے ان کو نسیان میں چھوڑا۔“

④ فلاح و نجات کو کثرت ذکر پر معلق فرمایا ہے۔

﴿وَإِذْ تَقُولُوا اللَّهُ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [الانفال: 45]

”اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو کہ تم فلاح پاؤ۔“

⑤ اہل ذکر کی مدح و ثنا فرمائی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَرِهُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَالَّذِينَ كَرِهُوا اللَّهَ لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمًا﴾ [الاحزاب: 35]

”مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنے والے ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم رکھا ہے۔“

⑥ غافلین ذکر کے خسران کا اعلان فرمایا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ جَ وَ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ

الْخٰسِرُونَ﴾ [المنافقون: 9]

”اے ایمان والو! تمہارا زر و مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرویں۔ جس نے ایسا کیا وہ نقصان

انھارنے والا ہے۔“

⑦ ذکر کو جملہ اعمال سے افضل و اعلیٰ بتلایا ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ [المکذوب: 45]

”نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے ہٹا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔“



﴿قرآن مجید پر تدریس سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمال صالحہ کا اختتام بیان ذکر پر ہوتا ہے۔﴾

﴿۱﴾ حکم نماز پر غور کرو۔

﴿فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ [النساء: 103]

”جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔“

﴿۲﴾ اختتام حکم نماز جمعہ کو پڑھو۔

﴿فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ

تَفْلِحُونَ﴾ [البقرہ: 10]

”جب نماز ہو چکے، تب اپنی اپنی جگہ پھیل جاؤ اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

﴿۳﴾ اختتام حکم صیام پر تدریس کرو۔

﴿وَلْيُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَيْتُمْ﴾ [البقرہ: 185]

”تا کہ تم اللہ کی بزرگی کرو، اس لیے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔“

﴿۴﴾ اختتام حج کو دیکھو:

﴿فَإِذَا قُضِيَتْ مِنَّا مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ﴾ [البقرہ: 200]

”جب تم مناسک پورے کر چکے تو اللہ کا ذکر کرو۔“

﴿۵﴾ اختتام حیات بھی اگر ذکر پر ہو تو اس کے لیے حدیث پاک میں داخلہ جنت کا وعدہ ہے۔ اَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ۔ ﴿۱﴾

﴿۶﴾ ذاکرین کو ہی صاحبان عقل و ہوش فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ

اللَّهُ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ [آل عمران: 190-191]

”آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے الٹ پلٹ کر آنے میں بے شک نشانیاں ہیں عقل و مغز والوں کے

لیے جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔“

﴿۷﴾ ذکرا الہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الہی روح الاموال ہے۔ نماز کے متعلق ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طہ: 14] ”نماز قائم کر میرے ذکر کے لیے۔“

حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے ان کا ذکر الہی کے لیے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے۔

إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالنَّبِيتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَاءِ وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِأَقَامَةِ ذِكْرِ اللَّهِ۔ ﴿۲﴾

”ثلاث کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی اور کنکریوں کا چلانا ذکر الہی کی اقامت کے لیے مقرر ہوا ہے۔“

صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما میں اہل ذکر کو مغرورون فرمایا گیا ہے۔ یعنی اہل تفرید و توحید۔ ﴿۳﴾

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مسند امام احمد میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ أَعْمَلِكُمْ وَأَرْكَأَهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ انْفِاقِ  
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ تَلْقُوا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُونَ أَعْنَاقَكُمْ قَالُوا وَمَا ذَلِكَ يَا رَسُولَ  
اللَّهِ قَالَ ذِكْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ [1]

”کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے اعمال میں بہتر کیا ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے ستمرا کیا ہے اور تمہارے درجات میں سب سے بلند تر کیا ہے اور جو زور و ستم کے خرچ سے بھی بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں کو ملو اور ان کی گردنیں کاٹو یا وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کا ذکر۔“

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يَفْعَلُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا أَحَقَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَعَشِيَّتُهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ  
اللَّهُ فِي مَنْ عِنْدَهُ۔ [2]

”جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں۔ فرشتے ان کے گرد آگروا آجاتے ہیں رحمت ان پر چھا جاتی ہے، سکینہ ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔“

صحیح مسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں۔ اس امر پر کہ ہمیں اسلام کی راہ دکھائی اور ہم پر احسان فرمایا۔ فرمایا: کیا قسمیہ کہتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں قسمیہ عرض کرتے ہیں: فرمایا:

أَمَا إِنِّي لَمُ اسْتَحْلِفِكُمْ تَهْمَةً لَّكُمْ وَلَكِنْ أَنَا نِسِي جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبِرَنِي إِنَّ اللَّهَ يَسْأَلُنِي بِكُمْ  
الْمَلَائِكَةَ۔ [3]

سنو میں نے تم سے حلف نہیں لیا ہے سب جھوٹ تہمت کے، لیکن میرے پاس تو جبریل علیہ السلام ابھی آئے تھے انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا:

أَنْ تَفَارِقَ الدُّنْيَا وَلسَانَكَ رَطْبٌ مِمَّنْ ذَكَرَ اللَّهَ۔ [4]

”جب تو دنیا چھوڑے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ ہو۔“

ایک اور شخص نے عرض کی کہ مجھے احکام اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجیے۔ فرمایا:

لَا يَزَالُ لِسَانَكَ رَطْبًا مِمَّنْ ذَكَرَ اللَّهَ۔ [5] ”تیری زبان برابر ڈکرائی میں جاری رہتی چاہیے۔“

[1] ترمذی: 3377، ابن ماجہ: 3790، بخاری: 111/6، مسند احمد: 195/5 [2] مسلم: 2700، ابوداؤد: 1435، ترمذی: 2945، ابن ماجہ: 3791، ابن حبان: 855،

تذیبی فی الاسماء: 337/1، احمد: 447/2، 92/3 [3] مسلم: 2701، ترمذی: 3379، مسند احمد: 92/4، ابن حبان: 813 [4] ابن حبان: 818

[5] ترمذی: 3375، ابن ماجہ: 3793، مسند احمد: 190/4، ابن حبان: 814

مسند وغیرہ میں جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ارْتَعُوا فِي رِيَاضِ الْجَنَّةِ - "اے لوگو! چمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔"  
لوگوں نے عرض کیا کہ چمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا:  
مَجَالِسُ الذِّكْرِ ذِكْرُكَ مَجَالِسٍ -

أَعْدُوا وَرَوْحُوا وَأَذْكُرُوا مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَعْلَمَ مَنْزِلَةَ عِنْدَ اللَّهِ فَلْيَنْتَظِرْ كَيْفَ مَنْزِلَةَ اللَّهِ عِنْدَهُ، فَإِنَّ  
اللَّهَ يَنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ أَنْزَلَهُ مِنْ نَفْسِهِ. ①

"صبح و شام ذکر الہی برابر کیا کرو، تم میں سے جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ اپنا درجہ اللہ کے ہاں دریافت کرنے سے لازم ہے کہ  
اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اس کے دل میں کیا ہے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اس  
کے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔"

صحیح ترمذی و مسند وغیرہ میں ہے نبی ﷺ نے اپنے پر بزرگوار ابراہیم علیہ السلام سے روایت کیا ہے:  
إِقْرَأْ أُمَّتَكَ مِثْقَالَ مِسْوَةٍ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ التُّرْبَةَ الْجَنَّةِ طَيِّبَةٌ التَّوْبَةُ عَذْبَةٌ الْمَاءُ وَ أَنَّهَا قَيْعَانٌ وَ أَنَّ عَرَّاسَهَا  
سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ اللَّهُ أَكْبَرُ. ②

اپنی امت سے میرا اسلام کہہ دیجیے اور بتا دیجیے کہ جنت پاکیزہ زمین، میٹھے پانی والی ہے وہ سفید جگہ ہے اور وہاں کے گل  
بوتے 'سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ اللَّهُ أَكْبَرُ' ہیں۔

صحیحین میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا  
مَثَلُ الذِّمِّيِّ يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالذِّمِّيُّ لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ. ③  
"جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا، اس کی مثال مردہ جیسی ہے۔"

روایت صحیح ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَمَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأَةٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأَةٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ. ④  
"جو کوئی شخص میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے، میں بھی اس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں جو کوئی میرا ذکر کسی گروہ کے اندر کرتا  
ہے میں بھی اس کا ذکر ایسے گروہ سے کرتا ہوں جو ان کے گروہ سے بہتر ہے۔"

یاد رکھو کہ ذکر کے تین طریقے ہیں:

① صرف زبان ذکر کر رہی ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

② صرف دل ذکر کر رہا ہو، یہ متوسط درجہ ہے۔

③ دل اور زبان دونوں ذکر کر رہے ہوں، یہ درجہ اعلیٰ ہے۔

① صحیح الباری: 11/294 ② ترمذی: 3462، ابن حبان: 821، مسند احمد: 5/418

③ بخاری: 6407، مسلم: 779، ابن حبان: 854

④ بخاری: 7405، مسلم: 2675، ترمذی: 3603، ابن ماجہ: 3822، ابن حبان: 810، 811، 812

یہ بھی یاد رکھو، اقسام ذکر بھی تین (3) ہیں:

① اسماء و صفات اور ان کے معانی کا ذکر، شائے ربانی اور توحید الہی۔

② امر و نہی..... حلال و حرام کا ذکر

③ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام، احسان اور عطیات کا بیان۔

یاد رکھو کہ مراتب ذکر بھی تین (3) ہیں:

① وہ ذکر جو غفلت و نسیان کو اڑا دیتا ہے۔

② وہ ذکر جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔

③ وہ ذکر جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقانی ہی کے ساتھ وابستہ و زندہ کر دیتا ہے۔

مبارک ہے وہ انسان، جس نے ذکر ربانی کو اپنا فریضہ بنا لیا ہے۔

مبارک ہے وہ صاحب ایمان، جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے۔

### ⑥ اَلثَّقَّةُ كَنْزِي

اعتماد الہی میرا خزانہ ہے۔

اصل اس بارہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِذَا حُفَّتْ عَلَيْهِ فَلْيَفِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي﴾ (القصص: 7)

”جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو، تب اسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف کھانا نہ غم کھانا۔“

یہ ظاہر ہے کہ اس خاتون بلند پایہ کو اگر اللہ عزوجل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں نہ

ڈال دیتی۔

لہذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعتماد ہی چشم توکل کی پتلی ہے۔

اور اعتماد ہی دائرہ تفویض کا مرکز ہے۔

اور اعتماد ہی قلب سلیم کا سید ہے۔

یہ اعتماد بوقت پاس بھی ہوتا ہے اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے خلاف نہ زبان پر کوئی

حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی وسوسہ۔

یہ اعتماد بوقت امید بھی ہوتا ہے اور انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی سابقہ ربوبیت اور اپنے عدم استحقاق کی حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد تمام نظام عالم پر چشم بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ انسان کو نظر آ جاتا ہے کہ جمادات کا

ذروہ، نباتات کا پتہ پتہ، ارضیات و سماویات کا ریزہ ریزہ ہر ایک عرض کا جو ہر اور ہر ایک جو ہر کا وجود اسی کے انعام سے فیض یاب اور

اسی کے احسان کی دولت سے مالا مال ہے۔

## 7 وَالْحُزْنَ رَفِيقِي

اندوہ دل میرا رفیق ہے۔

خوف و خشیت بھی ایسے دو لفظ ہیں جو اردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں، لیکن زبان عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم الگ الگ ہے۔

خوف کا اطلاق زیادہ تر حسی اشیاء پر ہوتا ہے۔

خشیت کا اطلاق غیر حسی اشیاء پر بکثرت ہوتا ہے۔

حزن اس اندوہ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری و بہبودی کے متعلق دل ہی دل میں جوش زن ہوتا ہے۔ گلوب خاموش ہوتے ہیں کتاب اللہ میں لفظ حزن کا استعمال انبیاء و اصفیاء کے لیے بکثرت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بابت فرمایا:

﴿وَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ﴾ [یس: 76]

”ان کی باتوں سے اے نبی آپ کو حزن نہ ہونا چاہیے۔“

چونکہ نبی ﷺ کی شفقت و رافت نوع انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ﷺ ان نافرمانوں کے عواقب امور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہ گیس رہتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عارثور میں رفیق صادق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی۔ یعنی لَا تَحْزَنْ۔

صدیق رضی اللہ عنہ کا فدائی دل نبی ﷺ کے رنج و آزار کو دیکھ کر پاش پاش ہو رہا تھا تب نبی ﷺ نے ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ فرما کر باب حزن سے قصر انس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں نقطہ لطیف یہ تھا کہ اس معیت ربانی کا درجہ جس میں نبی ﷺ و صدیق رضی اللہ عنہ داخل و شامل تھے اس حزن سے برتر و اعلیٰ ثابت کیا جائے جسے عشق نے سلامتی یار کے متعلق بھیا تک بنا دیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسم اعظم ”اللہ“ کے ظلال میں جو معیت شامل ہے وہ جملہ اسماء حسنی کے ظلال سے بدرجہ علیا ہے اور کمالات عارف کی تکمیل اسی اسم ذات ”اللہ“ کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیت الہی کا ظہور إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسماء کی عظمت و رفعت بھی اسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب و علل ساقط و منحل ہو جاتے ہیں۔

ماورموسیٰ ﷺ کو جو وحی ربانی ہوئی، وہ یہ تھی۔

﴿لَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَاٰذُوهُ اِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [التص: 7]

”تو نہ خوف کیجیے اور نہ حزن کیجیے۔ ہم اسے تیرے پاس واپس کریں گے۔ ہم اسے مرسلین سے بنا دیں گے۔“

ذرا غور کرو کہ خوف حسی کے مقابلہ میں بھی ایک بشارت موجود ہے اور حزن غیر حسی کے ساتھ بھی ایک بشارت شامل ہے۔

خوف کے مقابلہ میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دے گی، اللہ تعالیٰ اسے تیرے ہی پاس واپس کر دے گا۔  
 حزن غیر حسی کے مقابلہ میں یہ کہ اسے نبوت کی وہ نعمت ملے گی، جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے۔  
 ان آیات پر تہذیب اور تتبع کے بعد حدیث زیر عنوان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حزن جو ہر وقت پیرا ہن دل پاک رکھتا تھا،  
 وہ یا تو امتِ آسمان کی بخشش کا تھا یا امتِ عاصیہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی منزل میں خلق خدا کی محبت بھری تھی اور عادت الناس کی ہمدردی و نرم گساری حضور ﷺ کے رگ و پے میں ساری  
 تھی۔ ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضور ﷺ کو اسی طرح رہتا جیسے گڈریا کو اپنی ایک ایک بکری کا۔ اس کی سو (100) بکریوں  
 میں سے اگر ایک بھی علیحدہ ہو جاتی اور جھاڑیوں میں رہ جاتی ہے تو گڈریا سمجھتا ہے کہ اگر اسے ساتھ نہ لیا گیا تو وہ بھیڑیے کا شکار ہونے  
 والی ہے۔ وہ اس ایک کے پیچھے جاتا ہے اور اسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔

نبی ﷺ کا یہ حزن بھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد کا سارا سارا وقت امت کے لیے دعا کرنے میں وقف  
 فرما دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری فرما دی۔ ﴿

﴿إِنْ تَعْلَبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدہ: 118]

”اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے گا تب تو غالب حکمت والا ہے۔“

## ﴿ وَالْعِلْمُ سَلَاحٌ ﴾

میرا ہتھیار علم ہے۔

واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ حال سے کم قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔

علم حاکم ہے، حال محکوم ہے۔

علم ہادی ہے، حال تابع ہے۔

علم امام ہے، حال ماموم ہے۔

دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے۔ دائرہ حال صرف صاحب حال تک ہے۔

حال ایک تنگ براس ہے اگر علم کی حفاظت نہیں تو یہ تلووار اسی کی کاٹ کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ہو۔

حال ایک آگ ہے جس پر کسی کی نگرانی نہ ہو۔

حال ایک منہ زور گھوڑا ہے، اگر اس کے منہ میں علم کا لگام نہیں تو وہ اپنے سوار کا اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن علم ہی ہے جو حیات القلوب ہے، نور البصائر ہے، شفاء الصدور ہے، ریاض العقول ہے۔ علم ہی لذت الارواح ہے اور علم

ہی مونس متوحشین ہے۔

علم ہی وہ میزان ہے جس میں اقوال و احوال و اعمال و وزن کیے جاتے ہیں۔

علم ہی وہ حاکم ہے جو شک و یقین اور ضلالت و ارشاد میں فیصلہ دیتا ہے۔

علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے۔

اور علم ہی سے رب العالمین کی تمجید و تمجید و توحید نصیب ہوتی ہے۔

علم ہی حلال و حرام میں فرق بتلاتا ہے۔

علم ہی موارث و ارحام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل و شرب سے بھی قوی تر ہے۔ آب و خورش کی ضرورت تو شبانہ روز میں

دو بار پڑتی ہے مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر۔

علم ہی ہے جس کی تلاش میں کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام نے سفر طویل اختیار کیا تھا اور اس سفر میں تین مسائل کو شکر سفر قرار دیا تھا۔

علم ہی ہے جس کی طلب و درخواست کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے نبی ﷺ کو دیا تھا۔

﴿قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طہ: 114] ”پڑھا کر، اے اللہ! مجھے علم میں بڑھایا کر۔“

ذرا یہ تو خیال کرو کہ وہ کتاب یا باز جسے شکار پر سدھایا گیا اور شکار پر لگایا گیا ہو، جسے عرب میں معلم کہتے ہیں، وہ تھوڑا سا علم سیکھنے

سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے اور اس جنس کے دوسرے حیوان غیر معلم کا پکڑا ہوا شکار حرام۔

یہ معلم جادو انسانی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، جب کہ اسکے اہلخانے جس جنس المؤمن ہی رہتے ہیں۔ یہ درجہ اس کو کیوں ملا؟

اس کا سبب صرف علم ہے، صرف علم۔

اب یہ بھی یاد رکھو کہ علم وہ ہے، جس کی ابتدائی علامت اقامت دلیل ہے اور جس کی آخری شناخت رفع جہل ہے۔

اہل علم کے تین مدارج ہیں:

**درجہ اول:** (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوت باصرہ کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔

وہ جو استفادہ صحیح سے قوت سامعہ کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواتر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

**درجہ دوم:** وہ علم ہے جو اجساد ذکیہ و باطن ظاہرہ میں پیدا ہوتا ہے۔

وہ جو اہل ہمت عالیہ کے انقباض صادقہ کو عطا ہوتا ہے، ایسی حالت میں جب کہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔

**درجہ سوم:** وہ علم ہے جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم عبودیت کا شرف اور متابعت ادکام حقہ کا پھل ہوتا ہے۔ جب

کمال انقیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب منکلوۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے تب جواد مطلق کی جانب سے وہ

معارف ایمانیہ اور حقائق اصلیہ کھول دیے جاتے ہیں جس تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا۔ ایسا علم خود اپنے لیے دلیل بھی

بنے اور دوسرے کے لیے مدلول بھی۔

اس مقام پر ان مخالفین و معترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے ہیں کہ ”اسلام بزرگ شمشیر پھیلا یا گیا ہے۔“

غور کرو کہ نبی ﷺ تو علم کو اپنی تلوار بتلا رہے ہیں اور ان فتوحات عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں ثمرات علم قرار دیتے ہیں۔  
درحقیقت نبی اللہ ﷺ کا فخر اینٹ، چونہ پتھری دیواروں، خندقوں پر قابض ہو جانے میں نہیں سکندر و تیمور ہلاکوں کا ہونا  
پارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے، نبی اللہ ﷺ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حصون کو فتح کر لینے میں ہے۔  
یہ انکارہ خیبر میں نظر آیا کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے ان یہودیوں کے (جو ہمیشہ اہل ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتش جنگ  
و جدال کو بھڑکائے رکھتے تھے) چند قلعے فتح کر لیے تو انہی ایام میں نبی ﷺ کے حضور میں حبش کے نو مسلم سرداران دربار میں حاضر  
ہوئے اور اسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں کو کھلی  
آنکھ سے دکھلایا جائے کہ وہ اللہ کے اس کے رسول کے مقابلہ میں اینٹ پتھری دیواروں کے بھروسہ پر اڑے بیٹھے ہیں جس کا علم سمندر  
پار حبش کو فتح کر رہا ہے۔ جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنا علم صداقت نصب کر رہا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز  
کے زیر نگیں نہ ہوئے تھے۔

یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل اوٹرم (Genral Otrem) نے یمن کو فتح کر کے ساٹھ ہزار (60000) فوج کا  
لشکر جراہ مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبہ اللہ کے گرانے کے لیے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر لا ڈالا تھا۔  
یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحاب انبیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی ﷺ کی ولادت اقدس سے صرف  
پچاس (50) دن پہلے کا ہے۔

ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا کہ خود ان کا بادشاہ رسول حجازی ﷺ کی کفش برداری کی تمنا کرے گا اور سارا ملک اسی کعبہ کی  
سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سر عبوریت کو جھکائے گا۔

مشر مسلمین! کسی ملک، کسی قوم کو بڑوہ شمشیر فتح یا مقلوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حملہ آور کے پاس شمشیر زن بھی  
موجود ہوں جن کی دھاک ایسی ہندھی ہوئی ہو کہ لوگ ان کی تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔  
اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ ایسے بہادر ایسے تلوار سے تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔  
الاسودا لکندی، مقدم بن معدی کرب، خالد بن الولید، زبیر بن العوام اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے کیوں کر اس شخص کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے۔  
ان کی تلواروں پر نیبتے، فریب و مسکین، بکریاں چرانے والے یتیم نے کیوں کر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے جری ایسے بطل  
تو خوف شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہوں گے اور انھوں نے تو صرف خوف جان سے اپنے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔  
جب یہ امر مسلم ہو جائے تو قابل غور یہ رہ جائے گا کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی ایسی شے، کوئی ایسی قوت، کوئی ایسی کشش  
موجود ہے جو شیروں کا شکار کرتی اور ہزاران نیرد کو خادم بنا سکتی ہے تو پھر ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کے لیے تلوار کا  
استعمال کریں۔

غور جتنا گہرا ہوتا جائے گا اسی قدر جلد یہ واضح ہو جائے گا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان وَالْعِلْمُ سَلَابِحُ ایسی حقیقت کا مظہر  
ہے، جس کا کوئی بطلان نہیں ہو سکتا۔

جو کامیابی نبی ﷺ کو حاصل ہوئی اس کا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو رزانی فرمایا تھا۔



وہ علم، جو ظلمات کو دور کر دیتا ہے اور چلنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔

وہ علم جو آنکھوں کو روشن، دل کو جینا دیتا ہے۔

وہ علم ہے هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ کی صفت اسی پر صادق آتی ہے۔

## ﴿ وَالصَّبْرُ رِدَائِي ﴾

صبر میرا شاندار لباس ہے۔

قرآن مجید میں 90 مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کتاب حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی ہے۔ ہم اختصار

کے ساتھ ان طریقوں کا ذکر کریں گے۔

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا:

﴿۱﴾ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ﴿﴾ [الاعراف: 128]

”موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔“

﴿۲﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ﴿﴾ [البقرہ: 45] ”صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔“

﴿۳﴾ اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا ﴿﴾ [آل عمران: 200] ”صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تلقین کرو۔“

﴿۴﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ﴿﴾ [النحل: 127] ”صبر کرنا تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔“

﴿۵﴾ عدم صبر سے نبی فرمائی گئی ہے۔

﴿۱﴾ قاصبرٌ كَمَا صَبَرَ أَوْلُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ﴿﴾ [احقاف: 35]

”صبر کیجیے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجیے۔“

﴿۲﴾ وَلَا تَوَلُّوهُمْ الْأَذْيَارَ ﴿﴾ [الانفال: 15] ”دشمنوں کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔“

﴿۳﴾ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا ﴿﴾ [آل عمران: 139] ”اپنا دل تھوڑا نہ کرو اور غمگین نہ بنو۔“

﴿۴﴾ اہل صبر کی شان فرمائی گئی ہے:

﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

[2] البقرة: 77

”جو تکلیف اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں وہی ہیں۔ جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی بھی ہیں۔“

﴿۴﴾ اہل صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا:

﴿۱﴾ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿﴾ [آل عمران: 146] ”اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔“

﴿۵﴾ اہل صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾ [البقرہ: 153] بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک معیت عامہ ہے جو بذریعہ علم و احاطہ ہوتی ہے اور ایک معیت خاصہ جس کا نتیجہ مخالفت و نصرت و تائید الہی ہوتا ہے۔ آیت بالا میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

⑥ صبر کو اہل صبر کے لیے بہتر بتلایا:

① ﴿ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَنُرِيَنَّكُمْ لَهٰؤُاٰ خَيْرًا لِلصَّابِرِيْنَ ﴾ [النحل: 126]

”اگر تم صبر کرو تو ایسا کرنا صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔“

② ﴿ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ [النساء: 25] ”اور صبر کرو یہ تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔“

⑦ اعلان فرمایا کہ اہل صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوتی۔

﴿ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [النحل: 196]

”ہم صبر کرنے والوں کو ان کے عمل کی جزا بہترین طریق سے دیں گے۔“

⑧ خبر دی کہ اہل صبر کو عطیہ بلا حساب ملے گا:

﴿ اِنَّمَا يُؤَفِّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [الزمر: 10]

”صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔“

⑨ اہل صبر کو بشارت دی گئی:

﴿ وَ تَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ﴾ [البقرہ: 155] ”صبر کرنے والوں کو بشارت پہنچا دیجیے۔“

⑩ اہل صبر کی نصرت و امداد کی ضمانت فرمائی:

﴿ بَلٰى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَّ يَأْتِكُمْ مِّنْ قَوْمِهِمْ هٰذَا يُمِدُّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

مُسَوِّمِيْنَ ﴾ [آل عمران: 125]

”ہاں! اگر صبر و تقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فوراً آجائے تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار (5000) ملائکہ سے جو نشان والے ہوں گے فرمائے گا۔“

حدیث شریف میں ہے: وَ اعْلَمَنَّ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ۔ ⑪

⑪ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اہل صبر ہی اہل عزم ہوتے ہیں:

﴿ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ عَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمَنْ عَزَمَ الْاُمُوْرَ ﴾ [الشوریٰ: 43]

جس نے صبر کیا اور معافی دی، تو یہ کام بڑی ہمت کے ہیں۔

⑫ فرمایا کہ اعمال صالحہ اور مخلوق کا عطیہ والے اہل صبر ہی ہوتے ہیں۔

① ﴿ وَ يَلِكُمْ فَوَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صٰلِحًا وَّ لَا يُلْقِيْهَا اِلَّا الصَّابِرُوْنَ ﴾ [التقصص: 80]

”تمہیں خرابی ہو، اللہ کا عطیہ ایمان اور نیک عمل والے کے لیے بہتر ہے اور اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔“

﴿ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۗ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴾ [مہمہ: 35]

”اس کو صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے وہی پاسکتے ہیں جو بڑی قسمت والے ہیں۔“

﴿13﴾ بتلایا کہ آیات الہی سے اشتقاق و عبرت صرف اہل صبر ہی حاصل کر سکتے ہیں:

﴿1﴾ ﴿ أَنْ أَخْرِجَ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذُكِّرْتُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴾ [ابراہیم: 5]

”ہم نے موسیٰ کو کہا اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر نور میں لاؤ اور ان کو تاریخ الہیہ کا سبق دے کیوں کہ اسی میں ہر صابر و شاکر کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔“

﴿2﴾ ﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ الْخَوَارِجُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۚ إِنَّ يَتَشَاءُ يَسْكِنُ الرِّيحَ فَيَظْلِلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴾ [الشوریٰ: 32-33]

اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور علم کی طرح بلند ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا رک جائے اور یہ سب جہاز سمندر کے اوپر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر کرنے اور شکر کرنے والے کے لیے۔

﴿14﴾ بتلایا ہے کہ مطلوب و محبوب تک قارئ ہونا محبوب سے نجات پانا، جنت العلویٰ کا داخلہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے صبر کیا

﴿ وَالْمَالِيكَ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ [الرعد: 23-24]

”فرشتے ہر طرف ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اپنے صبر کے بدلے آج تم سلامتی میں ہو اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔“

﴿15﴾ اہل صبر درجہ امامت پر قارئ ہو جاتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يُهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۗ ﴾ [اسجد: 24]

”ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا۔“

﴿16﴾ اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرقان حید میں اسلام و ایمان اور یقین و تقویٰ اور توکل و تشکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں صبر کا کیا درجہ ہے۔

یہاں تک سولہ (16) اقسام کا ذکر ختم ہو گیا۔ اب یاد رکھیے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سرمدن کے لیے ہے۔ بدن پر سرنہ ہو تو زندگی کہاں؟ ایمان کے ساتھ صبر نہیں تو ایمان کہاں؟

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا قول ہے: خَيْرٌ عَيْشٍ آذَرَ كُنَاهُ بِالصَّبْرِ ”زندگی کی حقیقت ہم پر صبر سے آشکار ہوئی۔“ ﴿17﴾

صحیح حدیث میں ہے:

عَجِبْتُ لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنْ أَمْرَهُ كُنَّ لَهُ خَيْرٌ وَ لَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِمُؤْمِنٍ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءٌ فَشَكَرَ فَكَانَ خَيْرٌ

لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرٌ لَهُ۔ ﴿18﴾

”مومن کی حالت بھی عجیب سی ہے یعنی اس کی حالت سراپا خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی شے خوش کرنے والی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور ایسا کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔“  
 واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنی جس (روک) ہیں۔ محاورہ ہے: قَبِلَ فَلَانٌ صَبْرًا فلاں شخص کو باندھ کر مارا گیا۔  
 آیت ذیل میں بھی یہی معنی ہیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهًا﴾ [الکلب: 28]  
 ”اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارا کرتے ہیں اور صرف اسی ذات کے خواستگار ہوتے ہیں۔“

اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ و زاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارج کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے۔ معنی بالاکو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو کہ صبر کی تین اصناف ہیں:

□ صنف اول: طاعت الہی پر صبر۔

□ صنف دوم: معصیت الہی سے صبر۔

□ صنف سوم: امتحان الہی پر صبر۔

صنف اول و دوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے مگر صنف سوم میں کسب انسانی کو کوئی دخل نہیں۔  
 سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرا دیے جانے پر صبر بھی مقامات صبر میں سے ہیں مگر امراۃ العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا۔ خصوصاً جب امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔  
 ① جوانی ② خالی مکان ③ بھڑوی ④ نفس کے مطابق خواہش کا ہونا ⑤ بے وطنی جہاں خویش و اقارب کا نہ دباؤ تھا، نہ ہوتا ہے، نہ ان کی طرف سے حیا ہوتی ہے۔ ⑥ محکومی ⑦ حسین عورت کی ذاتی خواہش ⑧ اس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکرو فریب ⑨ لالچ اور خوشامد ⑩ دھمکی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں صدیق کے منصب کو نہایت بلند کر دینے والی ہیں۔  
 ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صبر بر طاعات کا درجہ صبر از پرہیز محارم سے اکمل و افضل ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک فعل طاعت، ترک معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدم طاعت کا نقصان وجود معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔ ⑪

اب یہ بھی یاد رکھو کہ صبر کی تین حالتیں ہیں:

① صبر باللہ ② صبر للہ ③ صبر مع اللہ۔

① صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کے لیے نہ ہو، بلکہ اللہ کے لیے ہو جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ [النحل: 127]

”صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے لیے ہے۔“

﴿2﴾ صبر اللہ: کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا باعث محبت الہی اور ارادہ تقرب الہی ہو نہ قوت نفس کا اختیار ہو اور نہ اللہ کی مخلوق میں تعریف کرنے کا شوق ہو۔

﴿3﴾ صبر مع اللہ: کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اور امر الہی اور محرم الہی کا مطیع بنادے جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے جہاں رک جانے کا حکم ہو رک جائے۔

یہ صبر صدیقین کا ہے اور یہی تخت قسم صبر کی ہے۔

خولجہ جنید بغدادی ہونے سے صبر کی بابت پوچھا گیا:

فرمایا صبر تو کڑوی سے کڑوی دوا کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے۔ ﴿4﴾

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زاہدین کے صبر سے صحیحین کا صبر زیادہ سخت ہوتا ہے۔ یعنی یار سے صبر ہونا بہت زیادہ تعجب کا

موجب ہے۔

الصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ ﴿5﴾

جملہ مقامات پر صبر کرنا اچھا ہے مگر تجھ سے صبر کرنا کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

امام الحدیث بخاری نے کتاب الآداب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان

کیا ہے۔ فرمایا:

الصَّبْرُ وَالسَّمَاخَةُ ﴿6﴾ صبر اور سیر چشمی۔

اب یہ مسئلہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حالت کا عرض کرنا بے صبری میں داخل نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [ہدف: 82]

”میں اپنی پریشانی اور اندوہ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔“

ایوب علیہ السلام کی جناب احدیت میں دعا ہے۔

﴿رَبِّ اِنِّي مَسِيئٌ ظَرُّوْا اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ﴾ [الانبیاء: 83]

اے رب! مجھے نقصان اور ضرر آگیا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

وَإِذَا عَرَّتْكَ بَلِيَّةٌ فَاصْبِرْ بِهَا صَبْرَ الْكُرَيْمِ فَإِنَّهُ بِكَ أَعْلَمُ

وَإِذَا شَكَّوْتَ إِلَى ابْنِ آدَمَ ائْتَا تَشْكُوا الرَّحِيمِ إِلَى مَنْ لَا يَرْحَمُ

”جب تجھ پر بلا نازل ہو تو اچھا صبر کر کیوں کہ رب کو تیرا علم ہے لیکن اگر تو اس کا شکوہ ابن آدم سے کرے گا تب رحیم

کا شکر یہ اس سے کرتا ہے جو رحم نہیں کرتا۔“

﴿1﴾ مدارج السالکین: 157/2 ﴿2﴾ مدارج السالکین: 158/2 ﴿3﴾ مسند احمد، ج 1، ص 385/4، مجمع الزوائد: 59/1، مطالب العالیہ لابن حجر: 3122۔

کنز العمال: 1393، 1392، مسند احمد: 385/4، مجمع الزوائد: 59/1، مطالب العالیہ لابن حجر: 3122۔

نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے احکام الہی کی تبلیغ، اہل ایمان کی تعلیم، اہل خسران کے انداز، اہل عالم کی تدبیر اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر کس قدر مصائب و فواجب اور موم و غموم کی برداشت فرمائی تھی۔ کبھی حضور ﷺ کے آستان فیض پر غلاظت گرائی جاتی، جس سے تشمت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو، کبھی حضور ﷺ کی راہ پر گڑھا کھود کر اسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا۔ گڑھے میں کانٹے بھر دیئے جاتے کہ حضور ﷺ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گھڑے میں جا گریں۔

کبھی حضور ﷺ کو سجدہ میں محو تام دیکھ کر حضور ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر چادر کو پھانسی کا رسا بنایا جاتا، گردن کو افشار سے بھینچا جاتا۔ کبھی حضور ﷺ کی پشت مبارک پر (بحالت سجدہ) اونٹ کی اونچھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا۔

کبھی حضور ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قراءت قرآن پاک سے آپ کو روکا جاتا۔ کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور ﷺ پر گزرا ہے۔ جب حضور ﷺ کو ایک گھائی میں محصور رکھا گیا اور دانہ و خورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ ہی کا حوصلہ تھا، حضور ﷺ ہی کا دل تھا کہ صبر کیا اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (احق: 127) کے تمغا سے حضور ﷺ کو شرف فرمایا۔

سچ ہے کہ ایسے ہی مقدس رسول ﷺ کے لب مبارک سے یہ زیبا تھا۔ اَلصَّبْرُ رِذَائِي فَرَمَاتے اور صبر کو تحمل و شان اور شوکت و وقار کا خلعت قرار دیتے۔

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ بِقَدْرِ صَبْرِهِ عَلَى بَلَاءِهِ وَشُكْرِهِ عَلَى آيَاتِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

### ﴿۱۰﴾ وَالرِّضَا غَنِيْمَتِي

رضا الہی میری غنیمت ہے

واضح ہو کہ رضا کے متعلق ائمہ تصوف کے تین (3) اقوال ہیں:

① اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور انتہائے توکل بھی ہے اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

② اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا تو مجملہ احوال ہے، یہ مکاسب میں سے نہیں بلکہ مواہب میں سے ہے۔

③ تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا۔ وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجہ میں اکتسابی ہے اور من جملہ مقامات ہے اور انتہائی درجہ میں محض عطیہ ربانی ہے۔ لہذا مجملہ احوال ہے۔

گروہ اول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح و ثنا فرمائی ہے اور اس صفت کے لیے شوق دلایا ہے۔ اگر یہ مقام اکتسابی نہ ہوتا اور مقدور بشری سے باہر ہوتا تو ایسا نہ کیا جاتا۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

ذَاقِ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا ۝ ﴿١﴾  
 ”ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔“  
 نیز فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ الفاظ پڑھتا ہے۔ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا ۝ ﴿١﴾ اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقامات دین کا انہی پر مدار ہے۔ غور کرو کہ ان سے چار امور کا ثبوت ملتا ہے:

- ① اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضامندی۔
- ② نبی ﷺ کی رسالت اور حضور ﷺ کی اطاعت پر رضامندی۔
- ③ دین الہی پر رضامندی۔
- ④ دین الہی کے سامنے تسلیم و انقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ چہار امور جمع ہو جائیں تو وہ صدیقی ہے۔ ہاں ادعویٰ زبان آسان ہے مگر کامیابی امتحان و شمار ہے۔ خصوصاً جب کہ معاملہ یہ ہو کہ نفس کی مراد خواہش اس کے خلاف ہو۔ یاد رکھو کہ الوہیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ محبت و انابت اور تجل الی اللہ میں تو حید خالص ہو، خوف ہو تو اسی کا ہو امید ہو تو اسی سے ہو۔ جملہ توئی کا انجذاب اسی کی جانب ہو، اور عبادت کا مقصد تو حید فی الاغلاص ہو۔ ربوبیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ تدبیر الہی کی تو حید حاصل ہو توکل و اعتماد اور استعانت میں تو حید ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کے ساتھ کرے۔ رسالت محمدیہ ﷺ پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ احکام نبویہ ﷺ کے مقابلہ میں اطاعت علی اور تسلیم علی شیوہ بن جائے اور حضور ﷺ کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔ ہدایت اور حکم اور فیصلہ نبی ﷺ کے آستانہ پاک سے ہی حاصل کرنے اور کسی دوسرے کی حکومت کا روادار نہ ہو۔ خصوصاً علوم الہیات کے متعلق جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔ اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسم امر یا نہی ملے تو اسے پورے انشراح خاطر سے قبول کرے اور اس کے خلاف اگرچہ وہ کتنے ہی معروف عالم کی طرف منسوب ہو ہرگز قبول نہ کرے۔ اس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم یا صوفی دورویش یا شیخ تم کو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں گے مگر رضا بالاسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں، اس پر ہرگز ہرگز اہل ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔ اب یہ یاد رکھو کہ رضا کا مقام توکل و تقویٰ اور تسلیم کے بعد آتا ہے اور چونکہ اس کے حصول میں صعوبت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا۔ البتہ اس کا شوق ضرور دلایا ہے۔

① مسلم: 34، ترمذی: 2623، ابن حبان: 1694، مستدرک: 208/1، مسلم: 386، ابوداؤد: 525، ترمذی: 210، ابن ماجہ: 721، ابن حبان: 1693، احمد: 181/1

بھی بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ مسلم مقام رضا کیوں حاصل کر سکتا ہے؟

کہا: جب وہ چار (4) باتوں میں پختہ ہو جائے:

① عطا کو قبول کرے ② عطیہ میں راضی رہے ③ انقباض میں عبادت کرے ④ انشراح میں حاضر درگاہ ہے۔  
سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے ذکر کیا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں کہ ان کو فقر غنی سے اور مرض صحت سے زیادہ محبوب ہے۔  
امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو ذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے میرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کرے گا۔

فصیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے بشر حافی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

رضا کا درجہ ہد سے برتر ہے کیوں کہ جو راضی ہے وہ اس حالت سے دوسری حالت کا آرزو مند ہی نہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا تھا:

الْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الرِّضَا فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَرْضَى وَالْأَقْصَبُ۔

”رضا میں تو سراپا خیر ہے اگر تم میں استطاعت ہے تو اس درجہ میں رہو ورنہ مہر کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتِي﴾

”اے اطمینان والے نفس! اپنے رب کی طرف رجوع کر و در آں حال کہ تو رضا والا ہے اور رضا حاصل کر اب میرے

بندوں میں شامل ہو جا میری جنت میں داخل ہو جا۔“ [الفجر: 27-30]

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائے گا اور میدان قیامت میں بھی اسی کلمہ سے مومن کو مسرور الوقت کیا جائے گا۔ اللہ پاک کے پسندیدہ عباد کی جماعت میں داخل ہو اور جنت میں پہنچا۔ ہر دو انعام رضا و مرضی ہونے کی صفت پر ہے۔

## ① وَالْعِجْزُ فَخْرِي

عاجزی میرا فخر ہے

عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں: وَالْفَقْرُ فَخْرِي لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کر دیا ہے کہ وَالْفَقْرُ فَخْرِي کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

صاحب مجمع البحار نے بھی وَالْعِجْزُ فَخْرِي کے الفاظ کو بیان کیا ہے جیسا کہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔

عجز کے معنی در ماندگی کے ہیں اور کسی مفوضہ کام کو نہ کر سکتا اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ مفوضہ کام نہ کر سکنے کی کوئی مناسبت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات علیہ وسلم تو سراپا سعی مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔

لہذا عجز سے مراد عجز بہ درگاہ احمدیت ہے اور یہ معنی رب العالمین کے جاہ و جلال اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و احوال پر



اہل ثروت کے حال پر نگاہ ڈالو کہ دنیا میں تھوڑی سی کامیابی کے بعد ان کے غرور پندار کی کیا حالت ہوتی ہے؟ اور رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بھی غور سے دیکھو۔

وہ رسول ﷺ جس کی نصرت و تائید زمین کے ہر ذرہ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو جس کا حکم نفوس پر قرماں روا ہو، جس کی عظمت سے مابین السماء والارض پر آوازہ ہو، وہ لہہ بہ لہہ، لہٹہ بہ لہٹہ، عجز و افتخار اور تقضیع و انکسار ہی کے تحت و طیبات درگاہ احدیت اور آستانِ صدیقت پر پیش کر رہا ہے اور افتخار کو افتخار سمجھ رہا ہے۔

نبی ﷺ کی سکھائی ہوئی دعاؤں کے کلمات زاکیات کو دیکھو جن سے غفلتِ قلب کا فوراً اور حجابِ روح دور ہو جاتا ہے کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اٹھتا ہے اور بے اختیار سطوتِ الہی اور احتشامِ لم یزل کے سامنے جھک پڑتا ہے۔

نمونہ کے طور پر ایک دعا کا اندراج کیا جاتا ہے۔ قارئین اس کے اسلوب بیان پر غور کریں، علومِ مکانی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل زبان سے یہ الفاظ نکلے، وہ خود بھی اظہارِ عجز اور نیاز کو اپنے لیے کس قدر مایہ ناز و افتخار سمجھتا ہے اور قہمیں کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے۔

اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَرَى مَكَانِي وَتَسْمَعُ كَلَامِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَّتِي وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي وَأَنَا الرَّجُلُ الْمُسْتَفِيقُ وَمَقَرُّ الْمُعْتَرِفِ بِذُنُوبِي وَأَنَا الْمُسْتَعِيثُ الْمُسْتَجِيرُ - أَسْأَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمَسْكِينِ وَأَبْتِهَالُ إِلَيْكَ ابْتِهَالُ الْمَذْنِبِ الدَّلِيلِ وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَفَاتُهُ وَفَاضَتْ لَكَ غَبْرَتُهُ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهُ أَنْ لَا تَجْعَلَنِي بِدُعَائِكَ شَقِيبًا وَكُنْ لِي رَوْفًا رَحِيمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُولِينَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ - [1]

"یا اللہ! تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سن رہا ہے میری پیداو نہیں کو خوب جانتا ہے۔ میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ میں تو کاٹنے والا، ڈرنے والا ہوں میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں۔ تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں، گنہگار ذلیل کی طرح تیرے سامنے چلا رہا ہوں۔ ناچنا خوفزدہ کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں، میری پکار اس شخص کی سی ہے، جس کی گردن نیچی ہو، جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں، جسم جھک گیا ہو اور ناک زمین پر گر رہا ہو، اے معبود مجھے محروم نہ رکھنا، میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا۔ اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے تو سب سے بڑھ کر جو دو عطا کرنے والا ہے۔"

اللہ اکبر! یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہل ایمان دل اور زبان کے اس عجز و بیان کے ساتھ بارگاہِ منان میں حاضر ہو تو ضرور ہے کہ رحمت اس کی دیکھیری فرمائے، محبت اس کی شمع راہ بنے، اخلاص و صداقت اسے خاک سے اٹھا کر کرسی قبول و عزت پر بٹھائے۔ فطوبیٰ لہم۔

[1] کنز العمال: 3614، الدر المنثور للسیوطی: 229/1، المعجم الكبير: 164/11، المعجم الصغير: 136/6، الملل المنجاب: 360/2، تحف السعادة المظین: 375/4، امالی الشجرى: 60/2

## ﴿12﴾ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِي

زہد میرا پیشہ ہے

حرفت: اس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارہ کا ذریعہ بنائے۔

زہد: اصل لغت میں عدم رغبت کو کہتے ہیں۔ سورہ یوسف میں ہے:

﴿وَتَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾ [یوسف: 20]

”قافلہ والوں کو یوسف کو پاس رکھنے میں رغبت نہ تھی۔“

نَسِيءٌ زَهِيْدَةٌ حَيْزٌ اَنْدَكُ (تھوڑی سی) جو قابل التفات نہ ہو۔

اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور مال و متاع دنیا سے رغبت نہ رکھنے کو زہد کہتے ہیں۔

بعض نے کہا، زہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اعتماد ہو اور نہ مفقود پر تاسف ہو۔ ﴿1﴾

امام الحدیث احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، زہد کی تین (3) اقسام ہیں:

﴿1﴾ ترک حرام، یہ عوام کا زہد ہے۔

﴿2﴾ حلال میں سے زائد شے کا چھوڑ دینا یہ خواص کا زہد ہے۔

﴿3﴾ ہر ایک ایسی شے کا ترک کر دینا جو توجہ الی اللہ سے روکنے والی ہو، یہ عارفین کا زہد ہے۔ ﴿2﴾

قارئین احادیث کے ہر دو الفاظ پر غور کیجیے۔

حرفہ تو اس طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کے لیے لازم ٹھہرائے اور یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”زہد“ ہی کو اپنا حرفہ بتلایا تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ ان سب اشیاء، جملہ اسباب اور وسائل سے جو ماسوی اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں ہٹا کر پورے اہتمام اور پوری ہمت سے اللہ ہی کی طرف توجہ کر لی جائے، وسائل اور وسائل کو بیچ پوچھ بھجھ لیا جائے۔

وہ اعتماد جو پروردگار پر ہے، سامان حاضرہ کو موجب طمانیت نہیں بنا سکتا اور اسی سامان کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ زہد کی بلند ترین صورت ہے اور اس زہد پر یہ اعتراض بھی مائد نہیں ہو سکتا کہ زہد تو اکتسابی ذرائع کا مائع ہے یا زہد تو اصول

تمدن کی مخالفت کا نام ہے۔

## ﴿13﴾ وَالْيَقِيْنُ قُوَّتِي

یقین میری روزی ہے۔

واضح ہو کہ کتاب تمید میں یقین اور اہل یقین کا بیان آیات متعددہ میں ہوا ہے۔

﴿1﴾ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا نَزَّلْنَا لَكَ وَمَا نَزَّلْنَا مِنْ قَبْلِكَ بِالْاِحْسَادِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰی

هُدٰى مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [البقرہ: 4-5]

”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا، نیز اس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔“

آیات بالا پر غور کرو کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے۔

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَهْتَدُونَ يَا مَرْغَبُ لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يوقنون ﴾ [سبہ: 24]

”ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے کیوں کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔“

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَفِي أَنْفُسِكُمْ ۝ [الذاریات: 20-21]

”یقین والوں کے لیے زمین میں اور خود ان کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔“

آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ آیات ربانی کا مشاہدہ اور علامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ و معائنہ سے نفع کا حاصل کرنا اہل یقین ہی کا حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ روح کا جسم انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا پیکر ایمانی میں ہے۔

یقین ہی اعمال قلب کی روح ہے۔

یقین ہی حقیقت صدیقیت ہے۔

علماء میں اختلاف ہے کہ یقین کسی ہے یا وہی ہے۔ ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کسی ہے اور بلحاظ اصلیت وہی ہے۔

سہل ستری بیہیہ فرماتے ہیں کہ مکاشفہ سے ابتدا ہوتی ہے اور پھر انسان معائنہ و مشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔

ڈوانون مصری بیہیہ فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین (3) ہیں۔

① لوگوں سے میل جول کم ہو۔ ② کسی کے عطیہ پر مدح نہ کرے۔ ③ کسی کے نہ دینے پر اس کی خدمت نہ کرے۔

انہی کا ارشاد یہ بھی ہے، یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شے میں نظر الی اللہ ہو، ہر معاملہ میں رجوع الی اللہ ہو ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔ ④

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے تو وہ تین (3) ہیں۔

مرتبہ اولیٰ میں اوامر و نواہی، علم معاد، علم الاسماء والصفات داخل ہیں اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت و صدق پر وثوق ملی ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔ دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام رویت حاصل کر لیتی ہے اس کو عین یقین کہتے ہیں۔

مرتبہ ثالثہ میں خود آفتاب حقیقت نور بیہ ہوتا ہے کلفت یقین جاتی رہتی ہے۔ حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے،



﴿ رَبِّ اذْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴾

”اے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچاؤ اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ و جتو جس

کے ساتھ نصرت ہو۔“ [بنی اسرائیل: 80]

اس دعا میں مُدْخَلَ صِدْقٍ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ کا سوال سکھایا گیا ہے۔

مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے جو اللہ کے لیے، اللہ کی جانب اور احکام الہی کی جانب بندہ کیا کرتا ہے۔ اس توجہ میں شائبہ ریب و شک نہیں ہوتا۔ اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ کا داخلہ مدینہ منورہ بھی اسی مُدْخَلَ صِدْقٍ میں داخل ہے جس کی برکات و انوار لامتناہی ہیں۔

مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہوا و ہوس اور اقتضائے طبع و نفس سے منہ موڑ کر اور امور خفا کی سے دامن دل کو چھوڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے، اور کوئی حجاب، کوئی رسم، کوئی امید منفعت، کوئی خوف ضرر بندہ کو اس خروج صدق سے روک نہیں سکتا۔

نبی ﷺ کا مکہ چھوڑ دینا، وطن سے دوری، تعلق داروں سے بے تعلقی، راہ ہجرت کی ہاد و پیمانہ اسی مُخْرَجَ صِدْقٍ میں داخل ہے۔

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ [ہنس: 2]

”اور جو ایمان لے آئے ان کو بشارت سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔“

آیت بالا میں قَدَمٌ صِدْقٍ کے وجود کی اطلاع اور بشارت دی گئی ہے۔

قدم صدق سے مراد وہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ ہیں، جو فرمان پذیر بندہ نے اپنی حیات فانی میں ادا کیے اور قبر میں جانے سے پیشتر بارگاہ رب العزت میں پہنچ دیے گئے۔

تقدیم اعمال تو مومن و کافر، مطیع و فاسق سب ہی کی طرف سے ہوتی ہے مگر قَدَمٌ صِدْقٍ کا اطلاق سب مومن ہی کے اعمال پر ہوتا ہے۔

﴿ وَّاجْعَلْ لِّيْ لِسٰنَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ ﴾ [اشعرا: 84]

”اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔“

یہاں لسان صدق کی دعا فرمائی ہے۔ لسان صدق سے مراد ثناء حسنہ ہے۔ یہ اس بندہ کے لیے بطور جزائے حسن عطا ہوتی ہے

جس کے افعال و اعمال اور اقوال اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں معیار صدق پر پورے اترتے ہیں۔

### ﴿۱۵﴾ وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ

طاعت کرنا میری عزت ہے۔

طوع (جس سے طاعت بنا ہے) کے معنی انقیاد امر اور استیجاب حکم ہیں جب کہ مطیع اس حکم کی تعمیل پورے پورے انشراح صدر

اور نشاط قلب سے کر رہا ہو۔ حسب، وہ بزرگی جو مال یا دین یا صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ یا ستیحا و جدو کی وجہ سے حاصل ہو۔

حدیث بالا میں صنعت تشاد موجود ہے۔ یعنی عام طور پر لوگ ان اشیاء کو باعث بزرگی و برتری سمجھا کرتے ہیں جس میں اوروں پر تفوق پایا جاتا ہو۔

لیکن نبی ﷺ نے ہندگی و فرماں برداری کو اپنے لیے باعث برتری و تفوق قرار دیا ہے۔ بے شک یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے گوہر گرامی میں عموماً اور امام الانبیاء سرور عالم ﷺ کے عنصر پاک میں خصوصاً اس کا ظہور اور نور نظر آتا ہے۔ صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ رکھی تھی کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملے گا اسے قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے گا۔

شرط مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے۔ لہذا عمر فاروق، اسید بن حنیف، سعد بن عبادہ، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم جیسے غیرت مند ان اسلام نے جو شبانہ روز اِعْزَازِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ کا ورد کرتے تھے اس شرط کو جمعیت مسلمین اور عزت اسلام کے منافی سمجھا۔

جب انہوں نے اس بارہ میں حضور ﷺ سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے ان کے دلائل کی تردید کی اور نہ ان کے اقوال کی تضعیف، بلکہ زبان عالی سے یہ فرمایا:

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَ لَسْتُ أَغْصِيهِ وَ هُوَ نَاصِرِي ﴿١﴾

”میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار بھی ہے“

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ نبی ﷺ کس قدر زیادہ طاعت و انقیاد الہی کے پابند تھے کہ حمیت و حمایت ظاہری اور وقار عزت یعنی نو مسلموں کی جنبہ داری یا مرتدین کی تعزیر کے مسلمہ اصول بھی حضور ﷺ کے ذوق اطاعت اور کمال انقیاد سے الگ نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حسن عمل کا بدلہ اس جنس عمل کی صورت میں حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا اور حضور ﷺ کی اطاعت کو جملہ عالم و عالمان پر فرض عین ٹھہرایا۔ فرمایا:

﴿١﴾ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴿١﴾ [النساء: 80]

”جس نے محمد رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔“

﴿٢﴾ إِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ﴿٢﴾ [البقرہ: 54]

”اے لوگو! اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا لو گے۔“

## ﴿١٦﴾ وَالْجِهَادُ خُلُقِي

جہاد میری خصلت ہے۔

جہاد پوری کوشش سے کام کرنا، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا، فلق طبیعت، جبلت، پیدائشی خصلت۔

جہاد شریعی کی دو اقسام ہیں: جہاد بالمال اور جہاد بالنفس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَتَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾ [النفس: 11]

”اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔“

مال کی قربانی بھی سخت و شہوار ہے اور ایثار جانی بھی سخت مشکل۔ بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پروا نہیں کرتے اور اکثر ایسے ہیں جو مال کے لیے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں۔ جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو وہاں پورا اترنا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں ہی کا کام ہے۔ بسا اوقات یہی مال و جان انسان کو اس کے فرائض ذاتی و قومی اور واجبات اخلاقی و دینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہو جایا کرتے ہیں، لیکن اللہ کی راہ کے فدائی ہر شے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ [الحج: 78]

”اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“

اس جہاد سے مراد علم الہی کی تحصیل، رضاءے ربانی کا حصول، تقرب سبحانی کا شوق، مدارج روحی کا ارتقاء مراد ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صرف طاقت اور اخلاص توجہ یعنی لغوی اور ایمان و عمل صالح یعنی شرعی بہتہ وجود درکار ہیں۔

جہاد کے معنی اعدائے دین کو تخت میں لانا، اعدائے کلمت اللہ کے لیے وسائل مالی و جانی کو مجتمع کر دینا بھی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک پر نگاہ ڈالو کہ جہاد کی ان جملہ اقسام میں حضور ﷺ جملہ افراد امت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کا عزم و ارادہ اور نیت و تقنا، حضور ﷺ کا آرام و قیام اسی جہاد فی اللہ کے لیے تھا۔

وہ آسودگی و آرمیدگی جو خاصہ اہل حکومت ہے۔

وہ دہن و ضعف جو لاحق احوال امراء ہے۔

وہ کسل و جمود جو محبوب مترقبین ہے، ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذات گرامی پر نہ تھا۔

جدوجہد، سعی و طلب، ارتقاء و ارتقاء، سوز و گداز، حزن و شوق حضور ﷺ کے خدام و رہا رہتے اور اسی اسوہ عالیہ کا فیضان تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خویش و تبار سے، زن و اولاد سے جدا، ضیاع و زرع سے دور، آرام و آسائش سے نفور ہو کر ہمہ تن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے۔ اسی صفت عالیہ کے تحت میں انھوں نے وطن کو خیر باد کہا اور زیست دنیوی کو حیات دنی قرار دیا۔ وطن سے نکلنے اور تمام دنیا کو ہمت بلند، عزم راسخ، طلب صادق، سعی موفور کی ایسی تعلیم دے گئے کہ مشرق سے مغرب تک

﴿كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْعُنْيَا﴾ [التوب: 40] ”اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند رہنے والا ہے۔“

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے دنیا کا دار العمل ہونا سمجھ لیا، انفاس کا پاس ہونے لگا، حیات ارضی کے بعد حیات روحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مدت قلیل میں فواکد کثیرہ، فتوحات عظیمہ، غنائم و افرؤد نتائج عالیہ حاصل ہو گئے۔

کاش! مسلمان اسی علم و عمل کو مال زندگی سمجھیں اور سعی و طلب کو اپنی جبلت و فطرت بنا لیں اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں

زندہ کہلانے کا لقب حاصل کر سکیں۔

نہیں، نہیں، دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطلع نظر بہت پست ہے۔ اہل ایمان کو اپنی نیت و فعل اور عزم و عمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے تاکہ انھیں انبیاء و صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو جائے اور سعادت و آرزو کا تاج جسے تاج خلافت بھی کہا جاتا ہے ان کے سر پر رکھا جائے۔

## ﴿۱۷﴾ وَقُرْآنٌ عَرَبِيٌّ فِي الصَّلَاةِ

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

حج عمر میں ایک دفعہ ہے ادائے زکوٰۃ کے لیے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے صوم رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں۔ مگر نماز ایک دن میں پانچ (5) دفعہ پڑھنا فرض ہے۔ سات (7) برس کے بچے کو نماز پڑگانے اور دس (10) برس کے بچے کو ترک نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے۔ سفر ہو یا مرض، مغلسی ہو یا امبری، اسیری ہو یا آزادی، نوکری ہو یا گھر پر فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی، جب تک ہوش حواس درست ہیں نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی ہے اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے۔ نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروز محشر ہوگا۔

عقادین نماز ہے، شوکت اسلام نماز ہے، اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے، مسجدوں کی تعمیر، اذانوں کا اعلان، خطیب اور پیش نمازوں کا تقرر، سب کچھ نماز کے لیے ہے۔ حفاظ قرآن کی عزت، محراب مسجد سے آشکار ہوتی ہے اور علمائے دین کی فضیلت منبر مسجد سے نمودار ہوتی ہے۔

نماز ہی اجتماع و تنظیم کا سبق آموز ہے اور نماز ہی پابندی اوقات کا فخر بنانے والی ہے۔ نماز ہی مختلف المراج افراد کو مرکز واحد پر لاتی ہے اور نماز ہی قوم کو پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز ہی بندہ کو بدن، لباس اور مقام کو پاک و پاکیزہ اور صاف بخلی رکھنے کا ذریعہ ہے۔ نماز ہی سحر خیزی سکھاتی ہے اور نماز ہی بیہودہ تعمیروں، تماشاؤں میں انسان کی صحت اور روپیہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے۔ نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔

نماز ہی ہر انسان کو دربار الہی میں حاضر ہو سکنے کا اعزاز عطا کرتی ہے اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی و ہم کلامی کاراز کھول دیتی ہے۔ نماز ہی کمال عبودیت ہے اور نماز ہی تکمیل انسانیت، نماز ہی اخلاق حسنة کی باوی ہے اور نماز ہی عادات سنیہ کی سپر ہے۔ نماز ہی مغفرت و رحمت ہے اور نماز ہی نور و برہان ہے۔ نماز ہی سے رب العالمین کے عالمگیر علم و قدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزندان اسلام کی عالمگیر اخوت کا سلسلہ پاکدار بنتا ہے۔ نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں اور نماز ہی سے تجلیات حضور ﷺ کی اشاعت نور ہوتی ہے۔ جس دین میں نماز نہیں وہ دین ہی نہیں۔ مومنین کے لیے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے اور حالت سجدہ کو بندہ کا بارگاہ سبحانی سے قریب تر ہونا بتلایا گیا ہے۔

بزرگان دین سمجھتے تھے کہ چنچل من صرف نماز ہی سے سکیںدہ یاب ہوتا ہے اور ہر وقت سوچنے والا دماغ صرف نماز ہی میں اتنا بت الی اللہ کا مزہ پاتا ہے۔ نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس روح اور سر اور آنکھ پر یکساں پڑتا ہے اور نماز ہی ہے جو



یہ حالت ارتعاب انسان کو ملوثی صفات بنا دیتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہے ازاں جملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی بندہ کو پانچ وقت اللہ کے حضور ﷺ میں لے جاتا اور بے واسطہ دیگر براہ راست عرض و معروض کا موقع عطا کرتا ہے۔ جب نماز کی یہ برکات عادتاً مسلمان کے لیے ہیں تو کچھ شک نہیں رہ جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی نماز اپنی نورانیت میں سارے جہاں کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔

ایک مذنب ذلیل، خائب و خاسر کی عبادت کو ایک مصطفیٰ و مجتبیٰ، سید الوری، حبیب رب العالی ﷺ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت و مشابہت ہو سکتی ہے۔؟

البتہ حدیث پاک سے اس قدر مستنبط ہوا کہ نبی ﷺ کے کلمہ خوانوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی کو بنانا چاہیے، جیسا کہ حضور ﷺ رسالت مآب نے نماز کو قرۃ العین فرمایا ہے۔

صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم



## خصائص القرآن

قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے، جسے نبی ﷺ نے کلام اللہ بنا کر اپنی زبان مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا۔ لہذا سیرت نگار نبوی ﷺ کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ کتاب ہذا کی جلد اول میں بھی اس بحث پر چند اوراق پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب اس اختصار سے کچھ آگے بڑھ کر چند بحث ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

قرآن پاک کے نام بھی اسماء الحسنیٰ کی طرح 99 تک پہنچ گئے ہیں، لیکن سب سے زیادہ خاص اس کا نام مبارک "کلام اللہ" ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور اس کا نام "القرآن" ہے۔

امام ابن القیم نے اپنی کتاب "المشوق الی علوم القرآن" میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ قرآن محاروۃ قرأت الحوض سے ماخوذ ہے، جو حوض پانی سے لہا لہر ہوتا ہے، اسے قرأت الحوض کہا کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک جملہ علوم پر محتوی اور عرفان تام کا ظرف اور حقائق اصلیہ سے پر ہے اس لیے اس کا نام قرآن ہوا۔ [اب ذیل میں متعدد عنوانات کے ساتھ چند مباحث پیش کیے جاتے ہیں۔]

### فصل اول 1

## ضرورت قرآن

قرآن مجید کی ضرورت معلوم کرنی ہو تو سب صاحبان کو اس زمانہ کی تاریخ اور صلیحہ عالم کی حالت پر غور کرنا چاہیے۔ ایران کے مجوس کا سراپا شرک کی نجاست میں غرق ہونا اور احاطہ انسانیت سے نکل کر ان کی ماں بیٹی، بہن سے ازدواج کو جائز و مباح سمجھ لینا۔

روما چرچ کے عیسائیوں کا صریح بت پرستی میں مبتلا ہو کر اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں ہندگان الٰہی کا خون پانی کی طرح بہانا۔

چین کا قبر پرستی اور بھوت پرستی کی عبادت میں محو ہوجانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔ اس کا فسق و فجور میں پڑ کر شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا، مرد عورت کی برہنگی کے اعضاء کی مثالوں کو سب شود و اولوں میں قائم کرنا، دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔

عرب کا بعض صفات بالا میں اکثر ممالک سے بڑھ جانا۔ الغرض معمورہ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کے دور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے سے نازل شدہ تھیں، نا کافی ثابت ہو چکی تھیں۔

ان کا تمام عالم کے بگڑے ہوئے آوے پر تو کیا اثر ہوتا کہ خود اس قوم (جس میں اس کتاب کا نزول ہوا) دائرہ اطاعت میں نہ رہی تھی۔ اس لیے ضرورت تھی ایک ایسی مہین کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت ہو اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے

کی قابلیت اور بلحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراق پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی۔

ہاں! جس طرح سخت گرمی اور جس کے بعد بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، جس طرح رات کی سخت تاریکی کے بعد خورشیدِ عالم افروز طلوع فرماتا ہے، اسی طرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمتِ مظلمہ ہی نے قرآن مجید کے نورِ مبین کی ضرورت کو افرادِ عالم کے دل و دماغ میں ثابت و محسوس کرا دیا تھا۔

لہذا اسی رحمتِ ربانیہ نے جو انسان کو عدم سے وجود میں لانے اور نطفہ سے انسانِ کامل بنانے میں کار فرما ہے، ہماری روحانی ضرورت کے لیے اس نور و ہدایت کو نازل فرمایا۔

بدبختی سے بند میں ایسا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو رب کریم کو ارحم الراحمین تو مانتا ہے مگر پھر بھی اس کلامِ الہی کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت سے انکار ہے۔

یہ کورسوا تسلیم کرتے ہیں کہ اس ﴿نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [نور: 35] نے اگر آکھ کو بینائی دی ہے تو دیکھنے کے لیے ان گنت رنگتیں بھی بنائی ہیں۔

اگر کان کو شنوائی ملی ہے تو سننے کے لیے بھانت بھانت کی آوازیں بھی پیدا کی ہیں۔ پاؤں چل سکتا ہے تو اس کی جولانی کے لیے فرشِ زمین میں ہموار و ناہموار راہیں بھی نکال دی ہیں۔ منہ کھا سکتا ہے، تو ذائقہ کے واسطے پیٹھے، سلونے کھنے، پھینکے کھانے بھی مہیا کیے ہیں۔ یعنی جس قدر حواس ظاہری اور توہائے باطنی جسمِ انسان میں پائے جاتے ہیں اس کے متعلق ایک ایک جداگانہ عالم بھی پیدا کیا گیا ہے۔ مگر ان کو اب بھی سخت انکار ہے کہ روحِ انسانی کے لیے (جو فطرتِ انسانی کی خزینہ دار اور اس کی مملکت کی حکمران ہے) کوئی جداگانہ عالم موجود ہو، اگر یہ لوگ روح کا انکار کر دیتے تو ان کی حالت پر اتنا افسوس نہ ہوتا لیکن روح کا اقرار اور رحمتِ الہیہ کی جانب سے اس کے لیے عالمِ خاص کا انکار قطعاً اسرافِ فطرت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

ضرورتِ قرآنِ مجید کے ثبوت میں ہم دنیا کے سامنے دنیا کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔

نیز ان تمام ترقیات کو دنیا کے ہر ایک مذہب نے نزولِ قرآنِ مجید اور اشاعتِ کتابِ حمید کے بعد اپنے عقائد اور اصول میں کی ہے اور ان تمام اصطلاحات کو بھی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جو غیر مسلم اقوام نے اس 1352 سال کی مدتِ رسالتِ محمدیہ ﷺ میں تعلیمِ قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مذہب اور مسلک میں داخل کر لی ہیں۔

ان ترقیات و اصطلاحات کے ازمنہ ارتقاء کی تاریخ معلوم کرنے کے بعد امید قوی ہے کہ ہر ایک مصنف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقع معصومہ عالم کو قرآنِ مجید کے نزول کی سخت ضرورت و احتیاج تھی۔

### فصاحت و بلاغتِ قرآن

اگر کسی کو فصاحت و بلاغتِ قرآنی کا اندازہ کرنا ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے زبانِ دانیِ کامل کی ضرورت ہے۔

اور علمِ معانی و بیان و بدیع میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا لازمی ہے۔

اور پھر فہمِ سلیم و طبعِ ہموار کی شرطِ لا بدی ہے۔

اگر یہ آکھیں، یہ عینک، یہ دوربین کسی کو مل جائے تو وہ بے اختیار بول اٹھے گا کہ قرآنِ عظیم کی فصاحت و بلاغتِ طاقتِ بشری سے بالاتر ہے۔

جہاں عرب شیدائی زبان اور فدائی حسن بیان تھے اور اسی وجہ سے وہ اسالیب غریب و قصائد عجیب کے مالک، رجز فاخرہ و اسجاع موزونہ اور خطب جلیفہ کے انشا پر قادر تھے۔

صرف اسی قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زبان آوروں، خطیبوں اور شاعروں سے منوایا تھا کہ قرآن کلام بشر نہیں۔ ذرا غور کرو، دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے نرالا اور فائق تر ہو، جیسے خاتم النبیین، رسول کائنات، لئیس، رحمت للعالمین، مطاع عالم، ﷺ کے اعلام سے نمایاں ہے اور ثبوت دعویٰ میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو اور اسی کو اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو ضلالت و عمایت (اندھاپن) اور خلود ناروغیہ کی ذلتوں کے مواعید سے جوش بھی دلایا ہو۔

پھر ایسی حالت میں بھی اسی ملک کے رہنے والے، اسی کی زبان کے بولنے والے، اسی زبان کے قادر الکلام اور سحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت و خاموش اور متحیر و مدہوش رہ گئے ہوں۔

① ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے قرآن مجید کے پیش کرنے والے (فدا و ابی و امی) نے معارضہ کی چھ (6) قسمیں بتلائی ہیں اور ہر ایک قسم کے مقابلہ میں سب کو عاجز و در ماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کو آفتاب روشن کی طرح آشکارا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید کو عربی زمین ہے، مگر اس کی فصاحت و بلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔

② اب یہ بھی طوطا خاطر رہنا چاہیے کہ فردوسی، ہومر (Homer)، سعدی و شیکسپیر (Shakespeare) و المیک (Walmake) و ملٹن (Milton)، گوئیٹے و میکن (Beacon) تا بڈ و سسر، امرام القیس و خسرو وغیرہ جن کی فصاحت و بلاغت کی بری بڑی تعریفیں مختلف المذہب کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں ان سب کا جوش و خروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے، جن کی بنیاد تخیلات و تصورات پر رکھی گئی ہے، جن میں ہر قسم کی تشبیہات و استعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی، جن میں ترک غلو یا پابندی صداقت کی کوئی بندش نہ تھی۔

اگر انہی زبان آوران پر کلام کو کوئی قانون، کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا، اگر حقائق الہیات اور رموز فطرت یا اسرار آفرینش پر ان کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھ لیتی کہ عبارت کتنی چمکی، بندش کتنی ست اور الفاظ کیسے کھیل، طرز ادا کتنا متہزل ہوتا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کہ وہ احکام شریعت اور مواعظ و امثال، اخبار و انذار میں زبان ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر آیات کا القاف مار رہا ہے اور بایں ہمہ کلام میں کسی جگہ بھی نہ صداقت و روحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت و بلاغت کے مرکز سے متزلزل ہوا ہے۔

③ انداز فصاحت و بلاغت کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ساری دنیا کے مسلمہ و مقتدر فصحاء کے میدان کلام اور وادی سخن بھی خاص خاص ہوتے ہیں۔ سعدی کی فصاحت قعر قلب میں جگہ پالیتی ہے لیکن بزم و نشاط کی بساط کا بچھانا اور ناز و اختلاط کے کواڑ کھول دینا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

فردوسی کے بیان جنگ کو پڑھنے والا بھستا ہے کہ وہ کوئی سینما دیکھ رہا ہے، لیکن مواعظ و اخلاق کی سڑک پر اس کا خشک قلم لنگڑاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

عرب کے امراء اٹھیس و عشرہ، ابونواس و ابوالعتابہ کا بھی یہی حال ہے۔ جرمنی و فرانس، اٹلی و انگلستان کے اہل قلم (شاعروں، ناول نویسوں، اڈیٹروں، یا زبان آوروں، پروفیسروں، لیکچراروں) میں بھی یہی تفاوت درجات موجود ہے۔ ریٹالڈ (Renald) بھی گھن (Gibben) نہیں بن سکتا، اور کارلائل (Carlyle) کبھی شیکسپیر (Shakespeare) کا روپ نہیں دھا ر سکتا، ہربرٹ (Herbert)، سپنر (Spinner) اور تارتھ بڑک (North Brook) کی زبان کبھی ایک نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم پر صوماء سے موجود ماہیات و کیفیات کے متعلق کس قدر لائل سا ملکہ و براہین بیضہ سے کام لینا پڑا۔ اسے اقوام ماضیہ کے عروج و زوال اور اس کے لوازم و اسباب پر کیا کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس نے مذاہب و ادیان و عقائد و مسلمات انسان پر کتنی تیز روشنی ڈالی۔

اس نے روح و مادہ اور اعمال کی بابت کس قدر اسرار آشکار کیے۔ اس نے تدبیر منزل و سیاست مدن، حقوق افراد و جوہ قوم کی نسبت کتنے قوانین و ضوابط ایجاد کیے۔ اور ان سب کی تمیین و وضوح کے سلسلہ میں اسے کس قدر اقسام سخن اور اسالیب کلام پر تکلم کی ضرورت ہوئی لیکن ہر جگہ کلام کی شان، الفاظ کی شوکت، معانی کا حسن اسی خصوصیت کے ساتھ جلوہ گستر و نور افزا ہے، جیسا کہ اثبات توحید و رد شرک و ابطال باطل و احقاق حق کی فضا میں عطر بیژ و روح پرور تھا۔ یہ وہ وقائع کلام ہیں جن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اپنی لمبی لمبی عمروں کو اسی شوق فہم و ذوق وجدان میں پورا کر دیا ہے۔

④ فصاحت و بلاغت کا تعلق جزالت الفاظ سے بھی ہے اور اشاعت معنی سے بھی۔ ہم اس جگہ چند آیات کا اقتباس پیش کرتے ہیں، ان کے ہمہ گیر معانی پر غور کرو اور خوب غور سے دیکھو کہ تہذیب اخلاق، تہذیب نفس، تدبیر منزل، حصانت قوم اور سیاست مدن کا کون سا ضروری مسئلہ ہے جو ان چند آیات سے باہر رہ گیا ہے۔ اسی سے قرآن مجید کی 6666 آیات شریفہ کا اندازہ کرو اور ان علوم و معارف کا تخمینہ لگاؤ جو ان آیات میں محفوظ کیے گئے ہیں۔ ان آیات کے پیش کرنے سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم صرف اتنی ہی آیات کو پیش کر سکتے تھے یا یہی چند آیات عمود بنائے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ لا واللہ!

اس وقت ہماری مثال اس گل چمن کی سی ہے جو ایک گلستان تازہ بہار کی سیر کو نکلتا اور واپسی کے وقت وہاں سے چند گل شاداب کو زب سر و سینہ بنا لیتا ہے، کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس گل چمن کے بعد باغ میں پھول باقی ہی نہیں رہے، یا جو باقی ہیں وہ سب آب و رنگ میں یا زہت و نزاکت میں گلہائے چیدہ سے کم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً منفی ہوگا۔

### ① اصول عبادت

﴿ وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ [نور: 22]

”کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔“

### ② شرافت انسانیت

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ

مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿ [بنی اسرائیل: 70]

”ہم نے فرزند ان آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔“

③ اوامر یعنی کرنے کے کام

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ [نحل: 90]

”اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔“

④ نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

﴿ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾ [نحل: 90]

”اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔“

⑤ محرمات

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [الاعراف: 33]

”میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔“

① بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔

② گناہ

③ بغاوت ناحق۔

④ اللہ کے ساتھ شرک، جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

⑥ تعاون

﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ [المائدہ: 2]

”یکٹی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔“

⑦ عدم تعاون

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ: 2]

”گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی گنجھد نہ کرو۔“

⑧ جملہ اعضاءِ انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

﴿ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ أَدْ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴾

يَمَّنْ خَلَقْنَا تَفْصِيلاً ﴿ [بني اسرائيل: 70]

”ہم نے فرزند ان آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔“

③ اوامر یعنی کرنے کے کام

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ [النحل: 90]

”اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔“

④ نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

﴿ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾ [النحل: 90]

”اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔“

⑤ محرمات

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ

مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [الاعراف: 33]

”میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔“

① بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔

② گناہ ③ بغاوت ناحق۔

④ اللہ کے ساتھ شرک، جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

⑥ تعاون

﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ [المائدہ: 2]

”نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔“

⑦ عدم تعاون

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ: 2]

”گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔“

⑧ جملہ اعضاءِ انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

﴿ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ أَدْكُلُّ أَوْلِيكَ كَمَا أَنَّ غَنَّهُ مَسْئُولًا ﴾

”جب قول ہوا اور فعل اس کے ساتھ نہ ہو تو خدا کے ہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔“

16) اپنے افعال کی پوری پوری ذمہ داری

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [التعام: 164]

”کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

17) برائی کی اشاعت بھی بری ہے

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ [النساء: 148]

”برائی کا کھلا ذکر اللہ کو پسند نہیں، ہاں مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔“

18) حلم و تواضع کی تعلیم

﴿وَعِبَادَ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾

”زمین کے بندے وہ ہیں جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں اور جاہلوں کے ساتھ بات چیت کے وقت وہ جاہلوں کو

سلام کہتے ہیں۔“ [الفرقان: 63]

19) ناپسندیدہ عادتیں

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ [الفرقان: 18]

”مکار اور جھوٹے فخر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔“

20) چغلی سے نفرت دلانے والی مثال

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا﴾ [الحجرات: 12]

”تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی چغلی نہ کرے، کیا تم مردہ بھائی کی لاش کا گوشت کھانا پسند کر سکتے ہو (چغلی کی یہی

مثال ہے۔“

21) نفع رسائی کی ضرورت و فضیلت

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا نَحِبُونَ﴾ [آل عمران: 92]

”تم اصل نیکی کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے۔“

22) اخوت عامہ کی تعلیم

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: 10]

”سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں، یہی سچی بات ہے۔“



عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرہ: 228]

”دستور کے مطابق حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔“

زن و شوہر کا اتحاد

﴿هُنَّ لِبَاسٍ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرہ: 187]

”عورتیں مردوں کے لیے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔“

عورت کو جدانہ کرنے کی نصیحت

﴿وَأَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ﴾ [الاحزاب: 37]

”اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔“

شکر کا حکم اور فائدہ

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم: 7]

”اگر تم شکر کرو گے تو تم کو بڑھاتا رہوں گا۔“

امتحان الہی کی چیزیں

﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ [التغابن: 15]

”مال و دولت اور اولاد میں بندوں کا امتحان ہے۔“

کسر نفسی کی تعلیم

﴿وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ [یوسف: 53]

”میں نفس کو بری نہیں ٹھہراتا، نفس تو برائی کی طرف اکسایا کرتا ہے۔“

جنگ سے بچنے کی تدبیر

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْعَحِيلِ يُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ [الانفال: 60]

”تم دشمنوں کے لیے اپنی پوری قوت سے تیار رہو اور سرحدات پر پوری فوجی تیاری رکھو، اس تدبیر سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو روکے رکھو گے۔“

جملہ محامد عالیہ کا مالک ہمارا پروردگار ہی ہے

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [التحۃ: 1]

”اللہ، جو تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے، وہی سب خوبیوں کا مالک ہے۔“

دین الہی کی تعریف

﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ [الروم: 30]

”وہ سرشت الہی جس پر سب انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں۔ یہی تو محکم و استوار دین ہے۔“

دین صحیحہ کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں

﴿ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُنِمْ نِعْمَتَهُ، عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ [المائدہ: 6]

”وہ اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر کوئی دشواری ڈالے، اس کا تو ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک و مطہر بنائے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے کہ تم شکر گزار بنو“

رب برتر کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ رحمت و محبت کا ہے

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ [الانعام: 12]

”تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ رکھا ہے (جمع کر رکھا ہے)۔“

﴿ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴾ [البرون: 14]

”وہ تو بہت بخشنے والا محبت کرنے والا ہے۔“

﴿ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ﴾ [البقرہ: 257]

”اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے اور ان کا کارساز ہے اور ان سب کو تاریکیوں سے نکالتا ہے اور نور میں لاتا ہے۔“

انسان واحد کی جان کی قیمت

﴿ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَ مَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ﴾ [المائدہ: 32]

”اگر کسی نے ایک انسان کو مارا (قصاص یا بلوہ کی سزا مستثنیٰ سمجھو) تو گویا اس نے تمام نوع انسانی کو قتل کر ڈالا اور جس کسی نے ایک انسان کو بھی ہلاکت سے بچالیا گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی کو بچالیا“

امن شکنی کی ممانعت

﴿ فَادْكُرُوا اللَّهَ وَ لَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴾ [الاعراف: 74]

”اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آ جاؤ۔“

اصول مصارف

﴿ وَ الَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَ لَمْ يَقْتُرُوا وَ كَانَتْ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ﴾ [القرآن: 67]

”رہمن کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں، تب نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان حالتوں کی درمیانی حالت پر چلا کرتے ہیں“

﴿۱۳۷﴾ مال و منال دنیا سے آرام و آسائش بھی اٹھاؤ اور آخرت بھی کماؤ

﴿وَاتَّبِعْ فِي مَالِكَ اللَّهُ الذَّارَ الْأَجْرَةَ وَلَا تَنْسَ نَفْسِكَ مِنَ الدُّنْيَا وَآخِرَتِكَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ [التقص: 77]  
 ”جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کی بھی طلب کرو اور اپنا دنیاوی حصہ بھی مت بھول جاؤ اور بھلائی کیا کر، جیسا کہ اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے“

﴿۱۳۸﴾ امداد و غربا و مساکین

﴿فَاتِ ذِي الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [الروم: 38]  
 ”قربت والے اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کیا کر، یہ باتیں ان لوگوں کے لیے بہتر ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے“

﴿۱۳۹﴾ سوگند (قسم) کھانے والا انسان بے اعتماد و مین جاتا ہے

﴿وَلَا تَطْعُمَّ كُلَّ خَلْفٍ مَّهِينٍ﴾ [الشم: 10]  
 ”جو کوئی شخص بہت سوگندیں کھاتا اور ذلیل بنتا ہے اس کا اعتبار نہ کرو“

﴿۱۴۰﴾ اللہ عز و جل سے دعا مانگا کرو

﴿وَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [انفال: 14]  
 ”اللہ ہی سے دعا مانگا کرو، خالص اسی کے ہو کر اور اسی کے فرمانبردار بن کر رہو“

﴿۱۴۱﴾ حمد خالق و مدح مخلوق

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ﴾ [النمل: 59]  
 ”حمد کا مالک اللہ ہے اور اللہ کے بندوں کے لیے سلام (سلامتی) ہے“  
 اس مختصر سے جملہ پر اور تقسیم مدارج پر جتنا زیادہ غور کیا جائے گا، اسی قدر زیادہ حقائق معلوم ہوں گے۔ اسی میں توحید ہے، اسی میں روشکر، اسی میں برگزیدہ بندگان اللہ کے مدارج علیا کا بیان۔

﴿۱۴۲﴾ نظم عالم اور تناسب اجزاء عالم کا بیان

﴿مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَٰوُتٍ ۚ فَإِذْ جُمِعَ النَّصْرُ ۗ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ﴾ [الملك: 3]  
 ”تو رخن کی پیدا کردہ اشیاء میں کچھ فرق نہ دیکھے گا، پورا اکٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی نقص بھی نظر آیا۔“

﴿۱۴۳﴾ قرآن مجید اور بیت العنکبوت کی مثال

﴿إِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبُيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [العنکبوت: 41]  
 ”سب گھروں میں کمزور عنکبوت کا گھر ہوتا ہے، اگر لوگوں کو علم ہو۔“

علم کو بیت العکبوت سے متعلق فرمایا، اس لیے کہ عکبوت کے گھر میں اہل علم کے لیے بڑے بڑے عجائب ہیں۔ جرمن پروفیسروں کا قول ہے کہ کھڑی کے جانے کا ہر ایک تار چار تاروں سے ملا ہوا ہوتا ہے اور ان چار تاروں میں ہر ایک تار ایک ہزار تار سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی ایک تار میں چار ہزار تار کے ہوتے ہیں۔ اہل علم غور کریں کہ اس ”اوہن البیوت“ بنانے والی کھڑی کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر فہم و فراست اور باریک نگاہ و خیانت کی صنعت عطا فرمائی ہے۔

### ﴿قرآن مجید اور نخل (شہد کی مکھی) کی مثال﴾

﴿وَإِذْ أَخْبَرْنَا لِسَانَ النَّبِيِّ الْاِخْتِيارِ﴾ [اھکبوت: 41] ”تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وہی کی“  
 شہد کے تجربے کے اندر نظام قومی کا مستحکم آئین، فوج اور اہل صنعت کی جداگانہ تقسیم، جداگانہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ محلے، بچہ دینے والی رانی کی حکومت، بچوں کی پرورش اور تربیت کی خدمات کو سرانجام دینے والا عملہ، شہد کے ذخیرے، ذخیروں کی حفاظت کے طریقے، شہد بنانے کے لیے ہزار ہا اقسام کے پھولوں میں چاشنی کا نکال کر لانا، چھتے کے سب گھروں کا مسدس اور یکساں رقبہ ہونا، یہ جملہ امور اس نتیجہ کے موید ہیں کہ جب وہی رانی کسی ذی روح کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اسے کیا بنا دیتی ہے۔  
 اور جب قرآن جیسی وحی انسان جیسے ذی عقل و فہم اور ذی نطق و تدبیر کے ارتکائے بدنی و روحی کی طرف التفات فرمائے تو اسے کن کن منازل تک بلند فرما دے گی۔

### ﴿قرآن مجید اور نمل (چیونٹی) کی مثال﴾

﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ وَلَا يَحْطَبْنَكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾  
 ”چیونٹیوں کی رانی نے کہا: چیونٹیو! تم اپنی آرام گاہوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں تم کو سلیمان اور اس کے لشکر ریزہ ریزہ نہ کر دیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔“ [النمل: 18]  
 اللہ! اللہ! چیونٹیوں کے پاس ایسے مسکن موجود ہیں کہ جب وہ ان میں داخل ہو جائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر بھی ان کو نہ بگاڑ سکے۔ یہ آیت ہر ایک ضعیف قوم کو قوی تر قوم کے سامنے زندہ رہنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے وسائل کی تعلیم دیتی ہے، جن میں پہلا سبق: وہ اتحاد و اتفاق ہے کہ اپنے سردار کی رائے پر جملہ افراد قائم و عامل ہوں۔  
 دوسرا سبق: ذاتی حفاظت کا سامان ہر وقت مکمل رکھنا ہے۔  
 تیسرا سبق: کسی بالاتر طاقت کے ساتھ مقابلہ آرائی کا نہ کرنا ہے۔  
 چوتھا سبق: نقصان رسید ہو جانے کی حالت میں بھی اس شخص کو الزام نہ دینا ہے جس کی نیت اور علم میں نقصان رسائی شامل نہ تھی۔  
 پانچواں سبق: جب مسلمانوں کی اجتماعی حالت چیونٹیوں کی سی ہو جائے تو ان کو قرآن پاک کی حفاظت میں داخل ہو جانا چاہیے۔  
 چھٹا سبق: آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا امیر قوم کا فرض ہے۔  
 ساتواں سبق: چیونٹی کی مانند ضعیف ترین جنس بھی زندہ رہ سکتی ہے اگر وہ بقائے حیات کا عزم رکھتی ہے۔ اس لیے کسی قوم کا ضعف اس کے فنا کی دلیل نہیں۔

### قرآن مجید اور ارض و سماء کی اشیاء پر نظر اعتبار کا حکم

﴿ قُلِ انظُرُوا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [ابلس 101]

”آسمانوں اور زمین کے اندر کی سب چیزوں کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں؟“

یہی آیت ہے جو جملہ انکشافات کی جڑ ہے۔ قدرت کی پیدا کردہ ہر شے کو نظر اعتبار سے دیکھنا، اس کے خواص اور ماہیت کا معلوم کرنا انسان کو بلند ترین ارتقاء پر پہنچانے والا ہے۔ افسوس ہم لوگ ایسے احکام کی تعمیل سے کس قدر لاپرواہ، قاصر اور غافل ہیں۔

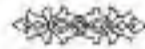
### قرآن مجید اور فوائد بحر

﴿ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا نَمْلُوهَا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوهَا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوهَا وَتَرَى الْفُلْكَ

مَوَاجِرَ فِيْهِ وَتَلْبَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ [الحل 14]

اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے فائدے کے لیے سخر کر دیا، وہ فوائد یہ ہیں:

- ① تازہ بتازہ گوشت، سمندر کی تجارت، مائی گیری کا حال اگر کوئی پڑھے تو اسے معلوم ہو جائے کہ آج دنیا میں کروڑوں پونڈ اسی تجارت سے اقوام عالم کما رہی ہیں اور مسلمان جو آیت کریمہ کے مخاطب خاص تھے اس سے قطعاً محروم اور بے خبر ہیں۔
- ② درو گوہر: جو انسان کی زینت اور لباس کی چیز ہے، اس کی تجارت بھی کروڑوں پونڈ کی ہے۔ عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بحرین [1] پر اسلامی قبضہ تھا جسے ہم کھوپٹھے ہیں۔
- ③ جہاز رانی: دنیا پر شہنشاہی کے لیے اولین شرط ہے۔ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیڑا قائم کیا اور بحری جزائر کریٹ، مالٹا، طرابلس وغیرہ فتح ہوئے۔
- ④ مویٰ بن نصیر رضی اللہ عنہ اور جنرل طارق رضی اللہ عنہ نے سین کو فتح کیا، خیر الدین باربروسا رضی اللہ عنہ نے ترکی کی سلطنت کا اقتدار سارے یورپ سے منوایا۔ بالآخر اس کو مسلمانوں نے فتح سمجھا اور دنیا کی شہنشاہیت سے محروم کر دیے گئے۔
- ⑤ بحری تجارت: جس میں بے شمار نفع ہے۔
- ⑥ مذکورہ بالا تمول اور افراط دولت اور قوت حکومت کے بعد ویشی فائدہ یعنی شکر نعمت الہی میں مصروفیت اشاعت اسلام، دور دراز ممالک میں تبلیغ اسی پر منحصر ہے۔ عہد الممالک اموی کے عہد میں عرب سودا گروں ہی نے اسلام کو ہندوستان کے جنوبی سواحل پر پہنچایا۔ انھوں نے آسام، برما اور مشرقی بنگال کو مسلمان بنایا، جب کہ شمال مغربی سرحد سے حملہ آور (محمود وغیرہ) ہندوستان سے بالکل لاپرواہ تھے۔



[1] الحمد للہ آج بحرین آزاد و خود مختار اسلامی ملک ہے۔

## معانی عالیہ و مضامین نادرہ

مضامین میں ہمیشہ دو اعتبار ملحوظ ہوتے ہیں۔

### 1) وسعت

وسعت کی بابت قرآن مجید کا خود دعویٰ ہے ﴿لَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ [الانعام: 59]

”کوئی تر اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں لکھی ہوئی نہ ہو۔“

اسی دعویٰ کے اعتماد پر ایک ذی علم مسلمان کل دنیا کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیہ روح، صفائی قلب اور حصول نجات سے ہو، خواہ اس کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو یا قدیم و جدیدہ اکتشافات و تجربہ پر ہو، خواہ وہ اشرافین کی الہیات سے لیا گیا ہو، یا انہی کے شوارقات کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے۔

ان شاء اللہ اسی مسئلہ کو وضوح تمام اور صحت کاملہ کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دکھلایا جائے گا:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ [الفرقان: 33]

”یہ آپ کے پاس جو مثالیں لائیں گے ہم آپ کو انہیں کا عمدہ جواب بتا دیں گے“

یاد رکھو کہ کوئی علمی صداقت قرآن مجید پر مبادرت نہیں کر سکتی۔

### 2) عمدگی

دنیا میں ہستی باری تعالیٰ کا یقین رکھنے والی جس قدر اقوام ہیں وہ علمی طور پر مسئلہ توحید کی ضرورت قائل ہیں۔

ایک بت پرست و تہلیل پرست کو بھی اس امر میں مساعی دیکھا جائے گا کہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے۔

اب دیکھو کہ یہ مسئلہ (جس کی خوبی پر تمام عالم متفق ہے اور جس کو اپنی اپنی کتابوں کے اندر ثابت کرنے کی ہر مذہب سعی کر رہا ہے) قرآن مجید سے بڑھ کر اور کسی جگہ نہ ملے گا۔

دیگر بیانات کو بیان قرآن کے سامنے وہی نسبت ہوگی جو منی میں ملے ہوئے پانی کو آب زلال کے ساتھ ہوتی ہے۔

اگر کسی کے دل میں اس واقعہ صحیح کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ اپنی کتاب کو پیش کرے، جہاں سے ہم چاہیں۔ اس کی کتاب کو اور

جہاں سے وہ چاہے قرآن مجید کو کھول لے، اس مقام سے آگے ایک ایک جزو کا ترجمہ کیا جائے اور وہ ترجمے تیسرے مذہب والے کے پاس پہنچ دیے جائیں۔ فیصلہ طلب امر یہ ہوگا کہ توحید کا کامل تر اور واضح تر بیان کس کتاب میں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ﴿لَا يَسْتَوُونَ بِمِثْلِهِ﴾ [الاسراء: 88] ”قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے“ کے مفہوم میں اگرچہ اس کی طرز

بدیع اور الفاظ عالی اور بے مثل ترتیب اور لاجانی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی وہ معجز اور اجتماعی شان بھی شامل و داخل ہے جو اس کی

عبارت میں نمایاں و درخشاں ہے، لیکن ان سے بھی بڑھ کر قرآن پاک کے وہ معانی پاک ہیں جو گراں الفاظ کی تہ میں ایسے ہی موجود

ہیں، جیسے حلزریں میں لولوئے شاہوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم جن مضامین عالیہ پر مضممن ہے اور جو اس کی خصوصیت خاصہ ہیں، یہ وہ بصائر ہیں، جو دیدہ کوتاہ بین کے حجاب اشخا

دینی اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴾ [العنكبوت: 17-20]

”کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے وہ کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے وہ کیسے گاڑے گئے اور زمین کی طرف غور نہیں کرتے وہ کیسے بچھائی گئی۔“

قرآن کریم یہاں اونٹ، آسمان، پہاڑ، زمین کے نام لیتا ہے۔ کیا یہ وہی چیزیں نہیں جن کو ہر ایک باوجود بدوی ہر وقت دیکھا کرتا تھا، جو ہر ایک اعرابی کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں، لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت و رفعت اور ملکیت و فصاحت کی کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اٹھتی تھی۔ قرآن مجید نے آنکھیں کھول دیں تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت و خالقیت اور رفیع الدرجات ذوالعرش کی فوقیت، سکون و حرکت کی آفرینش میں عزیز الکریم کا غلبہ اور حکمت، لہجیت (نزاکت) و صلابت اجسام میں گونا گوں فوائد کی فراوانی و کثرت بھی نظر آنے لگی۔

عرب کے وہ بھی تک صحراء و وادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا گوارا تھا، اب صحیفہ قطرت کے طالبان علم کے لیے ورق دانش بن گئے۔ ہاں! قرآن پاک اپنے مضامین کے لحاظ سے علم ہے۔ ﴿ أَنْزَلْنَا بِعِلْمِهِ ﴾ [اسماء: 126] وہ شمولی و بینائی اور دانش کے لیے گنجینہ خرد ہے اور قواعد مدرکہ اور حواس جارحہ کا رہبر ہے۔

وہ حیات قلب ہے اور نور روح، وہ راحت عاشقین ہے اور ہدایت طالبین۔

اقبال و دولت، ملکیت فی الارض اور حکومت اس کی خدام ہیں، آرام دل اور انس جان قرۃ العین اور ضیائے بصیرت اس کی توابع ہیں۔

علم و حقیقت اور ہدایت و صداقت اس کے علم بردار ہیں۔ قرب و انشراح، رفاہ و صلاح اس کے حاشید ہوس ہیں۔ نجات اخروی، فوز رومی، رضوان الہی وہ خلعت ہائے شرف ہیں جو اسی بارگاہ علیا سے عطا ہوتی ہیں۔

کاش! آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں۔ صاحب دل دلوں کے غلاف اتار اتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کھول کر کام لیں کہ حسن قرآن کی عالم افروزی و ملکوت نوازی ان پر روش و مہربان ہو جائے۔

### فصل سوم 3

## تاثیر قرآن

□ عمر بن الخطابؓ جیسا شخص جسے آج بھی یورپ جنرل عمر بن الخطابؓ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے، لیکن قرآن کی چند آیات سن کر شمشیر اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور اپنی ہمشیرہ فاطمہؓ ہی کے گھر سے ذلیل و متکسر ہو کر سرور کائنات ﷺ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے اور ”قاروق“ بنو ہنظلہ کے خطاب سے عزت پاتا ہے۔ ①

① دلائل النبوة للسیہی: 219/2، ابن ہشام: 222/1

- اسد بن زرارہ رضی اللہ عنہما مدینہ کا مشہور سردار گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ اسلام کے مبلغ اول مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کو آبادی شہر سے باہر نکال دے۔ وہ چند آیات سن پاتا ہے اور مصعب رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر کے اٹھتا ہے۔ ①
- ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہما کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص اور عدیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی۔ اسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے، رشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اسے بلا شرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہوتا ہے، اسلام لاتا ہے اور دل و جان کو محقر ہدیہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیتا ہے۔ ②
- خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہما قرآن میں سن پاتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور جب اس حالت درر بودگی سے سنبھالا لیتا ہے تو بول اٹھتا ہے: ③

وَإِنَّ لَكَ لَأَعْلَاهُ  
وَأَنَّ عَلِيَّهِ لَكُرَآؤُهُ  
وَإِنَّ أَسْفَلَ لَكُنُفُودُ  
وَإِنَّ أَعْلَاهُ لَكُنُفُورُ  
وَمَا يَفْقَهُ هَذَا لَبِئْسَ  
بَشَرٌ تَوَاسَى كَيْفَ  
بِئْسَ شَيْءٌ مِّمَّنْ  
بِئْسَ شَيْءٌ مِّمَّنْ  
بِئْسَ شَيْءٌ مِّمَّنْ  
بِئْسَ شَيْءٌ مِّمَّنْ

- ولید بن مغیرہ قریش کا بوڑھا خرافت تھا، اسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ قرآن مجید کے متعلق اس کی رائے یہ ہے کہ اس کلام میں عجیب رس ہے، یہ تو نورس حلاوت ہے۔ ④
- ذوالحجین رضی اللہ عنہما چرواہا تھا، آتے جاتے مسلمان مسافروں سے آیات قرآنی یاد کر لیا کرتا، آخر گھربار خویش و بہار، مال و مویشی، عم و مادر کو چھوڑ کر خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ ⑤

قرآن مجید کا اثر معلوم کرنا ہوتا تو ان لوگوں کے واقعات پر زیادہ نگاہ ڈالو، جو قرآن پاک کو سمجھ سکتے تھے۔ جو لوگ ایک پیسہ پر نقل عمد کو معمولی کھیل سمجھتے تھے، وہی دینِ حق کی محبت میں گھربار سے قطع تعلق کرنے لگے تھے۔ جو لوگ مدتِ العمر تین سو ساٹھ (360) بتوں کے پجاری رہے تھے، وہ خود تو حید کے داعی بن گئے تھے۔ جن کا کام لاوارث بچوں کا مال اڑانا، رائیوں کو محل دینا تھا، وہی اعانتِ یتیمی اور ہمدردی ایامی کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔ وہ خود سرقابل جنسوں نے کبھی کسی قانون یا شخص کی اطاعت نہ کی تھی، وہ اب ایسے مطیع و منقاد اور پابندِ شرع الہیہ ہو گئے تھے کہ مقدماتِ زنا میں رجم اور مقدماتِ سرقہ میں قطع ید، مقدماتِ خمر میں اجرائے حد و شرعیہ کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے کیا ایسے ظلم کسی متمدن ملک میں موجود ہیں اور کسی جگہ کے مجرم قانون کا اتنا احترام کرنے والے دیکھے گئے ہیں۔

قرأت و تلاوت کلام اللہ کا یہ اثر ہوا تھا کہ زبان آوروں کی گرمی بازارِ شندی ہو گئی تھی۔ عکاظ کا بازار مندا پڑ گیا تھا اور یہ عالم ہو گیا کہ اگر نفاط طبع منظور ہے تو اس نورِ مبین کا درو ہے اور اگر حصولِ برکت و یمن مقصود ہے تب کتابِ عزیز کا سامع ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اثر انسان کے دل و زبان، طبع و دماغ اور جملہ خواص و قوی پر نہایت مستحکم ہے اور جو اثر اس کا ایک شخص پر ہے وہی تمام ملک پر بھی ہے۔

① زاد المعاد: 430/3 ② بخاری: 4372 ③ اسد الغابہ: 134/2 ④ سیرت ابن ہشام: 11/2 ⑤ سیر اعلام النبلاء: 84,83/1 ⑥ ص: 2/330



### نمونہ تعلیم

قرآن مجید کی تعلیم و تاسیس کا نمونہ جو شخص انسانی ہستیوں پر دیکھنا چاہے، وہ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے حالات پر غور کرے۔ ان کے مصائب پر صبر، قتل برنوا، اور ادائے شکر و احسان کے واقعات کو معلوم کرے۔ کافراہل اسلام کی تواضع، خشیت من اللہ، ہمدردی عامہ، اخوت، نفع رسانی، خلاق پاکیزگی والا ہمتی، مہمان نوازی کو دیکھیے۔

مسلمانوں کے اصول منزل و اصول تمدن و اصول حکومت کا مطالعہ کرے۔ یہ سب نمونے قرآن مجید کے تیار کردہ ہیں۔ ایرک ٹیلر نے جو کھن کا درجہ رکھتا تھا، اپنی 12 مئی 1887ء والی تقریر میں جو دو پورچمنٹن میں چرچ کانگریس کے سامنے دی تھی، صاف طور پر کہا تھا:

کہ افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا، وہاں سے زنا، قمار بازی، دختر کشی، عہد شکنی، قتل و غارتگری وہم پرستی، شراب خوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں۔

مگر جب اس ملک کے دوسرے حصے پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو مذہل بالا میں اور زیادہ راسخ کر دیا۔ [1] قرآن مجید اپنے نمونہ کی بابت خود فرماتا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: 110]

”اے ایمان والو! تم بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنائے گئے ہو۔“

صہیب رضی اللہ عنہ کا حال پڑھو جو آہن گر تھے۔ قریش نے انھیں ہجرت مدینہ سے روک دیا، وہ اپنا تمام امد و خستہ ان ظالموں کو دے کر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ تلاؤ کہ یہ ایثار ان کو کس نے سکھایا؟ [2]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر غور کرو، یہ شوہر سے جدا کی گئیں اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا، مگر وہ یکہ و تہا اللہ کی راہ میں تین سو (300) میل کا لمبا سفر اختیار کرتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی طرف اکیلی چل دیں۔ یہ جرات، یہ قربانی، یہ جذبہ ان میں کہاں سے پیدا ہوا؟ [3]

خطاب کا بیٹا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو باپ کے اونٹ چرایا کرتا اور پھر بھی باپ کی سخت و درشت خوئی سے سہارا جتا تھا، اپنی خلافت کے ایام میں بائیس لاکھ مربع (2200000) میل پر حکومت کرتا تھا، اس کی معدلت گھسٹری اور عدل پروری اور رعایا نوازی اور دین داری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے موجب غبطہ رہا۔ [4]

غور کرو کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے تین بڑے براعظم اس کے زیر نگیں تھے۔ اسی قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں اپنے سے پچاس گنی فوج کو جو سلطنت روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی اپنے

[1] شخص ازہد ہارینٹ جس گزٹ لندن مطبوعہ ۱۸۸۸ء اکتوبر 1887ء۔ [2] طبقات ابن سعد: 248/3، الاستیعاب: 728/2

[3] الہدایہ و انہایہ: 69/3، ابن ہشام: 112/2، [4] طبقات ابن سعد: 266/3



جمع کرنے سے ایسے صد ہا (سینکڑوں) نظائر (مثالیں) مل سکتے ہیں۔

بڑے بڑے بادشاہوں محمود، صلاح الدین، یوسف، عبدالرحمن الداعل اور منصور عباسی جیسے باجروت تاج وروں کو ان کی ختم گئیں حالت یا انتہائی صورت سے اگر کوئی چیز روکنے والی ہوتی تھی تو قرآن کی ایک آیت جسے اہل دربار میں سے کوئی ایک شخص کسی گوشہ سے پڑھ دیتا تھا اور بادشاہ کی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ گویا آگ کی چنگاری پر نمون پانی آ پڑا۔ یہی وہ واقعات ہیں جو قبولیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی وہ واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ کتاب مجید کی عظمت اور فرقانِ حمید کی عزت دلوں پر کتنی فرماں روا رہی ہے۔

### خصوصیات قرآن مجید

ایسی خصوصیات جو اس امامِ مبین کو صحفِ سابقہ سے متمیز و بالاتر ثابت کرتی ہیں، بہت ہیں، اس جگہ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1) تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لیے وسیع اور عام ہونا

یہ ایسی خصوصیت ہے جو قرآن مجید ہی کو بالخصوص حاصل ہے۔

جو کوئی شخص تورات میں سینکڑوں مقامات پر الفاظ "بنی اسرائیل کا خدا" پڑھے گا اور قرآن مجید میں الفاظ "رب العالمین" دیکھے گا اس پر تورات کے مقابلہ میں قرآن پاک کی فضیلت بخوبی آشکارا ہو جائے گی۔

اپنی اس خصوصیت کو قرآن پاک خود ظاہر فرماتا ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ لِيُنذِرَ مَنِ كَانَتْ حَتَّىٰ﴾ [سورہ 70:69]

"یہ کتاب تو ذکر ہے، اور قرآن مبین ہے تاکہ ہر ایک اس شخص کو جو زندہ ہے اس کے برے انجام سے باخبر کر دے۔"

عربی میں مَنْ ذُو الْعَقُولِ کے لیے آتا ہے، اس لیے مَنْ نے ہر ایک انسانی فرد کو اپنے اندر گھیر لیا ہے، اس کے ساتھ تَنْذِرٌ حَتَّىٰ کی صفت لگی ہوئی ہے۔ آیت کی عمومیت اور وسعت کا خود ہی اندازہ ہر وہ شخص جو ذُو الْعَقُولِ کی فہرست میں آ سکتا ہے، ہر وہ شخص جو زندہ کہلاتا ہے یا کہلا سکتا ہے قرآن مجید اسے یاد الٰہی دلانے، قرب سبحانی تک پہنچانے، اس کے عواقبِ امور سے آگاہ کرنے کا کفیل ہے۔ کیا ان الفاظ میں کسی اور کتاب نے بھی دعویٰ کیا ہے۔

بقول مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت و انجیل کو روٹی اور بنی اسرائیل کو بیٹے اور دیگر اقوام کو کتے بتلایا اور یوں فرمایا ہے۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیوں۔ (متی 15 باب 21:34 درس)

2) قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا۔

میں نے تورات و زبور و انجیل نیز دیگر انبیاء کی کتب کو جو مجموعہ بائبل میں داخل ہیں پڑھا ہے، وید کا کچھ (ترجمہ بحر و سام) دیکھا ہے، اس کی تاریخ ترتیب و تالیف کو معلوم کیا ہے۔ کنفیوشس متقدائے چین اور بدھا بانی بدھ مت کے اصول و تعلیم کو مختلف کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ زرتشت و جاماسب کے احکام کو دیکھا ہے، یہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ میں یک نئی ہیں۔

آسانی کے لیے صرف بائبل پر نظر ڈالو اور دیکھ لو تورات میں اخبار و احکام، زبور مجموعہ مناجات ہے، انجیل میں امثال و مواظب ہیں۔

کہ مواعظ و احکام، اخبار و امثال، انذار و بشارت کا مجموعہ ہے۔ اس میں صفات الہیہ کا بیان ذات ربانی کا ثبوت، حصول تقرب کا طریق، توحید، توکل و تقویٰ کا ذکر، ایام اللہ کی تفصیل، حیات و ممات انسان اور عدم و وجود عالم کا بیان، فطرت انسانی کی ساخت و شناخت افعال رحمانی کے اسرار، قدرت ربانی کے نمونے، سلطنت قہاری کے نتیجے، نصرت الہیہ کے کارنامے ایسے اسلوب سے بیان ہوئے ہیں کہ نفس فرمایا کو رذائل بشریہ سے پاک و صاف اور حیات مادی کے تاثرات سے مبرا رکھنے، مالک و خالق کے سامنے خاضع و خاشع بنانے، نور یقین کے حصول اور تجرید علق دنیوی اور تہہ صفات مکی کے لیے اس سے بہتر و بالاتر کچھ تصور نہیں ہو سکتا۔

(3) آسانی کتابوں میں سے یہ خصوصیت قرآن مجید ہی کی خاص ہے کہ علوم اخروی و علوم عقلی کے دو دریائے ذخار پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مع ہذا یہ معانی عالیہ ایسے اسلوب بدیع کے ساتھ بیان کیے گئے کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اس سے برابر متعجب ہوتا ہے۔ وہی ایک آیت جو اہل حقین جیسے یہودی فلسفی کو غرقاب حیرت بنا دیتی ہے اور وہی آیت افریقہ کے وحشی کی جیب دل کو گوبر مقصود سے بھر دیتی ہے۔ جس ایک آیت کی تفسیر کرتے کرتے رازیؒ و مغزالیؒ نے اعتراف بجز و قصور نہیں کیا ہے۔

اس سے تمام کا بد اپنی مشکلات کی کشاکش کی راہ پار ہے۔

الحق قرآن حکیم سمندر کی طرح عمیق، گہر ریز نفع رساں ہے اور خس و خاشاک شہبہات کو اپنی لہروں سے ساحل پر پھینک دینے والا ہے۔ اس کے باوقار الفاظ زبان کو اس کے پراسرار معانی ان کو اپنا کئے بغیر نہیں رہنے دیتے۔

کیا کبھی کسی اور نثر کتاب کی بھی یہ صفت سنی ہے؟ جو اول سے آخر تک پڑھنے والے کے درد زبان اور نقش دل ہو اور شباروزی تلاوت پر بھی پڑھنے والے کی طبیعت سیر ہونے میں اور اسرار کتاب قسم ہونے میں نہ آئے۔ لا واللہ۔

(4) خصوصیات قرآن کریم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح مشرق سے مغرب تک کے لیے ہدایت نامہ دین و دیانت ہے، اسی طرح وہ شمال سے جنوب تک کے لیے مکی قانون بھی ہے۔

اس کی تعلیم کسی قوم اور ملک کی زبان کے لیے محدود نہیں۔

اس کے ارشادات انسانی فطرت صحیحہ کے مخالف نہیں۔

وہ یہودیت کی طرح جنت و نسل واحد کی جاگیر نہیں بتاتا۔

وہ تقرب الی اللہ کے لیے کل دنیا کو واحد خاندان کا دست نگر نہیں ٹھہراتا۔

وہ عیسائیت کی طرح انسان کو فوق از جبلت احکام کی تعلیم نہیں دیتا۔

وہ ناقابل تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا۔

وہ دولت مندوں کو آسانی بادشاہت سے خارج نہیں کرتا۔

وہ پرستاران مالک کے لیے ترویج و تامل کو قابل نفرت و مذموم نہیں بناتا۔

اگر کسی کتاب نے روئے زمین کے شاداب حصوں پر بطور آئین سلطنت کبھی کامیاب حکومت کی ہو اور اگر کسی کتاب نے جمیع

بنی آدم کو رنگت اور قومیت نسل اور ملک کے امتیازات سے بالاتر رکھ کر سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنایا ہو جیسا کہ اس کتاب قیم نے کیا، تو اس کا نام لینا چاہیے۔

﴿قرآن ذی الذکر کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر ایک پاک مذہب اور اس کے مقدس ہادیان و واعیان مذہب اور ان کی تعلیمات صحیحہ کی ستائش کرتا ہے۔  
وہ کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔

اس خصوصیت عجیبہ میں کسی سلامت روی، امن پسندی، معدلت گستری، صداقت پروری آشکار ہے۔  
قرآن تو اپنا نام ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ [البقرہ: 97] رکھتا ہے اور راست بازوں کی تصدیق کرتا ہی اپنا مقصد اولین بتلاتا ہے۔  
﴿﴾ خصائص قرآنیہ میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ﴿قَوْلٌ فَصْلٌ﴾ [الطّارق: 13] ہے اور ان تمام پیچیدہ مسائل میں جن کو افکار انسانی حل نہ کر سکتے تھے یا جن کو کتب سماویہ نے ملٹوی چھوڑ دیا تھا، اپنا قطعی فیصلہ سناتا ہے۔

ایسے مسائل بہت ہیں، مثلاً:

مسئلہ وجود و شہود	مسئلہ عرفانِ صدائی۔ مسئلہ صفاتِ ربانی
ماہیت نجات، کیفیت رضوان	مسئلہ بقائے روح و ارتقائے روح
فرق رازق و مرزوق	امتیاز خالق و مخلوق
مسئلہ سزا و جزا	مسئلہ شفاعت و اعمال
منازل توکل و تقویٰ	مدارج صبر و شکر
روحانیت انس و جنات	ماہیت عبادت و استعانت
مسئلہ گناہ و حقیقت توبہ	حقیقت لغرت الہیہ و معیت ربانیہ
رہبانیت و تامل	مراحب دعا و قبولیت
حقوق اولاد۔ حقوق چار	طلاق و وراثت
حقوق جسم، حقوق انسانیت	حقوق والدین۔ حقوق زوجین
محارم شفعہ	حقوق عمران۔ فرائض
شورئی و امارت	حقوق قوم۔ حکومت شخصی و جمہوری
ملکت ارضی اور حکمن دینی	ماہیت فساد و فحش امن
راعی و رعیت	حد و عدل و نکت رحم
	آئین و استبداد و غیرہ و غیرہ

قرآن پاک نے ان مسائل میں یا ان کے اشاہ و امثال میں جو فیصلے دیے ہیں، ان کا لطف اس وقت آتا ہے اور ان کی اعلیٰ شان اس وقت نظر آتی ہے جب فیصلے سے پیشتر متخاصمین کے بیانات کو بھی سن لیا جائے۔

اللہ اکبر! کیسی، کیسی افراط میں نکلی ہوئی، اور کیسی کیسی تفریط پر گری ہوئی حالتوں کو جاہدہ اعتدال پر لایا گیا ہے اور کیسی کیسی سنگلاخ وادیوں، کج و پوچھ گھنائیوں میں سے صراطِ مستقیم کی شاہراہ تیار کر دی ہے۔

بے شک یہ اسی قادر مطلق و حکیم برحق کا کام ہے، جس کا علم ماضی و حال و استقبال پر حاوی ہے اور جس کو انسان کی فطرت کا علم کامل اور تربیت پر کئی اقدار حاصل ہے۔

7) اس کتاب ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ کی ممتاز خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اسکا پیش کرنے والا شخص واحد ہے۔  
 وید کو دیکھو، اس کی ہر ایک شرقی کے ساتھ تین نام ضرور لکھے ہوتے ہیں، آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہیں کہ ان میں سے ایک مذکر نام اس رشی کا ہوتا ہے جسے یہ شرقی اکاس سے ملی۔ اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر کلام اترا۔  
 اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سینکڑوں رشی ہیں جن میں بلحاظ زمانہ بھی صد ہا سال کا تفاوت ہے۔

پائل کو دیکھو کہ یہ 1) موسیٰ 2) یثوع 3) مصنف قاضیون 4) سمویل 5) مصنف سلاطین 6) مصنف تواریخ 7) عزرا 8) نحیمیا 9) مصنف کتاب روت 10) مصنف کتاب آستر 11) ایوب 12) داؤد صاحب زبور 13) سلیمان صاحب امثال و غزل الغزلات 14) واعظ 15) یسعیاہ 16) یہ میاہ 17) حزقی ایل 18) دانی ایل 19) ہوسیع 20) یوایل 21) عاموس 22) عبدا 23) یونا 24) میکہ 25) نحوم 26) حنوق 27) صنفیاہ 28) حزقی 29) زکریا 30) ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ علیٰ ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی، مرقس، لوقا معہ اعمال یوحنا، پاولوس، یعتوب، پطرس، یوحنا، شاگردان مسیح علیہ السلام کے علمی کارنامے ہیں۔

مگر قرآن مجید کا مبلغ اول اور معلم نخستین صرف ایک ہے۔ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ﴾ اس صحیفہ کا خود اس کے ذریعہ آغاز اور اسی کے ذریعہ سے اختتام ہو جاتا ہے اور ہا ایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و بیکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں حالانکہ رگ وید، یجر وید، سام وید کا اور اتھرو ویدان تینوں کا محتاج ہے۔

نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے عہد نامہ کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب الاعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں۔ حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود اناجیل اس سے قرآن پاک کی برتری و فوقیت اور جامعیت و کاملیت کا اندازہ فہم میں آسکتا ہے۔ اگرچہ صحیح اندازہ کے لیے ضروری ہے کہ مضامین پر عبور تام بھی ہو۔

8) خصوصیات قرآن مبارک میں یہ بھی ہے کہ اس کا اسلوب کلام نہایت شستہ و مہذب ہے۔ وہ کبھی کوئی فحش لفظ یا حیا سوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا۔

کتاب حزقی ایل کو پڑھو، جس میں خدانے بندوں کو اپنی وجہ و وجہوں، اہولہ اور اہولیا کا قصہ سنایا ہے۔ امید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصہ کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہوں گے مگر غور کرو کہ یہ تمثیلی بیان کسی مرد کو اس کی عورت کی طرف سے حسن ظن باقی رہنے

دیتا ہے۔ کیا انسانی کتبہ اس نورانی جوڑے سے بڑھ کر کسی اور نمونہ کی تمنا کر سکتا ہے۔

ہاں اذرا لفظوں کو دیکھو، کتنے گرے ہوئے ہیں۔

- ① غزل الغزلات میں ایک نوجوان چھو کری اپنے محبوب پر اور کوئی نوجوان لڑکا اپنی محبوبہ پر اظہار محبت کرتا ہے۔
- ② عیسائیوں نے اچھا کیا کہ محبوبہ بر و علم کو بتلا دیا اور محبوب مسخ کو اگرچہ اس کے کسی لفظ میں اس تاویل کا اشارہ تک نہ تھا۔ اس بیان میں مرد اپنی محبوبہ کو 'اے میری بہن! اے میری زوجہ، کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ (غزل الغزلات ۳ باب 10۰9)
- ③ کیا اس اسلوب کلام کو زمانہ حال پسند کرتا ہے یا زمانہ گزشتہ میں یہودیوں میں باہمی خطاب کا یہ طریق جاری تھا؟ پائل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو یہوشلم کی بدکاری بتلایا گیا ہے۔ پھر یہوشلم کو عورت فرض کر کے اس کی برہنگی کے متعلق ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ جن کی بابت مجھے امید ہے کہ وہ کسی گرجا کی محراب میں لیڈیز جنٹلمین کے سامنے بطور وعظ کبھی بھی نہیں پڑھے گئے ہوں گے۔
- ④ حزقی ایل 23 باب کا 20 درس پڑھو۔ بہن، بھائی، ماں، باپ، بیٹی کا ذکر نہیں بلکہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی شریف میڈم اپنے شوہر کے سامنے اور کوئی نوئل مین اپنی لیڈی کے سامنے ان الفاظ کو پڑھ سکتا ہے اور لفظوں کا مطلب بتا سکتا ہے۔

□ بجر وید میں اودھیا 19۔ منتر 76

□ اودھیا منتر 19۔ منتر 88

□ اودھیا منتر 20۔ منتر 9

□ اودھیا منتر 25۔ منتر 7

کیا کوئی گورو اپنی شاگرد لڑکی کو پابندی شرم و حیا پڑھا سکتا ہے اور ان کا مطلب بتا سکتا ہے۔

قرآن مجید تو الفاظ کا استعمال ایسی اعلیٰ لطافت سے فرماتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے۔ حاجت ضروری سے فارغ ہونے کا ذکر کرنا تھا تو فرماتا ہے: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ (النساء: 43) تاکہ ایسی نشی زمین کو کہتے ہیں جہاں رفع حاجت کے لیے انسان اوجھل ہوا کرتا ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اس بارہ میں درجہ بہت بلند اور بہت روشن ہے۔

## فصل پنجم 5

### قرآن مجید کا مصنف

ایک مثل مشہور ہے: "سخن شاہاں بادشاہ سخن" عربی میں ہے: "كَلَامُ الْمَلُوكِ مَلُوكُ الْكَلَامِ" قرآن مجید اس شہنشاہ حقیقی اور ملک المملکوت عالم کا کلام ہے۔ جس نے کلام کو پیدا کیا اور گوشت کے ٹکڑے کو بولنا، ہڈی کو آواز کا سننا اور عصبات کو ان کا سمجھنا سکھلایا وہ جس کے حکم سے ایک ماں باپ کی اولاد میں اس قدر اختلاف السہ اور تباہن لغات پیدا ہوا۔

بعض عیسائی مصنف جو تحقیق کے پردہ میں تعصب کو چھپائے رکھتے ہیں، قرآن مجید کی بہت سی خوبیوں کو تسلیم کر لینے کے بعد

قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ بتایا کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ:

① کیا قرآن جیسی کتاب کا مصنف کہلانا، بجائے خود ایک اعلیٰ عزت نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ کہ نبی ﷺ نے ایسی اعلیٰ تصنیف کے مصنف ہونے کی عزت سے خود کو محروم رکھا؟

② کیا قرآن پاک جیسی تصنیف کا مصنف جھوٹ جیسی رذیل صفت سے آلودہ ہو سکتا ہے؟ کیا وہ کتاب جس نے لاکھوں کو صداقت سکھلائی اور جس نے گنتی کے سالوں میں عرب کی کاپی لٹ دی۔

اور وہ کتاب جس نے زمرہ، الحی القیوم اللہ کی ہستی کا اعتقاد دلوں میں قائم کر کے کروڑوں بنی آدم کو حیات جاوید سے بہرہ اندوز کر دیا۔

کیا ایسے دل، ایسی زبان سے نکل سکتی ہے جو خود صادق نہ ہو۔

ان دونوں امور پر غور کرو تمام دنیا کے مصنفین کا رویہ ہماری تائید میں ہے اور فلسفہ فطرت انسانہ اس کی صداقت کا مصدق ہے۔

اب ہم خود عیسائیوں کی وہی ہوئی بائبل پر توجہ کرتے ہیں۔

بائبل سے اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ دنیا میں کلام اللہ بھیجے جانے کی خبر ہزاروں سال پیشتر دی گئی تھی۔

① موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس احکامِ مشرہ کی الواح لاتے ہیں، قوم ان الواح پر شک کرتی ہے۔

② قوم کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل کا الہ خود ان کی موجودگی میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے۔

③ موسیٰ علیہ السلام برگزیدگان قوم کو طور پر لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تاریکی چھا جاتی ہے، ہادل سب کو گھیر لیتے ہیں، ہوائیں تندہی و تیزی سے چلنے لگتی ہیں، بجلیاں کوندتی ہیں، گرج پر گرج کی صداکس دلوں کو ہلا دیتی ہیں۔ یسوعیال آتا ہے اور پہاڑ کانپ رہا ہے۔

④ ان حالات کو دیکھ کر بنی اسرائیل چلا اٹھتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں:

”اے موسیٰ علیہ السلام تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں، لیکن خدا ہم سے نہ بولے، کہیں ہم مرنہ جائیں۔ (الخروج 20-19، استثناء 18-16)

یہ درخواست منظور کر لی گئی اور سب لوگ طور سے اپنی اپنی جان بچا کر خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔

⑤ بنی اسرائیل کی اس کے بعد یہ درخواست ہوتی ہے کہ خدا اپنا کلام موسیٰ علیہ السلام کے منہ میں رکھ دے اور ہم کو سنا دیا کرے۔

⑥ اس درخواست کو اللہ تعالیٰ نا منظور فرماتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ خدا کا کلام ایک اور نبی کے منہ میں رکھا جائے گا، وہ نبی اللہ اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ وہ نبی جو کچھ خدا سے سنے گا وہ سب لوگوں سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو نہیں وہ نبی میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا تو اس کا حساب خدا لے گا۔ (استثناء 18 باب 18، 19 درس)

اب براہ مہربانی یہودی و عیسائی ان واقعات بالا کو خیال میں رکھیں اور پھر ہم کو بتائیں۔

سیدنا مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور کون سا نبی ہے جس کے منہ میں خدا کا کلام رکھا گیا۔ وہ کون سا نبی ہے جس نے یہ

بتلایا ہو کہ ”اس کے منہ میں خدا کا کلام ہے۔“





### عہد نبوت

قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ کہنے والے ذرا غور کریں کہ زہیر و نابھ اور امراء القیس و عسکرہ جیسے لوگوں کے لیے یہ دعویٰ کتنا ذلیل کن ہے؟

وہ جو اپنے اپنے کلام کو ہرن کی جھلیوں پر آپ زر سے لکھواتے اور پیام حج عام دیوار کعبہ پر آویزاں کیا کرتے تھے۔ کیوں اس دعویٰ کے بطلان پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ ابوہب، ابوہبیل، کعب بن اشرف، سلام مشکم جیسے قریشی و یہودی جنہوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی دھن میں زرو مال اور نفوس و اولاد کو قربان کر دیا تھا کیوں ایسی آسان تدبیر کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص جو ان ہی میں پلا اور بڑھا اور جو وہی زبان بولتا ہے جو ان سب کی ہے اور پھر وہ ان سب کے پیارے مددب اور مرغوب رسوم اور پسند کردہ عادات اور ان کے برگزیدہ معبودوں کے خلاف جوش و لانے والے الفاظ کا استعمال کر رہا ہے۔ اور اپنی صداقت کی تائید میں ایک کلام جو اس کے منہ سے نکلی ہے بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اس جہی زبان نہیں بول سکتا اور کوئی شخص پائشل کلام پیش کر کے تحدی کو باطل نہیں ٹھہرا سکتا۔

### عہد حاضرہ

اجھا اس وقت کا ذکر چھوڑو، اب زمان حاضرہ پر نگاہ ڈالو۔ شام، بیروت، دمشق و مصر اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے۔ جو عربی زبان میں تشریح لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار و جرائد اور رسائل اشاعت پذیر ہیں۔ وہ آج کیوں اس دعویٰ قرآن کے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ ان میں تو ایسے ایسے ادیب و ماہر زبان بھی موجود ہیں جنہوں نے لغات عربیہ پر قطر الحیط، المنجد، اقرب، المسوار و اور الحیط جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ وہ کیوں قرآن جیسی کتاب لکھنے کی سعی نہیں کرتے؟ وہ کیوں دس (10) سورتوں کے برابر نہیں لکھتے۔ وہ کیوں ایک (1) ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی شخص جتنا زیادہ عربیت کا ماہر اور ادب میں یدِ طولی رکھنے والا ہے، اس پر اتنا ہی زیادہ رعب کلام قرآنی کا غالب آ جاتا ہے۔

آج عیسائیت کی اشاعت میں کروڑوں، اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے لیکن جس شخص کو قرآن حکیم نے تحدی بنایا، اس پر کوئی بھی قلم اٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

معرض عہد نبوی ﷺ کے متعلق شاید یہ کہہ سکتا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے وقت کے مشہور مشہور زبان آوروں کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد ایسا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

## دوسری پیش گوئی

قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہے گا

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: 9]

”ہاں! ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے“

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت:

اس وقت سمجھ میں آتی ہے، جب صحف سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔

(3) تورات موسیٰ علیہ السلام کا خیر مایہ وہ دو الواح تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر لکھی گئی تھیں۔ ہر دو الواح اسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں جب موسیٰ علیہ السلام نے میدان میں آ کر لشکر کو گوسالہ پرستی میں مصروف پایا تھا۔ کلیم اللہ علیہ السلام غیرت ایمانیہ سے بے تاب ہو گئے۔ اوصیں پھینک دیں اور بھائی کو جا پکڑا۔

اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشرہ اور دیگر احکام شریعت موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں لکھے گئے اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے (استثناء، باب 25) یہی ایک نسخہ تھا جس کی بابت توقع کی جاسکتی ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہد تک خیر عبادت میں بحفاظت موجود رہا ہو، لیکن سلاطین اول باب 8 سے واضح ہے کہ جب عہد کا صندوق خیر عبادت سے بیکل سلیمانی میں لایا گیا تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔

اب ہم کو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیے کہ سلیمان نے کس طرح تورات کی شریعت کو جمع کر لیا ہوگا اور پھر عہد کے صندوق میں اسے رکھوایا ہوگا، لیکن یہ مسلمہ ہے کہ بیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا، اسے بھی بخت نصر نے بیکل کے ساتھ ہی جلا ڈالا تھا۔ یہ حادثہ ہائیکہ 586 ق۔م میں واقع ہوا۔

دارا شاہ ایران کے عہد میں زرو بابل وغیرہ سرواران اسرائیل نے بیکل کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ کتاب کی بھی تلاش ہوئی مگر نہ ملی۔ (دیکھئے کتاب عزیر) تب حضرت عزیر نے اپنی یادداشت اور تجزیہ و ذکر یا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا جسے یہودی تورات کہتے ہیں (اسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن توکسی کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ 300 ق۔م کا ہے۔ پھر ابن توکسی چہارم کے وقت میں جب یہ بادشاہ مصر پر حملہ آور ہوا تھا اس کے سپہ سالار نے اس نسخہ کو اور بیکل کو جلا ڈالا۔ یہودیوں کی تمام کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوخت (جلا) کر دیا گیا اور یہودیوں کو بیت پرستی کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ 166 ق۔م کا ہے۔ ایک بوڑھا کاہن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ جان بچا کر اپنے وطن شہر سدوم کو بھاگ گیا تھا۔ اس کے فرزند متانکس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی، جو اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہودیوں کے چند فرقے اس کو اسلامی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

واقعات بالا پر پورا پورا غور کرو، اصل کتاب کے الفاظ رہنے کی کوئی بھی اصلیت نظر آتی ہے؟

(2) اب انجیل کی سرگزشت سنو! انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں: (1) انجیل متی، (2) انجیل مرقس، (3) انجیل لوقا، (4) انجیل یوحنا۔

① متی کی انجیل کی سرگزشت یہ ہے کہ سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (شام) میں لکھی، لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے۔ اس کا ایک ترجمہ یونان کی زبان میں ملتا ہے، لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا؟

موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اس کے باب اول و دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بمقابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا، بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔ (کتاب 3، ص 531 نسخہ مطبوعہ 1837ء)

② لوقا مصنف انجیل پولوس کا شاگرد ہے۔ اس نے مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور اس کے استاد نے بھی مسیح علیہ السلام کی زندگی میں اس کی مخالفت ہی کی۔ لوقا نے اپنی انجیل اٹھارہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی۔ لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کیا کرتا ہے۔ بزرگوار لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ امید کرنا بالکل درست تھا کہ واقعات مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہوں لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورن لکھتا ہے:

”جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے ان میں جھوٹی روایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغہ سے اندراج کیا ہے۔ اور اس زمانہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے۔“ (کتاب الانامہ ص 61)

قابل غور بات یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے وہ کہاں تک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔  
③ مرقس شمعون بطرس کا شاگرد ہے۔ اس نے بھی اٹھارہ شہر میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا۔ مرقس اور لوقا کے مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

④ یوحنا بن سنادائی کی انجیل غالباً بلخا لاس تصنیف سب سے آخری ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب کو یونانی زبان ہی میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کا شاگرد تھا لیکن اس کی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

تمام عیسائیوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انجیل اربعہ (4) میں سے کوئی انجیل بھی مسیح علیہ السلام پر منجانب اللہ نازل شدہ نہیں، بلکہ یہ کتابیں ان ہی مصنفین کی تصنیف ہیں، جن کے نام سے یہ منسوب ہیں۔ اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو ان چاروں کے مضامین میں تناقض اور تضاد نہیں ہونا چاہیے لیکن ان میں اتنا تناقض موجود ہے کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے۔ آدم کلاک، نورن اور ہارون صاحب انجیل کے مشہور شارح ہیں، تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت موجود نہیں۔

پادری فرج کو اقرار ہے کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان میں چھوٹی موٹی تیس ہزار (30000) غلطیاں موجود ہیں۔ چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو (100) صفحے سے زیادہ نہیں۔ ایک سو (100) صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار (30000) غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دور ہے۔ اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع سے زائد ہے۔

⑤ اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو۔ ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ ان کی کتابیں کبھی موجود ہوں گی، لیکن کتاب ژند ① تو زرتشت کے عہد سے پہلے نادر الوجود ہو چکی تھی۔

کہتے ہیں ژند کے پچیس (25) باب تھے اور اب صرف انیسواں ’ژند یازد‘ پایا جاتا ہے۔ ژند کے بعد اس کا درجہ پازند نے حاصل کر لیا ہے، لیکن سکندر ماکڈونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی غنقا ہو گئی۔ سکندر کے بعد تین سو (300) سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا۔ تب ژند و با ژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اسی کو آسمانی

① ژند کے معنی دو سنگ چٹمان ہیں جس سے آگ نکلتی ہے۔ کتاب کا نام اس لیے ژند ہوا کہ اس کے اندر بھی روشنی موجود ہے۔ اس کی شرح کا نام پازند ہوا۔ پازند بولے کی وہ سچ ہے، جو چٹمان پر آگ نکلتے کے لیے ماری جاتی ہے۔ اس کی شرح کا نام اوستا ہوا (نور ان پارسی ص 20)

کتاب کا درجہ دے دیا گیا، لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلا یا تب وساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مشرک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا۔ یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں۔

وساتیر کے متعلق اہل تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعوتوں کا مجموعہ ہے۔ صبح و شام کو پڑھی جانے والی دعائیں اس میں درج ہیں۔ وساتیر کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نزول قرآن کے بعد لکھی گئی اور اسی کتب کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ شبت کر دیا گیا۔ ”پیام ایزد بخشائندہ و بخشائش کر“ مہربان واروگر، اسی فقرہ کا ترجمہ قدیم وری زبان میں کر دیا گیا تاکہ اس کی قدامت بہت قدیم ہو جائے ”خزیدہ شمسائے ہر شندہ، ہر ششکر زمریان فرو بیدار“

مندرجہ بالا حالات سے پتا لگ جاتا ہے کہ سکندر کی غارت گری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا جو آسمانی کھلانے کا مستحق ہو۔

(4) ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ”وید“ لکھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناٹن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔

اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناٹن دھرمیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے۔

سناٹن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے۔ اور برہمن بھاگ اپنے جہم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دو چند زیادہ ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو 2/3 حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا 2/3 حصہ جہم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں اور ہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں مگر منوجی مہاراج کی سرتی میں صرف تین ویدوں ① رگ، ② یجر،

③ سام کا نام آیا ہے۔ چوتھے وید اتھرو کا نام نہیں آیا۔

سکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں، لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں، جن میں قریباً تیس (32) کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے۔

سب ہندو وید کو خدا ساز بتاتے ہیں مگر نیاے روشن کا مصنف گوتم وید کو کلام انسان بتاتا ہے۔ گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اس کا شاسترچہ (6) شاستروں میں سے ایک ہے اور ان ہر شش کو شاستر بہ طور مسلمہ آریہ اور سناٹنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب قدیم میں سے جین مت بھی ہے، جینی لوگ وید کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے اور وید کا آکاس ہانی ہونا بھی قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو ویدوں کے زمانہ سے ما قبل کے بتاتے ہیں اور اپنی کتابوں کو وید سے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے ان مختصر مختصر فقرات سے قارئین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ خضالت الہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور

اسی لیے ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اسی مذہب کے اشخاص نے شک و گمان اور ظنون و اوبام کے خلاف چڑھا رکھے ہیں۔

قدرت الہیہ نے نہ صرف یہی کیا کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی، بلکہ اس زبان اور لغت کی حفاظت بھی چھوڑ دی، جن میں یہ کتابیں لکھی گئی یا نازل کی گئی تھیں۔

ذرا غور کرو، عبرانی جو تورات کی زبان تھی اور خالدي جو صحیح علیہ السلام کی زبان تھی اور سری جو ژند و پاژند کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم جو وید کی زبان تھی، اب دنیا کے کسی پردہ پر کسی براعظم یا کسی ملک یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بطور زبان مستعمل ہیں؟ قدرت نے ان السنہ (زبانوں) کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی صادر کر دیا ہے۔ کہ اب انسان کو ان کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی جو ان زبانوں میں مروج کی گئی تھیں۔

دوم۔۔ اس حفاظت الہیہ کا اندازہ کرو جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اس کا زیر و بر اور حرف بہ حرف توالی و تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ تک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکو (مراکش) میں موجود ہے۔

اگر حفاظت الہی خود کار فرمانہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا صرف ممکن بلکہ ضروری تھا جس کا پیش کرنے والا ﴿وَلَا تَحْطَئُ بِمِيزَانِكَ﴾ [احکوب 48] سے مخاطب ہو۔ (آپ تو اپنے دانے ہاتھ سے خط کھینچتا بھی نہیں جانتے تھے) برہان بالا حفاظت الہی کے متعلق قطعی ہے۔

مناسب مقام سے ہم قرآن مجید کے حروف کے متعلق ایک یادداشت پیش کرتے ہیں حروف کا اندراج اس لیے کیا جاتا ہے کہ تعداد سور رکوعات و آیات وغیرہ کے متعلق انداز و شمار عموماً ہر ایک مصحف پر درج ہوتے ہیں۔

نقشہ شمار حروف تہجی

جتنی بار ہر ایک حرف قرآن مجید میں آیا ہے

حرف	تعداد	حرف	تعداد
ا	48992	ط	1307
ب	12228	ظ	782
ت	2404	ع	9274
ث	3105	غ	9211
ج	4232	ف	4418
ح	4120	ق	6612
خ	2105	ك	10628
د	5972	ل	33520
ذ	4739	م	26515
ر	12640	ن	44190

25589	و	3580	ذ
16070	ہ	5976	س
25909	ی	2115	ش
	ٓ	20083	ص
	ٔ	682	ض

### امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ اور حفاظت رسم الخط قرآن

اس برہان خاتمہ پر تکمیل مدعا کی غرض سے یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے۔ امیر المؤمنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی حفاظت قراءت و کتابت قرآنی میں بہت بڑی خدمت کو انجام دیا۔ انہوں نے نبی ﷺ کے کاتب وحی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں سات (7) قرآن مجید لکھوائے اور ان کو سات (7) نامہ بان سلطنت کے پاس اپنے دستخط اور مہر رسالت سے مزین کر کے بھجوایا، اس سے بھی حفاظت قرآن پاک ہی مدعا تھا تا کہ رسم الخط میں آئندہ کوئی تفاوت پیدا نہ ہو سکے۔ کاتب وحی کے قلم اور خلیفہ راشد کے دستخط اور مہر رسالت رضی اللہ عنہ سے مزین شدہ قرآن آئندہ زمانہ کے کاتبین کے واسطے صحت و نقل و مقابلہ کے لیے بے بہا گواہ رہتا۔

### نقل اور طریق و جاہ

آج کل تو وہ جاہ وہی پر نقول کا اعتبار چلتا ہے۔ یعنی کسی کتاب کی صحت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ وہ اس نسخہ کے مطابق ہو جس سے نقل کی گئی ہے، لیکن یہ امر کہ منقول عنہ کی صحت کا ثبوت کیا ہے، مفقود ہے۔ خلیفہ راشد نے نقل و صحت میں شک و اختلاف مٹانے کے لیے اصل شے قائم کر دی تاکہ بحالت ضرورت اسی جاہ رجوع کیا جائے۔

### اعتراض اور اس کی اصلیت

مختر ضحیٰ اسلام نے چاہا کہ اس واقعہ کی صورت بگاڑ کر کچھ فائدہ اٹھائیں۔ جھٹ کہہ دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تصرف کیا تھا، ان کو تاجہ قہم لوگوں کو نہ اس عہد کے اسلامی ممالک کی حالت معلوم ہے اور نہ قرآنی ترویج کی خبر۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ممالک اسلام کے باہمی تعلقات کا بھی ان کو علم نہیں۔ اگر ان سب باتوں کا علم ہوتا تو وہ یہ بات زبان پر نہ لاتے۔

### نماز اور قرأت

سب جانتے ہیں کہ اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں، جن میں سے تین میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور چونکہ ہر شخص مجاز ہے کہ جہاں سے وہ چاہے، جتنا چاہے قراءت کرے۔ اس لیے دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صد ہا مقامات پر مختلف اجزاء و سُوَر سے قرآن مجید کی قراءت روزانہ کیا کرتے ہیں، ایک پڑھتا ہے اور بیسیوں، سینکڑوں مقتدی سنا کرتے ہیں۔ اقتداء [1] منقول از دستور العلماء، جلد دوم، مصنفہ قاضی الاصل عبدالغنی احمد گری [2] نقشہ میں کل حروف کا مجموعہ نہیں دیا گیا تھا جو کہ جمع کرنے سے 346998 بنتا ہے۔

کرنے والوں میں بھی بہت تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کو خود بھی وہ آیات جو امام نماز میں پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں۔ یہ طریقہ عہد نبوی ﷺ سے جاری تھا اور ہر شہر، ہر قصبہ، ہر قریہ میں برابر اسی پر عمل درآمد رہا۔

### نسخہ جات قرآنی کی اشاعت

خلافت عثمانی سے پیشتر قرآن پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور اس کے نسخے الوف در الوف بستیوں میں موجود تھے۔ اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کے حیطہ اقتدار سے باہر تھا کہ وہ سب کی زبانوں، سب کے دماغوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کر کے ایک بھی لفظ کی کمی بیشی کر سکتے۔

### حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان سے مسائل فقہیہ میں اختلاف جمہور

ہاں ہم کو وہ مسائل فقہیہ بھی معلوم ہیں، جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف عثمان رضی اللہ عنہ سے تھا۔ مثلاً منیٰ میں پوری نماز پڑھنا اور قصر نہ کرنا اور محرم کا کسی غیر محرم کے شکار کو استعمال کر سکرنا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا خلاف کیا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد فقہی پر محکم رہا تو پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے متعلق کوئی خود ساز تبدیلی کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر خاموش رہ جاتے۔

### حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل مصر کی بغاوت

اس سے بھی بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل مصر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض افعال پر نکتہ چینی کی۔ ان کو بیت المال کا اسراف سے خرچ کرنے والا یا اپنی قوم کو بہت زیادہ عہدہ و مناصب دینے والا بتلایا ہے اور انہی امور پر اہل مصر نے ایسی بغاوت کی کہ اس کا اختتام امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوا۔ لیکن ہم کسی مصری اور اس عہد کے کسی اور شدید بغض انسان کو بھی قرآن مجید کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک حرف کہتا ہوا بھی نہیں سنتے۔

### خلافت مرتضوی رضی اللہ عنہ اور مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ ہوتے ہیں اور اپنی تمام خلافت کے زمانہ میں قرآن کی ترتیب عثمانی میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے اور نہ اس ترتیب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالتے ہیں، بلکہ ہمیشہ نمازوں اور وعظوں میں اسی قرآن کا ورد کرتے ہیں۔

### صفین میں رفع مصحف کا واقعہ

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ صفین ہوتی ہے۔ اہل شام قرآن مجید کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرآن مجید حکم ہوگا۔ اس وقت حزب مرتضوی رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ اہل شام نے قرآن پر اہتمام کیا ہے؟ حالانکہ فریق برسر جنگ کو اگر ذرا بھی گنجائش ایسے لفظ کہنے کی مل جاتی تو وہ محارب کی اس تدبیر کو کالعدم کر سکتا تھا، لیکن شامیوں کے پیش کیے ہوئے قرآن ہی کو قرآن ماننا پڑا اور عارضی صلح منعقد ہو گئی۔

ان واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظت قرآن کے متعلق ایسی خدمت ادا کی، جس پر تمام عالم



اسلام کا اتفاق تھا۔ جاہل و عالم، دانا و نادان، دوست و دشمن، ان کے اس فعل حمیدہ میں ذرا بھی شک نہ رکھتے تھے اور یہ اتفاق کامل صرف قرآن مجید ہی کے متعلق حاصل ہے اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت حفاظت کتاب حمیدہ کی ہے۔

تیسری پیش گوئی: جمع قرأت کی بابت

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾

”قرآن مجید کا جمع کرنا اور قرأت کا درست رکھنا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ اے رسول! جس

قرأت سے قرآن پڑھا جائے، آپ اس پر کار بند رہیں۔“

قرآن مجید کے احکام و قوانین نازل ہوتے تھے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب اور تدوین مشکل کام تھا لیکن اس کام کو بھی رب العالمین نے اپنے ہی ذمہ لیا جیسا کہ دنیا میں بھی ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کی ترتیب و تدوین کا کام خود سرانجام دیا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعد میں کسی ایک آیت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا ایک ہی ترتیب کے ساتھ قرآن مجید کی قرأت کر رہی ہے۔ اس پیش گوئی سے واضح ہو گیا کہ جمع و ترتیب کی جو صورت موجودہ دنیا میں پائی جاتی ہے وہ ٹھیک اسی ترتیب اور قرأت کے موافق ہے جو علم الہی اور قرأت سماوی ہے۔

یہ وہم کہ افراد امت میں سے کسی ایک کا خیال اس میں کوئی تصرف کرے گا، بالکل غلط اور باطل بن جاتا ہے۔

چوتھی پیش گوئی

قرآن مجید حفظ (یاد) رکھا جائے گا

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنکبوت: 49]

”یہ قرآن تو وہ روشن آیتیں ہیں جو علم والوں کے سینوں میں رہتی ہیں۔“

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا، کیوں کہ قرآن مجید سے جو شتر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی۔ اس لیے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے الہامی ہونے پر دلیل ہے۔ اس پیش گوئی کے مطابق ہر ملک، ہر صوبہ، ہر ضلع، ہر شہر میں حفاظ قرآن کی کافی تعداد پائی جاتی ہے، جو اس صحت اور اتفاق اور یقین و ائق کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں کہ ان کی قرأت سے مطبوعہ کتابت کی صحت کی جاتی ہے، مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہ پڑے گا تو وہ اس کی صحت دوسرے حفاظ ہی سے جا کر کرے گا۔

یہ ایسی زبردست پیش گوئی ہے کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لاعلمی ہے اور محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔

پانچویں پیش گوئی

کہ قرآن مجید کا حفظ کر لینا آسان ہوگا

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ [القمر: 17]

”ہم نے قرآن کو یاد کے لیے آسان بنا دیا ہے۔“

پیش گوئی چہارم کے تحت میں تحریر کیا گیا ہے کہ ساری کتاب کو حفظ کرنے کا خیال ہی بالکل اچھوتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو ازبر سنانا شروع کیا، تب دوسروں کو بھی انگ آتی چاہیے تھی کہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے۔ کیوں کہ ان کے سامنے یہ نظیر موجود تھی۔

مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا، نہ یہودی، نہ عیسائی، نہ پارسی، نہ ہندو اور نہ اور، جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کر لیا ہو۔ اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلا دی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

غور کرو رب العالمین نے اور کسی کلام کے اندر (خواہ کسی زمانے میں وہ کلام آسمان ہی سے زمین پر اتارا گیا تھا) یہ خصوصیت، یہ خاصیت، یہ ماہر امتیاز رکھا ہی نہیں، اس لیے کوئی دوسری کتاب کسی اور مذہب والے کو ازبر یاد کرنا کیوں کر ہو سکتی تھی؟ اور کیوں کر کوئی شخص حفاظت قرآن کی طرح ایسی صحت، ایسی تيقن کے ساتھ اپنی کتاب کو حافظہ سے سنانے کی جرات کر سکتا تھا۔

یہ ہے قدرت کی زبردست طاقت اور یہ ہے فطرت انسانی کے اصل منشا کاراز جس کے مقابلہ سے دنیا عا جز ہے۔

### چھٹی پیش گوئی

کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی اور کتاب کی شکل میں اس کی اشاعت ترقی پر رہے گی

﴿وَكِتَابٍ مُّسْتَوٍ ۙ فِيهِ رَقِ ۙ مُنْشَوٍ ۙ﴾ [طورہ: 2-3] ”قسم ہے کتاب کی جو لکھی گئی ہے اور پاک صاف صحیفہ اشاعت پائی ہے۔“

رقی، اس بار یک جہلی کو کہتے ہیں جو کتابت کے لیے خاص طور پر بنائی جاتی ہے اور بار یک سفید، پاکیزہ صحیفہ (بیاض) کو بھی جو لکھنے کے لیے تیار کی جائے۔ (المجد)

اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب بھی فرمایا اور مسطور بھی اور پھر اسی کو منشور بھی بتایا۔ کون نہیں جانتا کہ نشر کے معنی میں بسط اور امتداد شامل ہیں اور اسی کو آج ہم لفظ اشاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

### ساتویں پیش گوئی

کہ باطل یا بطلان قرآن کے نزول میں یا آئندہ کسی عہد میں اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ [مجمدہ: 42]

”باطل اس کے آگے یا پیچھے نہ آئے گا۔ یہ تو رب حمید و حکیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔“

فلسفہ، قدیم (باطل بین دیدیہ) اور فلسفہ جدید (باطل من خلفہ) نے بہت زور مارا مگر قرآن حکیم کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اس کے کسی مضمون اور کسی ایک اصول کا مقابلہ نہ کر سکا۔ نہ فلسفہ قدیم نے اس میں سے کچھ گھٹایا نہ فلسفہ جدید نے کچھ بڑھایا۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں اب کسی کے دخل کی گنجائش ہی نہیں۔

## اسلام کے متعلق چار پیش گوئیاں

### پہلی پیش گوئی

منکروں کی نفرت و کراہت کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کی ہدایت و تھانیت غالب ہوتی رہے گی۔  
 ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾  
 ”اللہ کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرک لوگ کیسا ہی برمانتے رہیں۔“ [الف: 19]

### جنوبی عرب اور عیسائیت

بعثت نبوی ﷺ کے وقت عرب کی پولیٹیکل (Political) حالت یہ تھی کہ اس کے جنوب پر سلطنت حبشہ کی حکومت تھی اور شمالی اقطاع پر روم کی سلطنت کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں عیسائی سلطنتیں تھیں۔ عیسائیت اگرچہ عرب میں 330ء کو داخل ہو گئی تھی اور بنو غسان عیسائی بن گئے تھے مگر رفتہ رفتہ عراق، عرب، بحرین، صحرائے فاران اور دومتہ الجندل پر بھی یہی مذہب حکمران ہو گیا تھا۔ پروفیسر سید یو لکھتا ہے کہ 395ء سے 513ء تک عرب میں اشاعت عیسویت پر بہت ہی زور لگایا گیا تھا۔ لیکن اسلام نے چند ہی سال میں اس پر غلبہ حاصل کر لیا اور یہ جملہ ممالک دین حق میں داخل ہو گئے۔

### عرب اور یہودیت

یہودی عرب میں اس وقت آئے جب یونانیوں اور سریانیوں نے ان کو اپنے ملک سے نکال دیا تھا، ان کا مذہب حجاز اور نواحی خیبر اور مدینہ میں پھیل گیا تھا اور اس نے استحکام بھی حاصل کر لیا تھا۔ اسلام کے آتے ہی ان کا بھی چار صد (400) سالہ قبضہ عرب سے بالکل اٹھ گیا۔

### مشرقی عرب اور مجوسیت

عرب کے مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اثر تھا اور اس حصہ کا گورنر شاہ ایران کی منظوری و انتخاب سے مقرر ہوا کرتا تھا۔ مشرقی حصہ میں آتش پرستی کی رسوم اور طریقے خوب رواج پائے گئے تھے۔ تاریخوں میں ان عربوں کے نام بھی لکھے ہیں جنہوں نے مجوسیت کے اثر میں آ کر بنی اور بہن کو گھر میں ڈال لیا تھا۔ اسلام کی پاک تعلیم کے سامنے یہ مذہب بھی نہ ٹھہر سکا۔

### عرب وسطی اور بت پرستی

حجاز (یا وسط عرب) میں ابن لاجی شام سے بت لے آیا تھا اور اسلام سے تین صدی پیشتر تمام مشہور مشہور قبائل بت پرست بن گئے تھے۔ عرب اور مذاہب متعددہ: صابئی، ذہریہ، منکرین قیامت، مادہ پرست اور خود پرست و خوش باش وغیرہ کے نام سے اور بھی چھوٹے بڑے مذاہب تھے، جن کے مقلدین کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی۔

## ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ [الف: 9]

اسلام کی حقانیت نے ان سب لوگوں کو بھی بطلان سے چھڑایا، یہی معنی ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کے ہیں، جس کا ظہور حضور پر نور نبی ﷺ کے عہد اقدس ہی میں ہو گیا تھا۔

### دوسری پیش گوئی

اسلام کے متعلق دوسری پیش گوئی کہ وہ تکمیل و اتمام کو پہنچے گا۔

﴿وَاللَّهُ مِتِّمُ نُورِهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الف: 8]

”اللہ اپنے نور کو پورا کرے گا، اگرچہ کافر برہماتے رہیں۔“

### وعدہ کی زمین پر موسیٰ علیہ السلام داخل نہ ہوئے

موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پاک پر غور کرو، اگر چنانچہ کے ہاتھ سے ایسی ایسی آیات باہرات کا ظہور ہوا، جو اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ فرعون مصر کو اللہ تعالیٰ نے غارت کیا اور بنی اسرائیل کو سمندر چیر کر اس کی خشک زمین پر سے راستہ دیا، من و سلویٰ اتارا، دن میں خاک کے جگولے سے ان کی راہنمائی کی اور رات کو اسی جگولے کو ستون بنا کر کیمپ کو روشن کیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مقصد اصلی جو وعدہ کی زمین میں بنی اسرائیل کو پہنچا دینا تھا وہ ان کی حیات میں مکمل نہ ہوا۔

### داؤد علیہ السلام اللہ کا گھر نہ بنا سکے

داؤد علیہ السلام کی سیرت پاک کو دیکھو، ان کو بنی اسرائیل کے دو ازادہ اسباط (12 قبیلے) پر حکومت بھی ملی۔ انھوں نے جالوت کو بھی خاک و خون میں سلایا۔ انھوں نے سوئیل کو بھی نچا دکھایا، شہر یار بنایا، قلعے تیار کیے، لیکن اللہ کا گھر بنانے کی ان کو اجازت نہ ملی۔

### مسیح علیہ السلام کی سرگرمی اور تعلیم کا نامکمل رہ جانا

مسیح علیہ السلام کی سرگزشت کو پڑھو، تبلیغ و اشاعت کی غرض سے وہ شانہ روز سفر میں رہے۔ اپنے سہ سالہ ایام تبلیغ میں انھوں نے دو شب کسی ایک مقام پر مشکل سے قیام فرمایا ہوگا، لیکن پھر بھی یوں 16 باب میں ان کا اعلان یہی تھا کہ وہ مکمل تعلیم نہیں دے سکے اور ساری صداقت اور سچائی نہیں سکھلا سکے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں قرآن مجید کا اعلان اور اعلام عام یہ ہے کہ اسلام بالضرور تکمیل و اتمام کے مدارج پر پہنچے گا اور نور اسلام اپنے مقاصد میں یقیناً ہی فائز المرام ہوگا۔

اس آیت کا نزول تو اس وقت ہوا تھا جب مہاجرین و انصار کو اطمینان کے ساتھ روٹی کھانی نہیں ملتی تھی اور نماز بھی دشمن کے حملہ سے بے خطر ہو کر نہیں پڑھی جاتی تھی، آہستہ آہستہ اس چوٹیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا اور اس مبارک دن کا سورج نکلا جس روز اللہ کے نبی نے عرفات کے میدان میں وہاں کی بلند پہاڑی (کوہ رمت) پر چڑھ کر سب سے بڑے مرکب (ناقہ قصویٰ) پر سوار ہو کر یعنی مادی دنیا کی اقصیٰ بلندی کے سر پر پاؤں رکھ کر عالم عالمیان کو اس نوید فرخ سے زندہ جاوید فرمایا:

﴿ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ [المائدہ: 3]  
 ”آج تمہارا دین تمہارے فائدے کے لیے کامل کر دیا۔ آج میں نے تم سب پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا۔ آج میں  
 بتلا تا ہوں کہ میری خوشنودی یہ ہے کہ اسلام ہی تمہارا دین ہے۔“  
 قارئین آپ نے پیش گوئی کو بھی دیکھا اور اس کا اتمام بھی دیکھ لیا۔

### تیسری پیش گوئی

تیسری پیش گوئی اسلام کی بابت کہ وہ استحکام میں بڑھتا جائے گا اور اس کا پھیلاؤ روز بہ روز زیادہ ہوتا جائے گا۔  
 ﴿ مَثَلًا مَّجْلَمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ﴾  
 ”کلمہ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت جیسی ہے جس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے اور جس کی شاخیں آسمان پر پھیلی جاتی  
 ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت، ہر زمانہ میں پھل دیا کرتا ہے۔“ [ابراہیم: 24-25]  
 ثابت اسم فاعل ہے اور اسم فاعل میں استمرار ہوتا ہے۔ سماء سمو سے بنا یا گیا ہے، رفعت و شوکت بلندی و عزت کے معانی اس لفظ  
 میں شامل ہیں۔

وہ درخت جس کی جڑیں پائال کی طرف بڑھتی جائیں جس سے درخت مضبوط بھی زیادہ ہوتا جائے اور خوراک بھی اسے زیادہ  
 ملتی رہے۔

وہ درخت جس کی نشوونما جاری رہے، جس کی طراوت و تازگی قائم رہے، اس کی شاخیں پھیلا کرتی ہیں۔ فضا میں لہلہایا کرتی  
 ہیں، آسمان کو جایا کرتی ہیں، وہ آسمانی برکتوں اور عینہ سے بھی غذا لیتا ہے، وہ زمینی برکتوں، نہر اور چشموں سے بھی پلتا ہے۔  
 جمعیت کے اعتبار سے اس کا تنا ایک ہوتا ہے اور پھیلاؤ کے لحاظ سے اس کی شاخیں کئی ہیں۔  
 یہی مثال اسلام کے کلمہ طیبہ کی ہے، جہاں اس کا بیج بویا گیا تھا، وہاں اس طرح قائم و دائم ہے اور اس کی شاخیں چین و افریقہ،  
 انگلینڈ و امریکہ تک پھیل گئی ہیں۔

ہندو قوم کی بابت کوئی کہتا ہے کہ وسط ایشیا سے آئی اور کوئی کہتا ہے کہ تبت سے نیچے اتری۔ تبت اور ترکستان دماورا، انہم میں جا  
 کر دیکھو اور پوچھو کوئی اس دعویٰ کا مصدق بھی موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہو جاتا ہے کہ جڑ قائم نہیں۔ یہی حال دنیا کی اکثر اقوام کا ہے۔  
 بنی اسرائیل کو فلسطین کی زمین وعدہ کے ساتھ دی گئی تھی کہ اگر وہ شریعت کے پیرو رہے تو ابد آ باد کے لیے یہ مملکت اور اس کی  
 حکومت انہی کو حاصل رہے گی، لیکن کیا اب اس کی جڑ اس وعدہ کی سر زمین میں قائم بھی ہے؟  
 جنگ عظیم 1914 تا 1918ء میں ان بے چاروں نے اربوں روپیہ بڑی بڑی سلطنتوں کو قرض دیا کہ وعدہ کی زمین، قومی گھر،  
 بنا دیا جائے، لیکن وہاں کے باشندے اب تک ان کے قدم وہاں جھننے نہیں دیتے۔

اگر انگلستان کی کوشش بار آور بھی ہوتی (۱)، تب بھی یہ مملکت اور سلطنت تو نہ ہوتی جس کا وعدہ ابراہیم اور موسیٰ اور داؤد  
 و سلیمان علیہم السلام کے ساتھ تھا، بلکہ یہ تو وہی غلامانہ اطاعت ہوتی جس کے بدلے میں بخت نصر اور گشتاسب وغیرہ نے بھی یہودیوں کو اس  
 (۱) آج انگلستان کی مسلمانوں سے بے وفائی، دھوکا دہی اور یہودی مالی معاونت اور کفار عالم کے توسط سے ”اسرائیل“ جیسی یہودی مملکت معرض وجود میں آئی ہے۔

سرزمین پر بسنے کی اجازت دے دی تھی، جب کہ وہ بہ عہد سحارومیوں کی ماتحتی میں رہتے تھے۔

پارسی قوم کا قومی گھر ایران ہے، لیکن اب تو وہاں ان کا کوئی پرسان حال بھی نہیں۔ کیا ان حالات میں یہ اقوام ﴿أَصْلَهَا﴾ ثابت ہے یا جس ملکی احاطہ میں محدود ہے، وہ ان حالات میں کیسے ﴿فَرَعَهَا فِي السَّمَاءِ﴾ [ابراہیم: 24] کا مصداق ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہیں؟

ہاں اسلام وہ ہے جو نہ کسی حویلی کا پتیل ہے، نہ کسی محن خانہ کا نیم ہے، نہ کسی باغیچے کا بیڑہ، نہ آسمان کے تمام خلا کو اپنا سمجھتا ہے اور اس میں پھیل رہا ہے۔

ہاں آیت پر مکرر غور کرو کہ اس میں اسلام کی پانچ خوبیوں کا بیان کیا گیا ہے۔

① ﴿تَشْحَرُ فِي حَلَبَةٍ﴾ واضح ہو کہ اسلام کی وحدت تعلیم اور مساوات حقوق بھی منفرد ہے، اس لیے اسلام کی بہترین تشبیہ درخت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنہا پر بے شمار شاخیں ڈالیاں اور پتے ہوتے ہیں اور وہ سب غذا و نمو میں اسی تنہا سے یکساں مستفید ہوتے ہیں۔

② اسے طیب کہا گیا ہے، جس میں صورت کی خوش نمائی بھی شامل ہے اور جس کا سایہ اور شرم بھی ہوتا ہے۔ اسلام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی موٹی شکل و صورت سے دلبر بارہا ہے اور پاکیزہ تعلیمات سے طیب مانا گیا ہے۔

③ ﴿أَصْلَهَا ثَابِتٌ﴾

④ ﴿فَرَعَهَا فِي السَّمَاءِ﴾ کی بابت ہم دلیل اول میں لکھ چکے ہیں۔

⑤ ﴿تُؤَيِّسُ أَكْثَلَهَا كُلَّ حِينٍ بِأَذْنِ رَبِّهَا﴾ ہر ایک درخت کے پھل لانے کا وقت مقرر ہوتا ہے، کوئی گرما، کوئی سرما، کوئی بہار میں، کوئی خزاں میں پھل لایا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسا درخت بنلا یا جو ہر وقت پھل لانے والا ہے۔

### قیام مکہ کے ایام میں اشاعت

اسلام کے اس ابتدائی زمانہ کو دیکھو، جب نبی ﷺ بھی مکہ میں قیام فرماتے اور مسلمان اپنی اپنی جانوں اور ایمانوں کے بچاؤ کے لیے مختلف ممالک میں بھاگے پھرتے تھے کہ جہش و یمن میں اسلام نے اس وقت سایہ ڈالا تھا۔

### قیام مدینہ میں اشاعت

اس دور ثانی کو دیکھو، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں اقامت گزریں ہوئے کہ بحرین و عمان اور رومہ الجندل اور سرحد شام تک کے لوگ اسی وقت اسلام کے انمار شیریں ثابت ہوئے تھے۔

پھر دور ثالث کو دیکھو، جب آفتاب نبوت ظل احتجاب میں آچکا تھا، مخلصین دل شکستہ تھے، منافقین کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔

### دور صدیقیت میں اشاعت

معاہدین نے معاہدات کی کھست کا اعلان کر دیا تھا، تمام صحابین سرحد عراق و ایران پر فوجیں جمع کرنے لگ گئے تھے۔ خلیفہ

الرسول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اعراب آگے بڑھے اور یہ سچے دل کے لوگ نورِ صداقت سے مستنیر ہو کر شمشیریں بن گئے۔

### خلافت راشدہ میں اشاعت

دور چہارم میں فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ شامل ہے جب کہ مشرق ساہیبا سے لے کر مغربی یونیس تک اسلام پہنچ گیا تھا۔ اسوی زمانہ میں اسلام نے جبل الطارق کو پھاندا اور سمندر پر سے اچھلا اور چین کو زیرِ تسلیم کیا۔

### مغلوں کا اسلام

چھ سات صدیوں کی اقبال مندی کے بعد مسلمانوں کی دولت و حکومت کو زوال آیا اور دارالسلطنت بغداد تباہ ہوا، لیکن انہی دنوں میں وہی مغول تاننارجو اس درخت کو کاٹنے کے لیے تیشہ تہر لے کر بڑھے تھے، اس کی شاخوں سے پیوند ہو گئے اور شمشیریں ثابت ہوئے۔

### یونانی فلسفہ اور ہندووانی توہمات

الغرض اسلام اپنی مظلومی کے عہد میں بھی بڑھا اور ترقی و آسائش کے ایام میں بھی اس نے ترقی واز دیاد کی طرف قدم بڑھایا۔ اسلام پر یونانی فلسفہ اور ہندووانی توہمات، ایرانی قہیش اور بربری توحش کے بھی حملے ہوئے مگر وہ پھر بھی ترقی پذیر رہا۔ ہمارے عہد میں فلسفہ جدید اپنی تعلیمات سے اسلام پر گولہ باری کر رہا ہے اور یورپین طاقتوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔

### یورپین پالیسی اور فلسفہ جدید

مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ترکی دولتِ عظمیٰ سے گھٹ کر ایک معمولی سلطنت رہ گئی ہے مراکواول درجہ کی سلطنت سے باجگذا رہ گیا ہے۔ عرب اور عراق کی حکومتیں اغیار کی دستِ گھر ہیں۔ تنظیم قوم کا سلسلہ پراگندہ ہے، تاہم اسلام انگلستان اور جرمنی اور امریکہ پر اپنا سایہ ڈال رہا ہے۔ بڑے بڑے کرنٹ اور کونٹس لاف ز اور پرنسز اسلام کا پھل ثابت ہو رہے ہیں۔

### حالیہ عہد میں اسلامی ترقی

چین اور افریقہ میں دس سال کے اندر مسلمانوں کی تعداد دو چند ہو گئی ہے۔ ان تمام حالتوں پر نگاہِ عبرت سے غور کرو اور ﴿تَوْرٰتِیْ اُنْکَلٰہَا کُلَّ حَیْنٍ﴾ کی پیش گوئی کی صداقت کا اندازہ لگاؤ، جب مسلمانوں کی اور اسلام کی ترقی کو ایک وقت واحد میں دیکھا جاتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ حکمِ عالی کی طاقت بخوبی ہویدا ہو جاتی ہے۔

### چوتھی پیش گوئی

چوتھی پیش گوئی اسلام کی بابت کہ وہ اپنے دلائلِ حقانیت سے ترقی کرے گا اور دلائلِ انفسی و آفاقی ان لوگوں کو اسلام تک لانے میں دلیل رہے نہیں گے۔ ﴿سَتُرٰیہُمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِہُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ﴾ [حم ہد: 53]

”ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے۔“

یہ ہے وہ چیز جو عرب کو اسلام تک کھینچ لانے کا موجب بنی۔

غور کرو جب نشانات قدرت کی اندرونی و بیرونی شہادت کسی معاملہ کی راست بازی و صداقت پر جمع ہو جائے تو کیا اس وقت کوئی صحیح و ماخ ایسی شہادت کا انکار کر سکتا ہے؟

جب چشم و گوش اور عقل و ہوش کے سامنے ایسی براہین سامعہ موجود ہوں جو اس ظاہری و باطنی کو بام تصدیق پر پہنچا دیتی ہیں، تو پھر ان کا ابطال کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے مخاطبین کے سامنے وہ نشانات و علامات بھی دکھلائے جن کی شہادت خود ان کے ضمیر نے ادا کی اور وہ علامات و دلائل بھی قائم کیے جن کی تائید زمین و آسمان کے ہر انقلاب و گردش سے ہوئی، جب ان کی حقانیت اسلام کے اقرار میں کوئی چارہ نہ رہا اور وہ پروانہ دار اس شمع تجلی پر ٹوٹ کر گرے اور جان و مال کو اس شمع انوار پر نثار کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آیات تعدہ کا تعلق زیادہ تر آفاق سے تھا۔ فرعونوں پر حجت الہی تو ختم ہوئی مگر وہ ہدایت سے دور دوری رہے۔ آیات قرآنی کا اثر فی الانفس بھی ہے اور فی الافاق بھی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کے مخاطبین نور حق سے قریب قریب ہوتے گئے اور مستقیم ہوتے ہوئے خود سراپا نور بن گئے۔ اَصْحَابِیْ سَمَّا لَنْ حُوْمَ کِیْ بِنِیْ تَاوِیْلِیْ ہے۔

پیش گوئی

کہ لڑائیوں میں مسلمانوں ہی کو غلبہ رہے گا

﴿اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْعَالَمُوْنَ﴾ [اصف: 173] "اور ہمارا لشکر غالب رہے گا"

جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ ملی اور نہ مدافعت حربی کا حکم ہوا، اس وقت تک وہ برابر گونا گوں جوڑو تسم کا امان بنے رہے، لیکن جب ان کی مظلومانہ حالت اور مجروحانہ بے بسی پر رحم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگ کی اجازت دے دی اور مسلمانوں کی جمعیت فوجی تنظیم سے منظم ہو گئی، حتیٰ کہ اس لفظ جند کا اطلاق صحیح ہو گیا۔ اس وقت سے پھر مسلمانوں کو کسی جگہ شکست نہیں ملی، وہ فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ نصرت و ظفر ان کے علم بردار رہے۔ عراق و فلسطین، شام و ایران، خراسان و ترکستان، مصر و سوڈان کے واقعات کو پڑھ لو کہ مسلمانوں کو ایک دفع بھی شکست نہ ہوئی اور ہر جگہ انہی کو غلبہ حاصل رہا۔ ایسی زبردست پیش گوئی کا اعلان وہی مالک فرما سکتا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں اقوام کی ذلت و عزت کا ترازو ہے۔ ہاں وہی مالک جس کا علم عہد مستقبل پر بھی اتنا حاوی ہے کہ انسان کا علم عہد ماضی پر بھی اسی قدر حاوی نہیں ہو سکتا۔

آیت میں مزید غور طلب لفظ جُنْدَنَا ہے یعنی الہی لشکر۔ یہ ظاہر ہے کہ الہی لشکر صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہو اور جس کا مدعا فتح کنوز یا ملکیت خزانوں والوں سے بالاتر ہو کیوں کہ جب مقصد بدل جائے گا تب وہ لشکر جندنا کہلانے کا مستحق نہ ہوگا اور جب وہ جندنا کی صفت سے عاری ہو گیا تو اس کا بہت سے مقامات پر مغلوب ہو جانا اقوام غیر کے سامنے مقہور ہو جانا بھی داخل تعجب نہ رہے گا۔

ان چھٹی صدیوں میں اگر مسلمان غلبہ تام سے محروم ہو گئے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صفت "جندنا" (الہی لشکر) سے دور ہو گئے۔ لہذا آیات بالا دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔

﴿اِنَّ مَسْلَمَانَ کَوْفِیْ شِکْسْتْ نَدِہُوْیْ جِبْ تَنکْ اِنْ کَا مَقْصِدْ اَعْلَا و کَلِمَۃُ اللّٰہِ ہُوْکَا۔﴾



(2) مسلمانوں سے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قائم نہ رہے گا جب کہ ان کا یہ مقصد نہ رہے گا۔

### پیش گوئی

کہ اہل اسلام کو روئے زمین پر حکومتیں حاصل ہوں گی

﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ﴾ [النمل: 62] "تم کو زمین پر حکومتیں دے گا۔"

یہ آیت عام مسلمانوں کی طرف خطاب فرماتے ہوئے نازل کی گئی ہے۔

اس پیش گوئی کا ظہور کہ بنو امیہ نے دمشق میں ایک ہزار (1000) مہینے تک حکومت کی اور بعد ازاں غرناطہ وغیرہ میں حکومت حاصل کی اور ہسپانیہ پر صدیوں تک حکمران رہے۔ اسی پیش گوئی کا ظہور ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر آج تک مصر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اور مختلف خانوادے یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ دمشق میں انتراض دولت امویہ کے بعد عباسیہ نے بغدادی میں پورے جاہ و جلال کے ساتھ چھ صدیوں تک حکومت کی۔

اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ عباسیہ کے غلاموں، ترکوں نے ترکستان و خراسان وغیرہ کی حکومت حاصل کی، پھر انہی کی ایک شاخ نے قسطنطنیہ فتح کر کے یورپ میں حکومت حاصل کی اور انہی کی شاخ نے ہندوستان پر صدیوں تک سلطنت کی۔

الغرض فراعنہ مصر، اکاسرہ ایران اور قیصرہ روما کے ممالک پر اموی، عباسی ترک و کرد اور غلامان و افغانان اور دیگر اقوام کی مسلمان حکومتیں اسی پیش گوئی کے تحت میں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی پیش گوئی صرف اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

### پیش گوئی

کہ اہل ایمان کی حالت دنیوی بھی اچھی ہو جائے گی

﴿الَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَكَذَلِكَ الْأَخْيَرَةُ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ﴾ [النمل: 30]

"جنہوں نے یہاں نیک کام کیے ہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی خوبیاں ہیں اور آخرت کا گھر تو بالکل اچھا ہے اور متقیوں کا خوب گھر ہے۔"

یہ آیات سورہ نحل کی ہیں جو سچی ہے۔ مکہ معظمہ میں اہل ایمان دنیوی حیثیت سے جس شوق و تگلی اور حسرت و افلاس میں بسر کیا کرتے تھے۔ اس کا حال سب کو بخوبی معلوم ہے۔ کسی کے پاس تہ بند ہے تو کرتے نہیں، کرتہ ہے تو سر بند نہیں۔ کسی کو ایمان لانے کے جرم میں قید کیا جاتا تھا، کسی کو گرم پتھر پر لٹا کر اس کی چھاتی پر دو سرا پتھر رکھا جاتا، کسی کے منہ میں لگام ڈالی جاتی ہے اور بنشروں سے مار مار کر اسے گھوڑے کی طرح پھرایا جاتا، کسی کو دیکتے ہوئے کونلوں پر تگنی پیٹھ لٹا دیا جاتا۔ کفار سمجھتے تھے کہ یہی حالت ان کی ہمیشہ رہے گی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام نے تہلا دیا کہ یہ حالت بدلنے والی ہے اور مسلمانوں کی دنیوی حیثیت بھی شاندار ہونے والی ہے۔ فتوحات کے بعد کل دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان کیسے متمم و ترف اور عزت و شان پر پہنچ گئے تھے، جسے دیکھ دیکھ کر صداقت قرآنی کا اقرار اہل کفار اشرار کو بھی کرنا پڑتا تھا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کے کنبہ سے پوچھا کہ تمہارے ہاں قالین بھی ہیں۔ وہ بولے کہ ہم اور

قالین۔ فرمایا تم کو ملیں گے۔ پھر ایک وقت آیا، جب ان کے گھر میں سارا فرش قالین کا تھا۔ [1]

مہاجرین رضی اللہ عنہم کے متعلق تین پیش گوئیاں

﴿ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعًا كَثِيرًا أَوْ سَعَةً ﴾ [النساء: 100]

”جو کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، اسے ملک میں جائے پناہ بھی بہت ملے گی اور کشاکش بھی حاصل ہوگی۔“

﴿ قَالِدِينَ هَاجِرُوا وَأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَوْذُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ [آل عمران: 195]

”پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انھوں نے جنگ کی اور

مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو بدل دیں گے اور انھیں ان کے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

یہ اجر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تو بہتر ثواب دینے والا ہے۔“

﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرًا عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ

هُمْ الْفَائِزُونَ ﴾ يُسِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نِعَمٌ مُقِيمٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ إِنَّ

اللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴾ [التوبة: 20-22]

”جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں

بڑے درجے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہیں، پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے۔

ان کے لیے جنت ہے اور وہاں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔“

یہ آیت ہاں خاصہ مہاجرین پاک کے متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا وعدہ دنیا کے متعلق ہے اور دوسری، تیسری آیت کا وعدہ دنیا و عقبیٰ ہر دو کے متعلق ہے۔

مہاجرین گھریا، ٹولیش و تیار، الماک و اموال کو چھوڑ کر صرف اللہ اور رسول کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ میں پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے پہلی آیت کے مطابق ان کو بڑی بڑی جائداد کا مالک بنا دیا، لاکھوں، کروڑوں کی تجارت ان کے قبضہ میں آئی۔

جنت اور نعم و تقیم کی قسط اول دنیا ہی میں پوری کی گئی۔ غور کرو کہ عراق و شام، ایران و مصر و خراسان و سوڈان کے فاتح سب کے

سب مہاجرین ہیں۔ خالد بن ولید، سیف اللہ اور ابو عبیدہ بن الجراح امین الامت، سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہم

وہ بڑے بڑے جرنیل ہیں، جنھوں نے ان ممالک میں نور اسلام پہنچایا اور وہاں کے فہم مقیم کو اہل ایمان کے لیے عام کر دیا تھا۔

پیش گوئی

کہ جنگ دستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے

﴿ وَإِنْ حِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ﴾ [التوبة: 28]

”اگر تم کو جنگ دستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ عہد مستقبل میں تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“

سَوْفَ: مضارع پر جب آتا ہے تو مضارع کو معنی حال سے نکال کر مستقبل بعید کے معنی میں منتقل کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ پیش گوئی

[1] بخاری: 3631، مسلم: 5161، 5449، 5450، ابوداؤد: 4145، ترمذی: 2774، نسائی: 3386

انقرض عہد نبوت ﷺ کے بعد پوری ہوئی۔ صحابہ کی دولت مندی اور غنا کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنی دولت کا خود بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ ہوتا تھا۔  
عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قرشی الزہری کا جب انتقال ہوا تو ایک ہزار (1000) اونٹ، تین ہزار (3000) بکریاں اور ایک سو  
(100) گھوڑے ان کے ہاں موجود تھے۔ نقد و اسباب اس کے علاوہ تھا۔ ان کی ایک عورت کو 3/8 کے حساب سے قرشی ہزار  
(83000) روپیہ نقد دیا گیا تھا۔<sup>[3]</sup>

ابو محمد طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لنگر میں ایک ہزار (1000) ورقی کاروزانہ مصارف تھا۔ ورقی ایک سکہ ہے جو ہم وزن دینار ہے۔<sup>[4]</sup>  
زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار (1000) غلام تھے جو کما کر لایا کرتے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کی کمائی کو خیرات کر دیا کرتے  
اور ایک حب بھی اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔<sup>[5]</sup>

### پیش گوئی

کہ عرب کے تمام بت ناپید ہو جائیں گے اور بت پرستی معدوم ہو جائے گی

﴿يَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ [اشوری: 24]

”اللہ اپنے کلام سے باطل کو مٹا دے گا اور حق کی حقانیت کو ثابت کرے گا۔“

باطل سے بت مراد ہیں۔ یہ معنی خود نبی ﷺ نے بتلائے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور ﷺ فتح مکہ کے دن خانہ  
کعبہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں بت استاودہ تھے۔ نبی ﷺ کے دست مبارک میں چھڑی تھی۔ حضور ﷺ چھڑی کے ساتھ بت  
کی طرف اشارہ کرتے تھے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تھے۔

﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [بنی اسرائیل: 81]

”کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نکل گیا اور باطل نکلنے ہی کی چیز ہے۔“<sup>[6]</sup>

اس پیش گوئی کا چودہویں صدی تک یہ اثر ہے کہ سارا ملک عرب بتوں کے وجود سے خالی اور بت پرستی سے کلیہ پاک ہے۔  
آیت میں لفظ بگلمتاتہ مکرر غور طلب کہ باطل کو کچھ کرنے اور حق کو ثابت کرنے کا کام کلمات الہیہ کا ہے۔ کلام اللہ کی تاثیر  
ہی یہ ہے کہ اس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔

چین، ہند، آسام وغیرہ بت پرست ممالک ہیں۔ ہزار ہا بندگان الہی کا بت پرستی سے اہل عرب کی طرح بیزار ہو جانا، اسی اصول  
پر تھا کہ جہاں قرآن حمید کی اشاعت ہوئی وہاں وہاں بت پرستی معدوم ہوگئی۔ عیسائیوں میں مذہب پراسٹنٹ (Protestant)<sup>[7]</sup>  
کا ظہور و قیام بھی قرآن مجید ہی کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

پراسٹنٹ والے اب تصویر پرستی نہیں کرتے، نہ اپنے گرجاؤں میں مسیح اور مریم اور یوحنا علیہم السلام کی تمثالیں کورکتے ہیں اور نہ ان  
کے سامنے کورنش و رکوع کرتے ہیں۔

[3] کتاب الامانہ، نووی، الاضواء، 427/1، اسد الغابہ، 480/3، 478/3، الاستیعاب، 847/2، [4] اسد الغابہ، 87/3

[5] اسد الغابہ، 309/2، الاستیعاب، 563/1، [6] بحری، 4287

[7] ایک معروف سکھ فرقہ ہے۔

## پیش گوئی

کہ مظلوم مہاجرین کو دنیا میں اچھے ٹھکانے اور آخر میں اجر کبیر ملے گا ﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنبُوْتَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَا جَزَاءَ الْآخِرَةِ أَكْبَرَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾  
 ”جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لیے ظلم اٹھانے کے بعد، ہم ان کو بہتر اور پسندیدہ ٹھکانے اور مقامات پاکیزہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش دوسرے لوگ بھی اسے جان لیں۔“ [نحل: 41]

کون کون مقدس لوگ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ صدق کے موافق مورد الطاف ربانی ہوئے۔؟ یہ دیکھنے کے لیے مہاجرین کے اسمائے مبارکہ پر نظر ڈالو۔ ان کی حالت پڑھو، ان کی دنیوی کامیابی سے ان کے اخروی اجر کبیر کا اندازہ لگاؤ۔ ایک مختصر آیت نے کس طرح سینکڑوں بزرگوں کے انجام کا اعلام فرما دیا ہے۔ یہی ایک آیت قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے اور مہاجرین کی دنیا و دین میں کامیابی پر دلیل روشن ہے۔

دنیوی و اخروی سعادات کا بیان حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں بھی ہے:  
 ﴿قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾  
 ”کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا۔ ہاں جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ احسان (نیکی) کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔“ [یوسف: 90]

آیت بالا سے ظاہر ہے کہ مہاجرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادت دارین کو اسی طرح جمع فرما دیا جس طرح یوسف صدیق علیہ السلام کے لیے جمع فرمایا تھا۔

## پیش گوئی

کہ اصحاب رسول ﷺ اور تبعین رسول ﷺ کی ترقی آہستہ آہستہ اور تدریجی ہوگی پھر کمال پر پہنچے گی۔ ﴿تَكْوِينُ آخِرَ سَطَاةٍ فَآزْرَةٌ فَاسْتَغْلَطَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْفِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الحج: 29]  
 ”ان کی مثال کھیتی کی سی ہے، جس نے سوئی نکالی، پھر سوئی کو مضبوط کیا، پھر اسے موٹا بنایا، پھر وہ اپنی نال پر کھڑی ہو گئی۔ وہ کسان کو خوش کرتی ہے اور کفار انھیں دیکھ دیکھ کر غیظ و غضب میں آ رہے ہیں۔“

آیت بالا میں چھ (6) واقعات اور منازل و مدارج کا ذکر ہے۔

① کھیتی کی سوئی کا زمین سے سر نکالنا۔

② سوئی کا مضبوط ہونا۔

③ سوئی کا موٹا ہونا۔

- 4 یہ ہر دو مراتب مدینہ منورہ میں جا کر پورے ہوئے۔  
 ہر چہار (4) مدارج ترقی کے بعد دو بیرونی نتائج کا ذکر فرمایا۔  
 5 کسان کا اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا رضوان ہے، جس کا اعلان آیت تکمیل میں ہے۔  
 6 کفار کا انھیں دیکھ کر حسد اور غصہ سے جل مرنا۔ یہ ان سب اشخاص اور اقوام کے متعلق ہے جو مہاجرین کا اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا نہیں دیکھ سکتے۔  
 یہ آیت دراصل چھ (6) پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔  
 ہاں اس پیش گوئی کو اس پیش گوئی کے ساتھ بھی ملا کر دیکھو جس میں اسلام کو شجرہ طییبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے

### پیش گوئی

#### زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے عکاظ منڈی سے خدمتِ اکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے خرید کیا تھا۔ جب طاہرہ خدمتِ نبویؐ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد ہوا، تب زید رضی اللہ عنہ کو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مامور کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت پہنا یا گیا تو زید رضی اللہ عنہ بھی اسی پہلے دن ایمان لائے، جس دن خدمتِ اکبریٰ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما ایمان لائے تھے۔ لہذا یہ اولین سابقین میں سے ہیں۔ ﴿اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا:

﴿ اذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ ﴾ [171: ب: 37]

”جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا۔“

آیت بالا سے ظاہر ہوا کہ وہ انعام یافتہ الہی ہیں۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ انعام یافتہ الہی کون کون لوگ ہوتے ہیں:

﴿ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ﴾ [احزاب: 69]

”اللہ ورسول کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا اور وہ انبیاء صدیق اور شہداء و صالحین ہیں۔“

نتیجہ یہ ہوا کہ جو شہید ہے وہ انعام یافتہ الہی ہے اور جو انعام یافتہ الہی ہے وہ اگر نبی یا صدیق نہیں، تو ضروری ہے کہ وہ شہید ہو یا صالح ہو۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے آیت بالا ان کی شہادت کی خبر دینے والی تھی۔ چنانچہ 8ھ میں غزوہ موتہ کی سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے اور پیش گوئی پوری ہوئی۔

### پیش گوئی

غیر اقوام کا مسلمان ہونا اور اسلام کی خدمت میں شاندار کام کرنا

﴿ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبِدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لَا تُمْ لَّا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴾ [محمد: 38]

اگر تم منہ پھیرو گے تب اللہ تمہارے سوا دوسری قوم کو بدل دے گا اور وہ منہ پھیرنے والی قوم نہ ہوگی۔“  
آیت کا خطاب (جیسا کہ قرآن مجید ہی کی عبارت سے واضح ہے، ان لوگوں کی طرف ہے جو جہاد سے منہ موڑنے والے تھے، اب دیکھو کہ سوڈان، بربر، افریقہ، اندلس، خراسان، سندھ، ہندوستان میں جہاد کرنے والی قومیں وہ ہیں جن کا ان منافقین کے ساتھ کوئی جسی نسبتی تعلق نہیں۔

کرد ترک، مغول، غلجی، ہوری، غوری اقوام نے اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ سب اسی پیش گوئی کے تحت میں ہیں۔

## اہل ایمان کے متعلق پیش گوئیاں

### پہلی پیش گوئی

خلافت راشدہ کے متعلق، جس میں خلافت راشدہ کے متعلق علامات بھی واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ ایک پیش گوئی دراصل چھ پیش گوئیوں کا مجموعہ ہے۔

آیت کریمہ جو چھ پیشین گوئیوں اور ایک وعید پر مشتمل ہے، یہ ہے:

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ [النور: 55]

”وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے اور ایمان والوں کے ساتھ جنہوں نے عمل بھی اچھے کیے۔“

﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ﴾ [النور: 55]

”کہ اللہ ان کو ضرور الارض کا خلیفہ بنائے گا“

﴿ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور: 55]

”جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا“

﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ ﴾ [النور: 55]

”اور ان کے دین کو ان کے لیے مکنت، قوت بخشے گا وہ دین جس کو ان کے لیے اللہ نے پسند کیا ہے“

﴿ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ حَوْفِهِمْ أَمْنًا ﴾ [النور: 55]

”اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔“

﴿ يَعْْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾ [النور: 55]

”وہ میری ہی عبادت کریں گے ذرا بھی شرک نہ کریں گے۔“

﴿ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ [النور: 55]

”اور جو کوئی اس حالت کے بعد بھی کفر کرے گا وہی فاسق ہوگا“

یہ وعدہ ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہے، جو تعلیم نبوت کے ترجمان اور عمل صالح کی صفت سے متصف تھے۔ وعدہ میں مندرجہ

ذیل چھ پیشین گوئیاں شامل ہیں:

□ خلیفہ کے لفظ پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے قیام خلافت کے اعزاز کو ہمیشہ اپنے ہی اقتدار و اختیار و انتخاب میں رکھا ہے۔ خلافت آدم علیہ السلام کا ذکر تھا، تب بھی یہی فرمایا:

﴿يَا آدَمُ اجْعَلْ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة: 30] "زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔"

سیدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت کا ذکر ہوا تب بھی یہی فرمایا:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾ [ص: 26]

"اے داؤد! ہم نے تجھے الارض کا خلیفہ بنایا۔"

اب مومنین صالحین امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ ہوا تو بھی یہی فرمایا: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمُ لَعْنَى اللَّهِ ان كُوْخَلِيفَةَ بَنَائِي كَا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں رکھا گیا ہے۔

دوم: یہ کہ ان کا تقرر و انتخاب منجانب اللہ تھا

□ آیت کا نزول 5 ہجری نبوت میں ہوا ہے کیوں کہ اسی سورہ نور میں واقعہ فک بھی درج ہے جو با اتفاق علمائے سیر 5 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ اس وعدہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو 5 ہجری سے پہلے ایمان لائے ہوئے تھے، اس لیے اَمْسَسُوا اور عَمِلُوا امامی کے سیغے استعمال کیے گئے ہیں اس وعدہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کا اسلام یا ولادت نزول آیت ہذا کے بعد ہوئی اور وہ خلافت راشدہ (جس کا تقرر بارگاہ الہی سے ہوتا ہے، کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

□ الارض کے معنی عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ جب اس کے معنی وعدہ کی زمین ہیں، تب تو اس سے وہی معنی لیے جائیں گے اور جب اسکے معنی مطلق لیے جائیں، تب معنی میں بھی عمومیت ہوگی۔ قرآن مجید میں اس کا اطلاق ہر طرح سے آیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ [البقرة: 255] الارض سے مراد تمام کرہ زمین ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمانا ﴿وَكَذٰلِكَ مَكِّنَّا يُوسُفَ فِي الْاَرْضِ﴾ [یوسف: 21]

میں الارض سے مراد ملک مصر ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے: ﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا فِي الْاَرْضِ الْمُبَارَكَةِ الَّتِي كَتَبَ اللهُ لَكُمْ﴾ [المائدہ: 21]

"اے قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے لکھی گئی ہے۔"

اس میں الارض سے مراد وعدہ کی وہ زمین ہوگی جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دے دیا ہے

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ﴾ [الانبیاء: 105]

"بلاشبہ ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو ہی زمین کا وارث بنائے گا۔"

اب قرآن کی پیش گوئی میں فی الارض کی تعیین میں وعدہ کی زمین بھی مراد ہے اور بتایا گیا ہے۔ فلسطین کی وہ زمین موعودہ جو

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو دی تھی جو ہزاروں سال سے اس خانوادہ عالی شان کی ایک شاخ بنو اسرائیل میں چلی آتی تھی۔ اس کا قبضہ اب خلفائے امت محمدیہ ﷺ کو دیا جائے گا۔ ان معنی کے لحاظ سے بھی آیت میں صریح پیش گوئی موجود ہے۔ کیوں کہ نزول قرآن بلکہ حیات نبوی ﷺ تک کوئی ایسے آثار و قرائن نمودار نہ تھے کہ مسلمان عرب سے آگے بڑھ کر ارض مقدسہ کے بھی مالک ہو جائیں گے۔

دشمن (خصوصاً سلطنت روم و اجوا رض مقدسہ کی قابض تھی) یہ تیاریاں کیے ہوئے تھا کہ سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد فوراً یکبارگی عرب پر حملہ کر دیا جائے۔

مصر اور حبش کے باج گزار بادشاہ بھی اپنے اپنے ممالک سے حملہ آور ہوں اور خود قیصر بھی شام کی طرف سے آگے بڑھے اور اس تدبیر سے تمام عرب پر وقت واحد میں ہی تسلط تام بھی کر لیا جائے اور اس نوخیز مذہب جس نے عیسائیت پر عرب میں غلبہ حاصل کر لیا تھا اور جس نے اپنے عملی دلائل سے تثلیث کی بنیادوں کو سارے عالم کی نگاہ میں متزلزل کر دیا تھا، کا کام ایک نکتہ ختم و تمام کر دیا جائے۔ دشمنوں کی ان تیاریوں پر قرآن پاک فرما رہا ہے کہ زمین موعودہ برگزیدہ مومنوں کو ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ ﴿كَمَا اسْتَخْلَفْتُمْ﴾ کی تشبیہ کامل طور پر پوری ہو گئی۔

”الارض“ سے مراد عام ممالک بھی اس پیشین گوئی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اسی لیے عراق، فلسطین شام اور ایشیائے کوچک، مصر و ایران، بحرین و خراسان، مراکو، ٹیونس، سوڈان وغیرہ الغرض وہ سب ممالک جو حملہ کرنے والے دشمنوں کی سلطنتوں میں داخل تھے۔ سب کے سب خلفاء کے قبضہ میں آ گئے۔

﴿آیت استخلاف میں صرف فتوحات ہی کا ذکر ہوتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا، جس خلافت کا وعدہ دیا گیا ہے وہ صرف برکات دنیوی پر مشتمل تھی۔ مگر غور سے پڑھو کہ آیت تو مکتبہ دین، عزت اسلام، شوکت مذہب کا بھی وعدہ کرتی تھی۔

ممکن ہے کہ کوئی کہے والا کہہ دیتا کہ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ [الاکافرون: 6] ”تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔“ میں مذہب غیر از اسلام کو بھی لفظ دین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ ﴿الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ﴾ [البقرہ: 55] کے پاک الفاظ بھی نازل کر دیے گئے۔ اگر ہم قرآن مجید ہی سے ارتضیٰ لہم کا مشارا یہ معلوم کرنا چاہیں تو آیت تکمیل میں یہ الفاظ ملیں گے ﴿رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [آل عمران: 19] اور پھر اسلام کے متعلق ایک اور آیت ملے گی۔ ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران: 19] ”بے شک پسندیدہ دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔“

یہ سب آیات اس امر کو استحکام کے ساتھ واضح کر دیتی ہیں کہ خلفاء کا دین ہی اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین ہے۔

﴿وَلَيَسِّرَنَّا لَهُم مِّنْ بَعْدِ حَوْرِهِمْ آمَنًا﴾ [البقرہ: 55]

”اللہ تعالیٰ ان کو ضرور بعد از خوف امن دے گا۔“

اس آیت میں امن بسبب اور آسائش تام اور رفاهیت کامل کا اظہار ہے جو خلافت خلفائے راشدین میں حاصل ہوا تھا۔ سرور عالم ﷺ کی اس پیشین گوئی کا ظہور بھی جو حضور ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی کہ وہ اپنی عمر میں دیکھ





نہیں۔ لہذا مسلمانوں کا یہ مذہب کہ خلافت راشدہ کے والی ابوبکر، عمر، عثمان، وعلی رضی اللہ عنہم چار مقدس ہستیاں ہیں یا یہ شمولیت امام حسن رضی اللہ عنہ پانچ ہیں۔ بالکل صحیح ثابت ہے۔ بلاغت قرآنی کو دیکھو کہ ان چاروں یا ان پانچوں پر نزول آیت کے وقت ﴿أَمْسُوا وَغَمِّلُوا الصُّلْحَةَ﴾ [النور: 55] کی علامت کامل طور پر منطبق شدہ ہے۔

ہماری تمام تر بحث کا مقصد قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرنا تھا جو خلافت راشدہ کے متعلق ہیں۔ خلافت کا آغاز بعد از ارتحال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا جب کہ نزول وحی کا باب مسدود ہو چکا تھا۔ اب انہی علامات و امارات و بشارات کے مطابق خلافت کا قیام و استحکام اس مالک الانام کا کام ہے جس نے خود اپنا کلام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا۔ اور جس نے خود اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے خلافت کے لیے چند نفوس مزی کا انتخاب فرمایا جن کا ہر ایک قول و فعل کتاب اللہ کا مصداق اور کتاب اللہ ان کی مصدق تھی۔

ساتویں پیشین گوئی کہ قرآن کریم کے مخاطبین اولیٰ میں ایک قتنہ عام برپا ہوگا

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ [الأنفال: 25]

”یچو اس فتنہ سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا۔“

اس آیت میں ایسے فتنہ عام کی خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب ہی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ بے شک قومیت کے فقدان اور ظلم کی اختلاف کی آفات میں سے ایک یہ بھی آفت ہے کہ اس عصیبت کا اثر سب پر پڑتا ہے۔

شہادت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، واقعہ جمل، واقعہ صفین، شہادت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، واقعہ ہاکمہ کر بلا ایسے واقعات ہیں جو اس پیش گوئی کی صحت میں وجود پذیر ہو چکے۔ واقعات بالا میں بڑی تعداد مخاطبین اول قرآن مجید کی تھی اور اس لیے ضمیر منکم میں کاف خطابیہ استعمال میں لایا گیا اس فتنہ کے وقوع کا امکان اسی خلافت راشدہ کے بعد جو برکات دنیوی اور انوار و بی کی جامع تھی عام وہم و گمان سے بالاتر تھا، لیکن رب العالمین کا علم صحیح آنے والے واقعات پر حاوی ہے اور اس کا کلام ایسے واقعات کا ذخیرہ ہے۔ لہذا ایسے الفاظ میں خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب پر اس فتنہ کا استعمال ہوگا۔ یہ نہیں بتلایا کہ لوگ اس فتنہ میں حصہ لیں بلکہ فرمایا کہ احتراز و اجتناب اور تقویٰ اختیار کریں۔ صحیح بخاری کی حدیث عن ابی ہریرہ میں بھی اس فتنہ کی اطلاع دی گئی ہے۔

سَتَكُونُ الْفِتْنَةُ الْقَاعِدَةُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَانِمِ وَالْقَانِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي ﴿١﴾

”ایسے ایسے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے سے اور کھڑا چلنے والے سے اور چلنے والا ساعی سے بہتر ہوگا۔“

ہمارا مقصود ان دل شکن روح فرسا واقعات کی تفصیل لکھنا نہیں، بلکہ قرآن پاک کی پیش گوئی کا اندراج کرنا ہے کیوں کہ کلام الہی میں ان واقعات پر اشارہ موجود تھا اور یہی امر ہے جو اس کے کلام الہی ہونے پر وال ہے۔

مستہزئین (مذاق اڑانے والے) مکہ کے خلاف پیش گوئی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَأَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ﴾

”جو حکم تجھے دیا گیا ہے وہ صاف صاف بیان کرتا رہ، ان مشرکین سے رخ بدل لے۔ استہزا کرنے والوں سے ہم تجھے

کفایت کریں گے۔“ [الحجر: 94-95]

ہم نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اول میں جماعت مسجونین کا ذکر کیا ہے۔ اس کمیٹی کے مقاصد یہ تھے کہ نبی ﷺ کی ہنسی اڑائیں۔ نقلیں اتاریں، آوازے کسیں، حضور ﷺ کے وعظ میں شور و شغب سے کھنڈت ڈالیں، منہ چرائیں، بے حرمتی کریں۔ اس ناپاک کمیٹی کے گندے افعال پر غور کرو۔ کیا ان مواقع کی موجودگی میں کوئی شخص تبلیغ و اشاعت کا متم باشان کام سرانجام دے سکتا ہے؟

لیکن آیت بالا میں نبی ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا کام جاری رکھیں، وعظ و نصیح اور بلاغ و انذار کا سلسلہ ٹوٹنے نہ دیں۔ رہا مسجونین کا رویہ اور طریق، اس کی بابت پیش گوئی کی جاتی ہے کہ ہم ان کو خود سمجھ لیں گے۔ اس پیش گوئی کے تحت میں مسجونین کے نام اور ہر ایک کا انجام پیش کر دیا جاتا ہے:

1	امیہ بن خلف	سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم توڑنے والا یہی شخص تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں نے اس راہی الکفر کو خاک و خون میں سلایا اور دارالبوار کو پانچ پایا
2	عاص بن داؤد	گدھے پر سوار تھا۔ ایک غار کے برابر پہنچا، گدھے نے ٹھوکر کھائی اور سر کے بل گڑھے میں اوندھا جا پڑا۔ وہاں ایک سخت زہریلا عقرب موجود تھا اس نے کاٹا، سوجن ہو گئی سر سرد کر مرا۔
3	نضر بن حارث	مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوا جو اس جماعت میں پیش پیش تھا۔
4	عتیب	جو اسود بن مطلب کا پوتا تھا۔
5	حارث بن زعمہ	جو عتیب کا چچیرا بھائی تھا
6	طیعمہ بن عدی	جو سخت بد زبان تھا۔
7	اسود بن مطلب	جو نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سویا۔ اٹھا تو سخت بے چین تھا۔ کہتا تھا کہ میری آنکھوں میں کانٹے چھبوتے جاتے ہیں۔
8	عاص بن منبہ	پہلے گدھے پر سوار تھا۔ طائف کی راہ میں کانٹا لگا۔ اسی کے زہر سے ہلاک ہوا۔
9	منبہ بن حجاج	اندھا ہوا۔ پھر ترپتا ہوا مر گیا۔
10	ابوقیس بن ناکہ	جو نبی ﷺ کی ایذا دہی کو اپنی راحت سمجھتا تھا
11	امیہ بن خلف	مشہور بد زبان تھا۔
12	ابوجہل	جو اس الا شرار تھا۔
13	عقبہ بن ابی معیط	جس نے حضور ﷺ کی گردن میں سجدہ کرتے وقت پسند اڑا۔

14	حارث بن قیس سہمی	پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا تھا جو اس کے منہ سے نکلا کرتا، اسی ذلت سے ہلاک ہوا۔
15	ولید بن مغیرہ	ایک خزاہی سوار کا نیزہ اٹل میں لگا۔ رگ جان کٹ گئی۔
16	ابوہب	عدرہ و طاعون میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا۔ دوستوں، عزیزوں نے بھی لاش کو ہاتھ نہ لگایا۔ کونٹھے پر چڑھ کر اس کے اقارب نے لاش پر اتنے پتھر پھینکے کہ لاش ان میں چھپ گیا اور یہی ڈھیر اس کی قبر بنا۔
17	اسود بن یغوث	باو سموم سے چہرہ چھلسا گیا۔ گھر آیا تو گھر والوں نے اسے شناخت نہ کیا۔ گھر سے باہر تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ زبان پیاس کے مارے دانستوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔
18	زہیر بن ابی امیہ	وہا کا لقمہ ہوا۔
19	مالک بن اطلالہ	لہو، رادھ کی قے آئی اور فوراً مر گیا۔
20	رکاز بن عبد یزید	بے کسی و نامرادی میں جان دے دی۔

غور کرو کہ پیش گوئی کتنے اشخاص کی ہلاکت پر مشتمل تھی اور پھر ہر ایک کا انجام کیسے عبرت بخش حالات کے ساتھ پورا ہوا واضح ہو کہ ذات ہمایوں نبی ﷺ کے متعلق دیگر آیات کو مضمون خصائص النبی ﷺ میں درج کیا گیا ہے۔

### قریش کے دشمن سرداران دوست بن جانے کی پیش گوئی

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوْدَّةً﴾ [الممتحنة: 7]

”عقرب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی قائم کر دے گا۔“

اس کے تحت میں بھی چند مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عسلی کا استعمال امر محبوب کی ترمیمی میں ہوتا ہے۔  
 ① عبد اللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ نبی ﷺ کا چچو پھیرا بھائی تھا مگر اسلام کا اتنا سخت مخالف کہ حضور ﷺ سے اس نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ اے محمد ﷺ اگر تو زیندہ لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جائے اور میری آنکھوں کے سامنے سے اترے، تیرے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں اور وہ تیری نبوت و صداقت کی شہادت بھی دیں تب بھی میں ایمان نہ لاؤں گا۔ ②

یہی عبد اللہ بن مغیرہ نے حضور ﷺ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عسلی کا استعمال امر محبوب کی ترمیمی میں ہوتا ہے۔ اہل خبرت اندازہ کریں کہ عبد اللہ نے ضرور وہ کچھ دیکھا جو آسمان پر زیندہ لگا کر چڑھنے اترنے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر تھا۔ ②  
 ② ثمامہ بن اخیال نجد کا فرماں روا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا شہر، حضور ﷺ کا لایا ہوا دین، حضور ﷺ کا وجود باوجود اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت تھے۔ وہ مدینہ میں صرف تین دن محبوس رہا۔ جس روز آزاد ہوا، اسی روز بصدول و جان حضور ﷺ کا فریفتہ و شیدا ہو گیا۔ قید کیا ہوا کہ محبت کا صید بن گیا۔ ③

③ عمرو بن العاص اسلام کی مخالفت میں اتنا چالاک تھا کہ قریش نے دربار نجاشی میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تا کہ مہاجرین پناہ گزین چشم کو

① الہدایۃ و النہایۃ: 51/3 ② اسد الغابہ: 176/3، اصابہ: 4561، الاستیعاب: 1482 ③ بخاری: 4372، اصابہ: 4561، الاستیعاب: 482

اکسٹراڈیشن (Extradition) ملازموں کی طرح حاصل کر کے واپس لائے۔ وہی چند سال کے بعد گردن جھکائے، حیات آنکھوں کو قدموں پر جمائے حاضر ہوتا ہے اور بعد ازاں مبلغ اسلام بن کر جاتا ہے اور ملک عثمان کے داخل اسلام ہو جانے کی بشارت لے کر حضور نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا ہے۔ ملک مصر کا فاتح اول بنتا ہے۔<sup>(1)</sup>

(4) ابوسفیان صحرا بن حرب نے احد غزوہ سویق، احزاب وغیرہ میں مسلمانوں پر حملے کیے۔ بھاری فوجیں لایا۔ مگر وہی اسلام میں داخل ہو کر قندہ وارتہ اوس میں ثابت قدم رہ کر فتوحات شام وغیرہ میں نہایت کارگزار ثابت ہوا۔<sup>(2)</sup>

(5) ابوسفیان بن حارث نبی ﷺ کا چچیرا بھائی، شاعر، زبان آور شروع شروع میں اسلام اور مسلمین کی بھج میں شعر کہا کرتا۔ پھر یہ ہدایت ربانی حاضر ہونا اور ابوسفیان سید قطیان اہل الجزیرہ کے خطاب سے مشرف ہوتا ہے۔<sup>(3)</sup>

(6) سبیل بن عمرو صلح حدیبیہ میں بھی کفار کی طرف سے کمشنر معاہدہ تھا۔ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان ہی کے خطبہ نے بعد از وفات نبوی ﷺ اہل مکہ کو استقامت و استقلال بخشا اور بالآخر شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔<sup>(4)</sup>

(7) نکرہ بن ابو جہل شروع میں اسلام کی مخالفت اور کفر کی محافظت میں باپ سے بھی آگے آگے تھا، لیکن جب سے نبی ﷺ کے حضور میں آنے کا موقع ملا کہ جان نثار اور عاشق زار بن گئے۔ فتوحات میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے یہی دست و بازو ہوتے اور دو ہزار کفار پر اسیلے بھاری کبھے جاتے۔<sup>(5)</sup>

(8) حکیم بن حزام قرشی اسدی ساٹھ (60) سال کفر میں پورے کیے، بدر میں مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا حصہ لیا۔ پھر اسلام لائے اور ساٹھ (60) سال اسلام کی خدمت میں پورے کیے۔ ایک حج کے موقع پر ایک سو (100) اونٹ اور ایک ہزار (1000) بکرے قربانی کیے اور ایک سو (100) غلام آزاد کیے۔<sup>(6)</sup>

(9) عبد یاسیل ثقفی جب نبی ﷺ کوہ طائف پر تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے لڑکوں، غلاموں، اوباشوں کو حضور ﷺ پر پتھر، کچڑ، پھینکے کے لیے مقرر کیا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد یہ خود مع حج مرداران قریش مدینہ میں حاضر ہوا، ایمان لاتا اور اپنی قوم میں مبلغ بن کر جاتا ہے اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو جاتا ہے۔<sup>(7)</sup>

(10) بریدہ بن الحصب اسلمی کفار قریش کے انعام صمد (100) شتر کی خبر پاتا اور ستر (70) سوار ساتھ لے کر نبی ﷺ کو زندہ پکڑ لانے یا ہلاک کرنے کا عزم کر کے گھر سے روانہ ہو جاتا ہے مگر جب آپ کی آنکھ حضور ﷺ کے چہرہ پر نور پر پڑتی ہے اور کان میں آواز دہنواز آتی ہے تو اپنی پکڑی کو اپنے نیزہ پر باندھ کر حضور ﷺ کا نشان بردار بن جاتا ہے اور غلامانہ ہمرکاب ہو کر آگے آگے چلتا ہے۔<sup>(8)</sup> ایسی مثالیں سنگتوں کی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت بالا اپنی پیش گوئی میں کتنی وسیع اور کس قدر سچی ہے۔ سینکڑوں کے جذبات قلب اور ان کے انجام کی اطلاع دینا رب العزت ہی کے کلام کا کام ہے۔

(1) تاریخ بخاری: 303/6، تاریخ الاسلام للذہبی: 235/3، اسد الغابہ: 232/4، (2) مسلم: 4622، 4624، ابن حبان: 4760، ابوداؤد: 3022، مسند احمد: 538/2، دلائل النبوة للبخاری: 56/5، اسد الغابہ: 144/6، (3) سیر اعلام النبویہ: 88/3، اسد الغابہ: 142/6، مجمع الزوائد: 146/6، (4) اسد الغابہ: 585/2، تاریخ الاسلام: 26/2، شذرات الذهب: 30/1، (5) موطا: 46، تاریخ الطبری: 63/3، اسد الغابہ: 67/4، طبقات: 329/5، (6) تاریخ البخاری: 411/3، جمہورہ: 145/1، دلائل النبوة للذہبی: 121، تاریخ الاسلام: 277/2، اسد الغابہ: 58/2، (7) تاریخ الطبری: 345/2، ابن ہشام: 68/2، ابوداؤد: 3026، سیر اعلام النبویہ: 145/1، دلائل النبوة للذہبی: 103/1، (8) سیر اعلام النبویہ: 168/1

پیش گوئی کہ کفار مکہ جو مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں

خود ان کو استحقاقاً داخل کعبہ ہونے کا حق نہ رہے گا

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ [البقرة: 114]

”جو لوگ اللہ کی مسجدوں میں ذکر الہی کیے جانے سے روکتے ہیں اور مسجدوں کی بے رونقی میں سعی کرتے ہیں، ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ ان کو حق نہیں کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ڈرتے۔“

مشرک کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کا اعلان سید الحاج ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 9ھ میں کیا اور آج تک یہی حکم برابر جاری ہے۔ جو لوگ اسلامی لباس سے ملہس ہو کر وہاں جاتے بھی ہیں ان کی جان ہر وقت خوف و خطر میں رہتی ہے۔

جملہ کفار عرب کے لیے پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے اور خود رسوا ہوں گے

﴿وَاعْلَمُوا أَنكُم غَيْرُ مَعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخَيِّرُ الْكَافِرِينَ﴾ [آیہ: 2]

”یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہرا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرے گا۔“

یہ آیت اس وقت کی ہے جب تمام معاہدہ شکن کفار کے نام چار (4) مہینے کا الٹی ٹیم دے دیا گیا تھا۔ خیال ہو سکتا تھا کہ اکیلے مسلمان اس قدر قبائل و اقوام کے نام بیک پارٹی الٹی ٹیم دے رہے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے بطور پیش گوئی دو امور کا انکشاف فرمایا:

- ① کفار باوجود اپنی قوت و طاقت اور افزونی تعداد و فیروہ کے بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں گے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہار کو اپنی ہار بنایا۔ کیوں کہ کفار کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ دین الہی اور الہی بغض کی وجہ سے تھی۔
  - ② کفار کو ایسی شکستیں ہوں گی کہ وہ اس روز ذلیل ہو جائیں گے۔ آج تک وہ عرب میں بڑے بہادر، بڑے جنگجو اور انتقام گیر سمجھے جاتے تھے۔ مگر مسلمانوں کے سامنے آتے ہی ان کی شجاعت و بہادری کا پوئل کھل جائے گا اور وہ سارے ملک میں رسوا و ذلیل ہو جائیں گے۔
- قبائل بنو اسد و بنو غسان و بنو غطفان وغیرہ کی حملہ آوریوں کا حال مع ان کے انجام کے پڑھو۔ دونوں پیش گوئیوں کا ظہور بخوبی واضح ہو جائے گا۔

دوسری پیش گوئی

مشرکین عرب کے مرعوب کیے جانے اور مسلمانوں پر ان کے حملہ آور نہ ہونے کی پیش گوئی

﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾ [آل عمران: 151]

”ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیوں کہ یہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے رہے ہیں اور شریک دو چیز ہے جس کی

تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں۔“

مسلمانوں کے ساتھ عہد نبوی ﷺ میں جو مختصر لڑائی جھگڑے ہوئے وہ صرف قریش یا قریش کی معاہدات و اقوام کی طرف سے تھے، جن میں دشمنوں کو ناکامی ہوئی۔ مندرجہ بالا قبائل ایک ایک، دو دو یا مقابل ہوئے اور جو قبیلہ مقابلہ میں آیا اسے پھر نبرد آزمانی کی جرأت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ سات (7) سال کے عہد قلیل میں تمام ملک میں امن و امان ہو گیا۔

وہ قبائل جو گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے بدکا دینے پر پچاس پچاس برس تک لڑائی جاری رکھتے تھے اور لڑائی کو معمولی مشغلہ سے بڑھ کر کچھ نہ سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے سامنے ایسے مرحوم ہو گئے تھے کہ کبھی ان کے خلاف نہ اٹھے۔

بلکہ جنگ آور قبائل سے عہد نامے توڑ توڑ کر مسلمانوں کی مخالفت سے دست بردار ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس پیش گوئی کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دل میں رعب ڈال دیا تھا، بے شک ایسے ملک میں جس کے خمیر ہی میں خون ریزی اور غارت گری تھی، یہ غلطی ہی، یہ خاموشی صرف قدرت ربانی ہی کا نمونہ تھی۔

### اہل مکہ کے خلاف دو (2) پیش گوئیاں

1] ان کے مصارف ان کے لیے سرمایہ حسرت بنیں گے۔

2] اور وہ سب مغلوب ہوں گے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾ [الأنفال: 36]

”کافراں کے لیے زرہ مال صرف کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں، ہاں وہ کچھ عرصہ تک اس طرح خرچ کیا کریں گے۔ پھر یہ مصارف ان کے لیے موجب حسرت ہوں گے، پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے۔“

کفار کے انفاق زرہ کا اندازہ ایک غزوہ واحد کے مصارف سے ہو سکتا ہے، جس میں پچاس ہزار (50000) مشقال طلا اور ایک ہزار (1000) اونٹ چندہ میں جمع کیا گیا تھا۔

مزید برآں فوج کو ایک ایک دن کی دعوت ایک ایک سردار کی طرف سے دی جاتی تھی ان تمام کوششوں کا انجام حسرت و ناکامی اور اندوہ و حرمان ہی پر ہوا تھا کیوں کہ وہ اسلام کی ترقی کو روک سکے اور نہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو مرتد کر سکے، بلکہ انھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے رسوم آباءی اور ضلالت قدیم کو تباہ شدہ اور بلا کت زدہ دیکھ لیا تھا۔

### ابولہب کے متعلق پیش گوئی

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ ۚ وَمَا كَسَبَ ۚ سَيَصْلَىٰ نَارًا ۖ ذَاتَ لَهَبٍ﴾ [اللب: 1-3]

”ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو گیا۔ اس کا مال اور اس کی اولاد اس کے کچھ کام نہ آئی۔ وہ مستقبل قریب میں شعلہ والی آگ کا ایندھن بنے گا۔“

ابولہب نبی ﷺ کے دادا عبدالطلب کا بیٹا تھا۔ وہ حضور ﷺ کے سب سے پہلے کوہ صفا والے واعظ میں حاضر ہوا تھا۔ جب اس نے سنا کہ نبی ﷺ حیات بعد الموت کے اعتقاد کی تلقین کرتے اور اعمال پر آئندہ نتائج مرتب ہونے کی خبر دیتے ہیں تب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نبی ﷺ کی طرف اشارہ فرمیں کر کے کہا تھا: **لَكَ مَسَائِرُ النَّوْمِ الْهَذَا دَعَوْنَا** ﴿۱﴾ تجھے دن بھر تباہی رہے، تو نے ہم کو انہی ہاتھوں کے سنانے کے لیے بلایا تھا؟ نبی ﷺ تو سر پائے اور ہمہ تن غلیب تھے۔ حضور ﷺ نے تو اس فقرہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر غیرت الہیہ اپنے حبیب ﷺ کے خلاف ایسے الفاظ کی برداشت کیوں کر کر سکتی تھی؟ لہذا جواب میں خود اسی کے الفاظ اس پر لوٹا دیے گئے اور اس کے حسرتاں انجام کا اعلان بھی بطور پیش گوئی فرما دیا گیا۔ پیش گوئی تین امور پر مشتمل تھی:

﴿۱﴾ اسلام اور حضور ﷺ کے خلاف اس کی جملہ تدابیر تباہ ہوں گی۔

﴿۲﴾ اس کی اولاد اور اس کا مال اسے کچھ نفع نہ دے گا۔

﴿۳﴾ وہ خود آگ کا ایندھن بنے گا۔

ابولہب کے چار (4) بیٹے تھے۔ دو بحالت کفر باپ کے سامنے مرے، باپ کو ان سے کوئی فائدہ تو کیا پہنچتا، دونوں کا داغ، دل و جگر کو کباب بنا گیا۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی مشرف بہ اسلام ہوئے اور باپ کی امیدوں کے خلاف نکلے۔

ابولہب خود طاعون میں ہلاک ہوا۔ اہل عرب طاعون سے سخت خائف تھے۔ اس کی لاش کو گھر سے نہ اٹھایا گیا بلکہ چھت کھول کر ہی اوپر ہی سے اس قدر مٹی اور پتھر اس کے ناپاک چہرے پر پھینکے گئے کہ وہی اس کی گور بن گئی۔ یہ پیش گوئی جملہ کفار کی آنکھوں کے سامنے پندرہ (15) برس بعد از نزول آیت پوری ہوئی۔

پیش گوئی کہ ابولہب کی عورت بھی ذلیل موت سے مرے گی

﴿وَأَمْرًا أَنَّهُ حَمَالَةَ الْحَطَبِ ۖ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾ [المہلب: 4-5]

”اس کی عورت بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے، ہلاک ہوئی، اس کی گردن میں موج کی رسی ہوگی۔“

اس عورت کو نبی ﷺ سے عداوت شدید تھی۔ خود جنگل میں جاتی، کانٹے اکٹھے کرتی۔ رات کو نبی کریم ﷺ کی راہ میں بچھا دیتی تھی۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اس کی موت اسی طرح واقع ہوئی جس طرح کلام الہی میں ظاہر کی گئی تھی۔ سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود ستانے لگی۔ جب پھر چلنے کا ارادہ کیا تو اسی رسی کا جس سے لکڑیاں بندھی تھیں پھندا گردن میں پڑ گیا اور لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ کی طرف چالٹا۔ جس کے بوجھ کی وجہ سے وہ پھندا چھانسی بن گیا اور ہلاک ہو گئی، اس بدترین موت کی اطلاع کلام الہی میں پہلے سے دے دی گئی تھی۔ ﴿۱﴾

منافقین کے متعلق پیش گوئیاں

﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ [البقرہ: 74]

”تمام دنیا میں ان کا کوئی بھی کام بنانے والا یا ان کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔“



اسلام سے پیشتر عرب قبائل کو باہمی جنگوں میں سلطنت فارس یا سلطنت روما کی امداد مل جایا کرتی تھی لیکن جب منافقین کی نسبت اخراج مدینہ کی پیش گوئی فرمادی گئی تو یہ بھی بتا دیا گیا کہ اب کوئی سلطنت ان کی ذرا مدد نہ کر سکے گی۔  
راہب فائق نے جنگ احد میں شکست کھا کر سلطنت روما سے مسلمانوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کی بہت کوششیں کیں۔  
روما کے پادریوں سے بھی امداد حاصل کی، لیکن اسے کوئی بھی مدد نہ مل سکی۔  
جبلہ بن الاسخیم غسانی نے مرتد (بارد گرد عیسائی) بن جانے کے بعد دربار ہرقل کی برسوں حاضر باشی کی مگر مسلمانوں کے خلاف سلطنت سے کوئی امداد نہ لے سکا۔

یہی حال اکثر منافقین اسلام کا ہوا اور پیش گوئی اپنے الفاظ میں صحیح ثابت ہوئی۔

**پیش گوئی: منافقوں کو دگنی مار پڑے گی**

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ [التوبہ: 101]

”ہم ان کو یکے بعد دیگرے (دہرا) عذاب دیں گے اور بعد ازاں وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“  
یہ آیت ان منافقین کے متعلق ہے جو جہاد سے بلاوجہ پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے لیے عذاب اول یہ تھا کہ ان کو جھوٹے عذرات پیش کرنے کے لیے بہت سے جھوٹ بنانے پڑے اور وہ قوم و ملک کی نگاہ میں جھوٹے اور خدار ثابت ہوئے اور سب کی نظروں سے گر گئے۔ یہ اخلاقی عذاب سخت ہوتا ہے، کیوں کہ ضمیر انسانی ہر وقت اس کو ستا رہتا ہے۔ عذاب دوم اس مال و اولاد سے محرومی ہے جن کی محبت میں مبتلا ہو کر وہ تارک جہاد بنے تھے۔

دوئوں عذاب انہوں نے اپنی زندگی ہی میں چکھ لیے تھے۔ عذاب الیم جو تیسرا عذاب ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے۔

**پیش گوئی کہ منافقین خسران میں رہیں گے**

﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [البقرہ: 19]

”یہ شیطانوں کا لشکر والے ہیں اور شیطان کا لشکر ہی خسران زدہ ہوگا۔“

سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ پیش گوئی ان منافقین کی بابت ہے جو یہود کو پسند کرتے اور ان کے معاہدہ دوست بنے ہوئے تھے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ دشمنان الہی کے ساتھ تودد و اتحاد شیطان کا کام ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ضرور نقصان اٹھائیں گے۔ جنگ احزاب کے بعد منافقین جب نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے تھے یہ پیش گوئی ان پر صادق آئی۔

**پیش گوئی ان منافقین کے متعلق جو اہل اسلام میں رل مل گئے تھے**

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بتلایا کہ منافق کون لوگ ہیں، اور کہاں آباد ہیں:

﴿وَمِنْ اٰهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلٰى الْبِنٰقِ﴾ [التوبہ: 101]

”اہل مدینہ میں سے ایسے بھی ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔“

اس اخبار غیب میں مصلحت یہ تھی کہ ازمنہ مستقبلہ میں کوئی شخص محض اپنی ہی رائے یا ظنون یا خیال یا تعصب سے اصحاب

کرام اللہ کو بہت ندے سکے۔ پہلی شرط جو کسی کو منافق کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہاشمہ مدینہ ہو، کسی یمنی، تہامی، مکی، حضرمی وغیرہ ممالک کے صحابہ میں سے کسی پر بھی نفاق کا شبہ یا شائبہ یا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ اس میں علامت کے بعد یہ فرمایا۔

### پیش گوئی

﴿ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴾ [اعنکبوت: 3]

”اللہ تعالیٰ صادقوں کو اور کاذبوں کو الگ الگ کر دکھائے گا۔“

اس پیش گوئی کی تفسیر پھر ایک اور آیت میں فرمائی۔

﴿ لَئِن لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا تَقِفُوا أُخِذُوا وَقِيلَوا تَفْتِيلًا ﴾ [احزاب: 61]

”اگر منافق لوگ اور دل کے روگی اور جھوٹی افواہوں کے پھیلانے والے مدینہ میں باز نہ آئیں گے تو ہم رسول کو ان

کے خلاف کھڑا کریں گے اور پھر وہ مدینہ میں تھوڑے عرصہ کے سوار رسول کے پاس نہ رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہیں گے،

لعنت زدہ رہیں گے پھر جہاں جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح سے قتل کیے جائیں گے۔“

اس پیش گوئی میں منافقین کا انجام یہ بھی بتلایا گیا اور ان کے انجام کی مدت و ایام کا بھی تعین کیا گیا۔ یہ آیت سورہ احزاب کی

ہے۔ واقعہ احزاب 5ھ میں ہوا جس میں ابی بن سلول کی پارٹی کے تین سو (300) سے زیادہ منافق زندہ تھے۔ آیت میں بتلایا کہ ان سب

کا حیات پاک مصطفوی ﷺ کے اندر خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مدینہ سے نکال دیے جائیں گے اور یہاں سے جانے کے بعد ذلت و

خواری کے ساتھ قتل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قبل انہیں نبی اکرم ﷺ گرامی ترین ولد آدم چشم طاہرین کو نظارہ عالم سے بند

فرمائیں۔ حضور ﷺ نے دیکھ لیا کہ مدینہ ایسے اشرا سے بالکل پاک ہے۔ یہی راز تھا کہ 9ھ میں جب کہ حضور ﷺ نے حمیم

داری بنی نضیر کی حدیث کو سر منبر روایت فرمایا تھا۔ مدینہ کا نام ”طیبہ“ رکھ دیا تھا۔

پیش گوئی کی دوسری آیت مندرجہ ذیل پیش گوئیوں پر مشتمل ہے:

① ﴿ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ ﴾ [احزاب: 60] یعنی اللہ کا رسول ﷺ ان کے خلاف کارروائی کرے گا۔

② ﴿ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ﴾ [احزاب: 61] شہر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا زمانہ ان کو بہت کم ملے گا۔

③ ﴿ مَلْعُونِينَ ﴾ [احزاب: 61] ”وہ لعنت زدہ ہوں گے۔ ہر طرف سے ان پر پھینکا پڑے گی۔“

④ ﴿ أَيْنَمَا تَقِفُوا أُخِذُوا ﴾ [احزاب: 61] ”مدینہ سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں جائیں گے پکڑے جائیں گے۔“

⑤ ﴿ قَتِيلًا تَفْتِيلًا ﴾ [احزاب: 61] ”بدترین طریقہ سے قتل کیے جائیں گے۔“

تاریخ اسلام کے ماہر و واقف جانتے ہیں کہ منافقین مدینہ انہی پانچ (5) پیش گوئیوں کو پورا کرتے ہوئے برے انجام کے ساتھ

ختم ہوئے تھے۔



### مخلفین جہاد کے متعلق و وپیش گوئیاں

﴿قَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَكُونُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَإِنْ رَجَعْتَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُواكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۝﴾ [التوبة: 81-83]

”پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے ساتھ نہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں۔ انہوں نے برا سمجھا کہ اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور یہ بات کہی کہ گرمی میں لڑائی کے لیے نہ جاؤ۔ اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ سخت تر گرم ہے۔ اگر تم میں سمجھ ہے۔ ان کو چاہیے کہ تھوڑا نہیں اور بہت روئیں۔ یہ ان کے فعلوں کی جزا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے گا اور وہ آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہیں گے تو ان سے کہہ دینا کہ تم میری معیت میں کبھی بھی نہیں نکلو گے اور میری معیت میں کبھی بھی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کر سکو گے۔ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر خوش تھے۔ اس لیے اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔“

اس آیت میں ایسی قوم کا ذکر کیا، جنہوں نے موسم گرما میں نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا ترک کر دیا تھا۔ پھر پیش گوئی کے طور پر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر ان میں سے ایک گروہ بارگاہِ محمدی ﷺ میں حاضر ہوگا اور آئندہ شریکِ جہاد ہونے کی اجازت کا خواستگار ہوگا۔

اس کے ساتھ قطعی پیش گوئی کے الفاظ میں بتا دیا کہ اب ان لوگوں کو جہادِ ہمرکابِ نبوی ﷺ کا شرف نہ دیا جائے گا۔ اس واقعہ کو سورہ الفتح میں بھی بیان فرمایا ہے:

﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَى مَعَابِلِنَا لْتَأْخُذُواهَا نَدْرُونَ أَنِّي مُبَدِلُونَا أَن يَبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَبَدِّلُوا كَلِمَتَنَا قَالِ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۝﴾ [الفتح: 15]

”جب تم مغانم کے حاصل کرنے کو چلو گے، تب پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہم کو بھی ساتھ چلنے دیجیے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں، ان سے کہہ دیجیے، تم ہمارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتے۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی فرمادی ہے۔“

ہردو آیات سے زمانہ نزول آیات کا بخوبی تعین ہو جاتا ہے۔ سورہ الفتح کا نزول غزوہ حدیبیہ میں ہوا اور مغانم کثیرہ کا حصول خیبر سے شروع ہوا۔ لہذا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر ساتھ جانے سے انکار کیا تھا اور بعد ازاں خیبر وغیرہ میں وہی بزرگ گئے جو حدیبیہ میں تھے اور یہ مخلفین کبھی ہمرکابِ نبوی جہاد کرنے کا شرف نہ حاصل کر سکے۔ نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا زمانہ ان آیات سے قریباً پانچ سال بعد کا ہے۔ متعدد اقوام کے ہزاروں اشخاص کی نسبت ایسی پیش گوئی کا تعلق آئندہ کے سالہا سال سے ہو۔ رب العالمین ہی کے کلام میں ہو سکتی ہے۔

## دوسری پیش گوئی

﴿قُلْ لِلْمُحَلِّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ مَسْئَلَةٌ إِلَىٰ قَوْمِهِمْ أُولَىٰ بِأَنفُسِهِمْ تَقَاتَلُوا نَفْسَهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ ۚ فَإِنْ تَطَبَعُوا يُؤْتِكُمْ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ [التَّحْتِ 116]

”ان بادیہ نشینوں کو جو پیچھے رہنے والے ہیں کہہ دیجیے کہ تم کو آئندہ قریبی زمانہ میں ایک سخت جنگ جو قوم کے لیے بلا یا جائے گا۔ تم ان سے قتال کرو گے یا وہ فرمانبردار بن جائیں گے۔“

اگر تم نے (اس وقت) اطاعت کی تب تم کو اچھا اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی حکم سے منہ پھیرا، جیسے پہلے کر چکے ہو، تب تم کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت کو ہر دو آیات مندرجہ بالا کے ساتھ ملا کر پھر تہہ بر کرو۔

① تظلفین کو معیت رسول ﷺ سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔

② تظلفین کو بعد از رسول کریم ﷺ قریبی زمانہ میں دعوت جہاد دینے کے لیے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی۔

③ بطور پیش گوئی مقابلہ کے دشمن کی صفات جنگ جوئی وغیرہ بھی بتلا دی گئی۔

④ اس جنگ کا انجام قتال یا دشمن کی فرمانبرداری بھی بتلا دیا گیا۔

⑤ اس دعوت کی اطاعت پر اجر حسنة کا وعدہ۔

⑥ دعوت کی عدم تعمیل پر عذاب دردناک کی وعید۔

اب آپ عہد صدیقی رضی اللہ عنہما پر نگاہ ڈالیں، ان کی اس دعوت عام کے فرمان کو جسے واقف می نے لفظاً لفظاً نقل کیا ہے۔ پڑھیے اور پھر ان عسا کر کے نام معلوم کر لیجیے۔ جو خدمت صدیقی میں آئے تھے۔ قبائل اور شعوب کے نام پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اقوام تو وہی ہیں جن کو معیت رسول کریم ﷺ میں جہاد کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

پھر آپ دیکھیں گے کہ ان کو روم جیسی سلطنت (امپائر) کے مقابلہ میں روانہ کیا جاتا ہے جو نصف دنیا پر حکمران تھی، جو اپنی جنگ جوئی اور حرب وانی کا ثبوت ایران جیسی سلطنت کو جو نصف شرقی دنیا کی امپائر (دولت بزرگ) تھی، بھگت دے چکی تھی۔ جس کی فوجیں باقاعدہ اور منظم تھیں۔ جن کا نظام جنگ سب سے اعلیٰ تھا۔ جنہوں نے اپنی ہی ملکیت کے اندر رہ کر صرف مدافعت کرنی تھی اور ان بادیہ نشینوں نے اپنے ملک سے سینکڑوں میل آگے بڑھ کر جہاں رسد اور ذخائر جنگ کے وسائل بھی کھمل نہ تھے، حملہ کرنا تھا۔ نتیجہ وہی ہوا کہ قتال نے دشمن کا خاتمہ کر دیا اور رعایا نے مصالحت سے فائدہ حاصل کیا اور ہزار ہزار داخل اسلام بھی ہوئے۔ یہ آیت عرب اور شام میں ہونے والے انقلاب اور فتوحات اعراب اور روم کی آئندہ معاشرت و انجام کے متعلق نہایت صاف ہے۔

یہ آیت دعوت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی اطاعت الہی بتلاتی ہے اور عدم اطاعت پر وعید عذاب بتلاتی ہے۔ اجر حسنة کا لفظ نہ صرف آخرت کے لیے ہے بلکہ دنیا بھی اس میں شامل ہے اور یہ لفظ ایک مستقل پیش گوئی ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہما و فاروق رضی اللہ عنہما کے لشکروں میں شامل ہونے والے تمدن کے بلند ترین ارتقا پر پہنچ جائیں گے اور بائیں ہمدان کی امارت بھی خوبوں والی ہوگی۔

ایسی پیش گوئی کے تمام اجزاء کا اس طرح پورا ہونا جس کی تصدیق ملکوں اور قوموں کی تاریخ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہو۔  
قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

غزوات نبوی ﷺ میں سے خاص خاص غزوات کے متعلق تین پیش گوئیاں

غزوہ بدر کے متعلق

﴿وَإِذْ يَبْعُدُكُمْ اللَّهُ أَحَدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنهَذَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّا غَيْرُ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُجِزَّيَنَّكَ بِالْحَقِّ بِيَكْلِمَاتِهِ وَيَقَطِّعَ ذَاهِرَ الْكَافِرِينَ﴾ [الأنفال: 17]

”اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک تم کو ملے گا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تم کو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ حق کو اپنے حکم سے حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔“

غزوہ بدر میں ایسے مسلمان شامل تھے جو اچھی طرح سامان جنگ نہ بنا سکتے تھے لہذا ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی مدد بھیجے ایسے ہی دشمن کے ساتھ ہو جو غیر مسلح ہوتا کہ مقابلہ برابر کا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں کو سامنے لا ڈالا جو آلات حرب سے پورے طرح مسلح تھے۔ لڑائی کے لیے تیار ہو کر آٹھ منزل آگے بڑھ آئے تھے اور انہوں نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ ان کا مقصد مدینہ پرورش کرنا ہے۔ یہ تعداد میں بھی مسلمانوں سے سچتر زیادہ تھے۔ بظاہر مقابلہ کسی طرح نہ ہو سکتا تھا، لیکن رب الافواج کا کلام پورا ہوا۔ اہل حق کی فتح ہوتی اور کافروں کو ایسی رسوائی اور ذلت کی شکست ملی کی کفر کی جڑ کاٹ گئی۔ غزوہ بدر کے متعلق آیت ذیل میں بھی پیش گوئی ہے۔

﴿سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُؤَلِّقُونَ الذُّبُرَ﴾ [القر: 45] ”جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی۔“

صحیح بخاری میں عکرمہ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب کفار کو بدر میں شکست فاش ہوئی تب سمجھ گئے کہ اسی جماعت کی شکست کا اعلان آیت بالا میں فرمایا گیا تھا۔ [1] جس میں مہاجرین بیعت الرضوان کی بھی ایک پیش گوئی شامل ہے۔

غزوہ خیبر کی پیش گوئی

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَنْزَلَهُمْ فَهُمْ قَنُوقًا قَرِينًا﴾ [الفتح: 18]

”اللہ سب مومنوں سے خوشنود ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو جانچ لیا اور ان پر سکینہ و وقار نازل فرمایا اور فتح قریب کو ان کا انعام بنایا۔“

یہ آیت صلح حدیبیہ کی ہے۔ حدیبیہ میں مسلمانوں نے دیکھا کہ جو حق عبادت چار ہزار (4000) سال سے تمام دنیا کو بلا روک ٹوک حاصل تھا، یعنی بیت اللہ میں پہنچ کر عمرہ ادا کرنا اس سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے۔ جہاں کسی دشمن سے دشمن کو بھی گزند نہ پہنچایا جاتا تھا، جہاں باپ اور بیٹے کے قاتل کو بھی کوئی گرفتار نہ کرتا تھا، وہاں غلیل الرحمن علیہ السلام کے بچوں کو جانے سے اور سنت ابراہیمی علیہ السلام کے مطابق عبادت کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ لات و منات، عزی و ذوالحجودہ کے ماننے والے پتھروں، درختوں، سمورتیوں، استخوانوں پر ناک رگڑنے

والے ستارہ پرست، تثلیث پرست، دہریے، نفس پرست، خود پرست لوگ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے حرم کی سرزمین پر آتے جاتے ہیں لیکن ان اللہ کے بندوں کو جو احرام باندھے ہوئے ہدی، و بدن (قربانی کے جانور) ساتھ لائے ہوئے ہیں۔ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ یہی مصائب کچھ کم نہ تھے کہ اتنے میں ابو جندل آ جاتا ہے، پاؤں میں زنجیر لگی ہوئی ہے، جو گھسٹی آتی ہے۔ سانس پھولی ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ مکہ میں ان کو اس جرم میں قید کیا گیا تھا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ اب ان کو بھاگنے کا موقع ملا۔ لشکر اسلام میں پہنچ گئے ہیں۔ اس مظلوم کو حاصل کرنے کے لیے کفار نے کہا کہ وہ باہمی عارضی صلح کرنے پر رضامند ہیں بشرطیکہ ان کا یہ قیدی واپس کر دیا جائے۔

قومی فائدہ پر ایک شخص کی آزادی کو قربان کرنا پڑا۔ نبی ﷺ کے دیدار اور حضور ﷺ کی بشارت سے ابو جندل بھی اتنا شاد کام تھا کہ اسے پھر قید میں جانا کچھ گراں معلوم نہ ہوتا تھا۔ الغرض یہاں مسلمانوں کو اس قدر ضبط و صبر اور سکون و وقار و حلم کا نمونہ بنا پڑا کہ نزول سکینہ ربانی کے بغیر کوئی شخص ایسی دل شکن و روح فرسا حالتوں کو برداشت نہ کر سکتا۔ یہ بھی ایک امتحان تھا۔ اس میں کامیابی کے بعد اور مدینہ پہنچنے کے دو ہفتہ پیچھے حکم ہوا کہ یہی لوگ اور صرف یہی لوگ یہودان خیبر کے مقابلہ کو جائیں، وہ جنہوں نے گیا وہ ۱۱ قلعے مستحکم کر رکھے ہیں جو غنیمت و غیرہ آلات کا استعمال کرتے ہیں جس سے عرب بالکل ناواقف تھے۔ جنگ خیبر میں انہی مسلمانوں نے جلالت و بسالت، جواں مردی و شجاعت، فنون حرب سے واقفیت، مدافعت و پیش قدمی کے ایسے ایسے جوہر دکھائے۔ کھلے میدانوں کو اور چوڑی چوڑی خندقوں سے محصور قلعہ جات کو سنگین دیواروں، مضبوط حصاروں کو انہوں نے اس طرح جیت لیا کہ ان کے سامنے کوئی شے بھی نہ ٹھہر سکی۔

پیش گوئی بالا میں مسلمانوں کی دونوں صفات کا ذکر بتایا گیا ہے اور دنیا کو دکھلایا ہے کہ مسلمانوں نے جو علم و آلام اسلام میں برداشت کیے، ان میں لا چاری و معذوری کا اتنا دخل نہ تھا جتنا مسلمانوں کی اس قوت ارادی کا تھا کہ دین حقہ کے مقابلہ میں ہر ایک مصیبت کو شرح خاطر اور کشادہ روئی سے سہہ جانا ہی اشاعت دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ ورنہ بڑی سے بڑی قوم، حرب آزما قوم، زرو مال کی قوم قلعوں والی قوم (یہودی) کی ہستی بھی ان کے سامنے بچتی تھی۔

جس وقت نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے تھے اور ڈھائی سو (250) میل سفر کرنے اور مکہ کی سرحد پر پہنچ جانے کے بعد صرف پانچ میل دور سے واپس آ گئے تھے تو کفار نے اور سارے عرب نے مسلمانوں پر کیا رائے قائم کی ہوگی۔ یہی رائے ہو سکتی ہے کہ قریش کے سامنے یہ شکے بھوکے بے سرو سامان کر ہی کیا سکتے تھے، لیکن جب انہی لوگوں نے مدینہ سے آٹھ منزل دور جا کر خود سر، امن شکن، مایہ فساد، دشمن امن عامہ، مکاران یہود کو فتح کر لیا تھا تب کس حقیقت کا انکشاف ہوا ہوگا۔

یہی کہ ان لوگوں کا خضوع و خشوع صرف ازراہ تقویٰ ہے۔ ان لوگوں کا عجز و مسکنت صرف یہ تعمیل احکام دین حقہ ہے۔ یہ وہ شیر ہیں کہ جب تک ان کو نہ چھیڑا جائے تب تک کسی پر حملہ آور نہیں ہوتے۔ غرض یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور اہل ایمان کے دو مختلف و متضاد صفات کمال کو دکھلا کر پوری ہوئی۔

آیت بالا میں لفظ ﴿أَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ﴾ [سجہ: 18] مزید تدریجاً طلب ہے۔ سکینہ الہی کا فیضان یہ ہے کہ قلب کی حالت کبھی آئندہ بھی متزلزل نہ ہو۔ لہذا یہ ایک پیش گوئی ہے کہ بیعت رضوان والے ہی وہ با ایمان بزرگ ہیں جن کے ایمان میں کبھی متزلزل واقع نہ ہوگا۔

مسلمانوں پر یہ بڑے زور کا حملہ تھا۔ یہودی، قرشی، نجدی، کنانی وغیرہ سب ہی قبائل اس حملہ میں شامل ہو گئے تھے اور غضب یہ تھا کہ مدینہ کی آبادی کے اندر رہنے والے یہودی ان حملہ آوروں سے ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی کمزوریوں کی اطلاع اور ان تدابیر کی خبر لے کر پہلے دشمنوں کو پہنچا رہے تھے۔ مسلمانوں کے کلیجے منکوا رہے تھے اور کفار کی شوکت و قوت کو دیکھ کر گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔ اعداء کی فوج مختلف لشکروں کا مجموعہ تھی۔ ہر ایک لشکر حزب کہلاتا تھا اور مجموعہ کو چند کہتے تھے۔ کفار کو اپنے باہمی اتفاق اور مکمل ساز و سامان پر بڑے بڑے مغرور تھے۔ اب کلام اللہ سنو۔

ایک فوج ہے جو بہت سے لشکروں پر مشتمل ہے، اسے اسی جگہ ہزیمت ہوگی۔ فرمایا:

﴿ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرُونَ ۗ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴾ [التح: 44-45]

کیا دشمن یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب متفق ہو گئے اور سب چڑھ آئے ہیں، اس لیے فتح و نصرت ہماری ہوگی۔ مگر تم عنقریب دیکھ لو گے کہ تمام جمعیت ہزیمت کھائے گی اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

اس پیش گوئی کے مطابق یہ ہوا کہ نزول آیات سے پچیس (25) دن بعد محاصرہ رکھنے والے قبائل کی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور دو راتوں رات سب چپت (منتشر) ہو گئے اور اس واقعہ کے بعد پھر کسی غیر قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہودیوں اور منافقین کے معاہدات پر دو پیش گوئیاں

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْنَا مِنَ الْاَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَتُخْرِجَنَّ

مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ لَكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۗ وَاِنْ قُوْلُنَا لَنَنْصُرَنَّكُمْ ﴾ [احشر: 11]

”آپ نے منافقین کی حالت پر غور کیا جو اپنے بھائیوں کا فرائل کتاب سے کہہ رہے ہیں۔“

① اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔

② ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔

③ اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تم کو ضرور مدد دیں گے۔

اس معاہدہ پر پیش گوئی

﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَاَلَيْسَ فُوْتُلُوْا لَا يُنصَرُوْنَ لَهُمْ ﴾

”اللہ بتلاتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، اگر یہودی نکالے گئے، تب یہ منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر یہود سے

جنگ ہوئی تو منافق یہودیوں کو مدد نہیں دیں گے۔“ [احشر: 12]

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنو نضیر نکالے گئے اور منافقین نے نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ ان کو مدد دی۔

قرآن مجید نے یہ بھی بتلادیا تھا ﴿ وَاَلَيْسَ لَنْصُرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَانَ ثُمَّ لَّا يَنْصُرُوْنَ ﴾ [احشر: 12]

”کیا اگر منافقین ان یہودیوں کی مدد بھی کریں گے تب بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور پھر یہودیوں کو بھی مدد ملے گی۔“

غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر منافقین نے یہودی مدد بھی کی تھی، لیکن پھر بھی ہزبر ان اسلام کے سامنے سے بھاگنا ہی پڑا اور پہلا خر یہودیوں کے ساتھ منافقین کی طاقت و قوت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور پیش گوئی کا یہ آخری حصہ بھی پورا ہو گیا۔

یہودیوں کے کفر کی خبر اور ایسی قوم کے اسلام کی خبر (پیش گوئی) جو کبھی کفر نہ کرے گی

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْكُفْرَ وَالنُّجُومَ وَالنَّجْمَ وَالنُّجُومَ ۚ قَالُوا لَنْ نَكْفُرَ بِهَا هَلْؤَلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ﴾ [الانعام: 89]

”یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوم کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے انکار کریں گے تو ہم نے ایسی قوم کو تیار کر رکھا ہے جو کبھی انکار و کفر نہ کرے گی۔“

یہ آیت سورہ انعام کی ہے اور سورہ مذکورہ مکہ ہے جب کہ اسلام نے ابھی مکہ سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ پیشگوئی میں بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ سو و خور یہودی ایمان نہ لائیں گے تو کیا ہوا دیکھو وہ بڑے بڑے خود سر قبائل جو حکمران و مطلق العنانی میں صدیوں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے وہ آیا و قضا اور ربیعہ، مضر سب کے سب تیرے منقاد و مطیع ہونے والے ہیں۔ ۵۶:

شہر بن باذان ملک صنعاء

منذر بن سادی ملک البحرین

جنیر و عباد و فرزند ان جلدی، فرمانروان عمان

تیری اطاعت میں آنے والے ہیں۔

اسمہ نجاشی ملک حبشہ

اکیدر شاہ و و مہ الجندل

تیرے زیر فرمان ہونے والے ہیں۔

وہ ذی الکلاع حمیری جسے اس کی رعایا سجدہ کیا کرتی تھی اور جس کے جلو میں اس کے ایک ہزار (1000) غلام چلا کرتے تھے۔ وہ ذی ظلم، ذی زور، ذی مران، ذی عمرو، جو شاہان تاجدار تھے اور جن کے خاندانوں میں پشچاپشت سے تخت و تاج چلا آتا تھا۔ تیری خدمت میں کمر بستہ حاضر ہونے والے ہیں۔

ان شاہان تاجدار کے حالات کو پڑھو، جن کا علاقہ حجاز سے بڑا، جن کی فوج آنحضرت ﷺ کے حاضر باشاندگان بارگاہ سے بہت زیادہ تھی، جو نہ کسی کے رعب میں آنے والے تھے اور جن کو کوئی طمع و حرص مال و منال کی نہ تھی، جن کے علاقہ جات میں ملبضین اسلام کے سوا کبھی ایک مجاہد و غازی بھی نہ گیا تھا، کیوں کر خود بخود انشراح خاطر اور طوع کلی و رغبت طبعی سے مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ سب کچھ رب العالمین ہی کی قدرت کے کام تھے کہ ایک یتیم، بیوہ کا بچہ، کی ہیبت اس قدر چھا جاتی ہے کہ بادشاہ لرزہ بر اندام ہیں اور ایک خاک نشین سنگ بر شکم بستہ کی محبت و لوں میں اتنا قیام پکڑ لیتی ہے کہ سب کے سب جان و مال کو فرش راہ پاک کیسے ہوئے ہیں۔ ﴿ﷺ﴾



آیت میں لفظ و سگلتنا پر غور کرو، دہری پیش گوئی ہے۔ ادھر ان لوگوں کے دلوں کو منقاد کر دینے کی اور ادھر حضور قد اوابی و امی ﷺ کو یہ نظارہ دکھلا دینے کی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ ملک جو طلحہ فارس، بحر احمر، بحر روم اور کوہستان شام کے درمیان واقع ہے۔ سر تا سر ایک ہی کلمہ کا گویا۔ ایک ہی ملت کا شیدا۔ ایک ہی ذات قدسی صفات پر فدا اور ایک ہی دین فقیر پر عمل پیرا ہو گیا تھا۔ دیکھو پیش گوئی میں کتنی وسعت تھی اور کس صداقت کے ساتھ نزول آیات سے دس بارہ سال کے اندر اندر ہی نور گستر ہوئی۔

ارتداد اور مسلمانوں کی تعداد میں بیشی و افزونی کی پیش گوئی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ [المائدہ: ۵۴]

”اے ایمان والو! تم میں اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم کو لائے گا، جسے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ ایمان والوں کے لیے متواضع اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے ڈریں گے۔“

آیت میں بطور پیش گوئی بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی مرتد بھی ہو جایا کرے گا۔ پھر بطور پیش گوئی بتلایا کہ ایسے انفرادی نقصان کے وقت اللہ تعالیٰ بڑی بڑی قوموں کو گرویدہ اسلام فرما دے گا۔ اللہ کے ساتھ ان کے معاملات محبت و خلوص کے ہوں گے۔ اہل ایمان سے ان کے تعلقات متواضع و انکسار کے ہوں گے۔

دشمنان دین کے ساتھ وہ غلبہ و فتح و عزت و نصرت کا کرشمہ دکھلائیں گے۔ وہ دنیا کی جمہوری تعریف یا جمہوری جھوٹے بالاتر ہوں گے اور عملاً و فعلاً اللہ کی راہ میں سرفروش و جان نثار ہوں گے۔ اس آیت کا ابتدائے اسلام سے تا اس دم ہمیشہ ظہور صدق رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔

نبی ﷺ کے انتقال کے بعد مسیلمہ کذاب اٹھا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ ہو گئے ان کا ارتداد بھی نرا لاقہا۔ مسیلمہ اور اس کے اتباع سب کے سب دبی زبان سے نبوت محمدیہ ﷺ کا اقرار کرتے تھے مگر مسیلمہ کے لیے بھی نبوت ثابت کرتے تھے۔ اس قوم کے اندر شامہ بن اعلیٰ اٹھی اور ان کے اتباع میں ایسے موجود تھے جو مرتدین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے اور انھوں نے قومیت یا قرابت کا ذرا لحاظ نہیں کیا۔

اسوہ ظہری نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے فیروز اور ذاذویہ کو جو قاری النسل اور صاحب فضل و کمال ہیں، کھڑا کر دیا، جنھوں نے اس کی تمام شوکت و قوت کو خاک میں ملا دیا۔

طلحہ و سجاح نے بھی دعویٰ نبوت کیا اور اسی اطراف کی اقوام و قبائل نے ان کو ایسا سیدھا بتایا کہ بالآخر ارتداد سے توبہ کر کے داخل اطاعت اسلام ہو گئے اور پھر کبھی خدمت اسلام میں کوتاہی نہ کی۔

ملوک بنی امیہ کا ظلم و جور بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اہل خراسان کو اٹھایا اور انھوں نے ان کی سلطنت کو تہ و بالا کر ڈالا جس کا نتیجہ عباسیوں کا صاحب و حکیم و اورنگ ہونا نکلا۔

عباسیوں نے جہاد میں تعاون کیا تو اللہ تعالیٰ نے سلاطین اندلس کو مغرب میں آل بو یوسف و آل ہنگلمین کو مشرق میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کھڑ کر دیا۔

تجارتی بغداد میں خود مسلمانوں نے کفار کا ساتھ دیا اور ترکان خونخوار کے ہاتھوں سے اس عروس البلاد کو غارت کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس قوم ترک میں اسلام داخل کر دیا۔

وہ ترک جنہوں نے بغداد کو ایسا تباہ کیا تھا کہ شہر کی گلیاں خون سے رنگین اور دریائے دجلہ قلمی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ تھا۔ یورپ میں جو اسلام کا جھنڈا قائم کرنے والے ثابت ہوئے۔ وہی خادم حرمین شریفین کہلانے کو سلطان بن سلطان کہلانے سے زیادہ فخر کرنے والے ٹھہرے۔

آریہ نے ملکاتہ میں شدھی کا رواج دیا اور کچھ مسلمانوں کو مرتد بنایا تو خود انہی میں سے کنور عبدالوہاب خان جیسے اٹھے جنہوں نے ہندو نما لوگوں میں اسلام پھیلایا۔

شخص الاسلام محمد امین و خالد لطیف گابا جیسے ہندو پیرسڑوں اور تعلیم یافتہ لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا اور خود آریہ کے مبلغین نے آگرہ وغیرہ کے علماء کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کی۔

یورپ میں کنگ جارج (King George) کے قریبی بھائی سر جارج ہملٹن (Sir George Hamilton) نے اظہار اسلام فرمایا اور اس طرح پر اسلام تخت انگلستان کے قریب تر پہنچ گیا۔

لارڈ ہیڈلی (Lord Headly) محمد پکٹھال (Muhammad Pickthall) خالد شیلڈر (Khalid Shilder) جیسے صاحبان علم و فضل حاشیہ برداران اسلام بنے۔

نئی دہلی کے رقبہ میں اگر کوئی پرانی مسجد شہید ہوگئی تو دارالسلطنت فرانس کے شہر پیرس کے وسط میں مسجد جامع تیار بھی ہوگئی اور جرمنی شہر میں آٹھ ہزار (800) نمازیوں پر سایہ کرنے والی مسجد بھی رونق افزائے نضا بن گئی۔ شہر لندن (L) میں بھی مسجد کے لیے زمین حاصل کی جا چکی ہے اور تعمیر شروع ہونے والی ہے۔

ملکانہ کے جاہل علاقہ میں چند نفوس نے اسلام چھوڑا تو چین و افریقہ کے ممالک میں کئی گروہ مسلمانوں کا اضافہ بھی ہو گیا۔ قسطنطنیہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوئی۔

یہ جملہ برکات و آثار اور ترقی تعداد افزونی شمار و کثرت انوار اسی آیت مبارکہ کی پیش گوئی کے تحت میں محدود ہیں اور یہی حالت تا انجام دنیا برابر چلی جائے گی۔ ایک شخص کے مرتد ہونے سے دس داخل اسلام ہوں گے۔

لوگوں کا یہ بھرم بھی جاتا رہے گا کہ اگر ہم لوگ بھی غیروں کو اپنے دھرم میں شامل کر لیا کرتے تو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔

﴿وَاللّٰهُ مَبِيتٌ مُّبْدِيٌّ وَلَوْ كَفَرُوا لَكُنَّا مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [التفس: 8]

”حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں“

یہودیوں کے متعلق 9 پیش گوئیاں

﴿1﴾ یہودی مسلمانوں کا معمولی اذیت و آزار کے سوا اور کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور اگر مسلمانوں سے لڑائی میں مقابل ہوئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

﴿2﴾ یہ سعادت مسلمانان انگلستان کو حاصل ہو چکی ہے۔ الحمد للہ۔ اب صرف شہر لندن میں بے شمار مساجد علیہ اسلام کی نوید سے رہی ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز

﴿لَنْ يَنْصُرُوَكُمْ إِلَّا أَدَىٰ طَرَفًا وَإِنْ قَاتَلْتُمُوهُمْ يُؤَلِّمُكُمُ الْاَذْيَارَ نَمَّ لَا يَنْصُرُونَ﴾

یہودی پس پردہ سازشیں کرتے رہے، قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ خود چاسوسی کرتے رہے۔ بغاوت کرنے والوں کو چپکے چپکے روپیہ پیسے سے امداد اور سلاحت سے اعانت کرتے رہے۔ اس پر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو میدان میں نکل آئے۔ یہ لوگ فنون حرب سے زیادہ واقف تھے۔ سارے عرب میں آلات قلعہ شکن انہی کے پاس تھے۔ مخفیق کا استعمال صرف یہی لوگ جانتے تھے۔ اس لیے عرب کا ہر ایک قبیلہ ان سے دہتا تھا۔ ایسے لوگوں کی شکست فاش کی پیش گوئی ایسی تھی جس کا کفار کو ہرگز یقین نہ ہوتا تھا۔

لیکن اس باب تاریخ کے سامنے یہود ان قبیحانہ، بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر، فدک، تیام کے واقعات موجود ہیں ہر ایک کا انجام اسی پیشگوئی کے مطابق ہوا۔

آیت بالا میں تین پیش گوئیاں ہیں:

① ایذا دہی سے بڑھ کر وہ کوئی نقصان مسلمانوں کا نہ کر سکیں گے۔

② مقابلہ میں آئے تو کھلی شکست کھائیں گے۔

③ شکست کے بعد کوئی ان کی مدد کو بھی نہ کھڑا ہوگا۔

سینکڑوں میل کے بسنے والے متعدد قبائل پر ایسی زبردست پیش گوئی کا اعلان صرف وہی پروردگار عالم فرما سکتا ہے جو مشرق الارض اور مغرب ہما کا مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے۔ اسی کو فتح و نصرت عطا فرماتا ہے۔

② یہودی موت کی تمنا نہ کریں گے۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَ لَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ [البقرہ: 6-7]

”کہہ دو کہ اے یہود اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (موت کی آرزو کرو اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں۔“

یہود کا عام دعویٰ یہ تھا کہ ہم فرزند ان خدا ہیں اور ہم یرگزیدگان اللہ ہیں۔ قرآن نے بتلایا کہ اگر تم کو اس دعویٰ کی صداقت پر خود یقین ہے تو اپنے لیے موت کی دعا مانگو۔

یہ مسلم ہے کہ اولیاء ربانی کے لیے حیات دنیوی حجاب ہے۔ یہ حجاب اٹھ جائے تو دوست دوست کے وصال سے شاد کام بن جائے۔

عربی میں مثل ہے: الْمَوْتُ جَسْرٌ يُؤْصِلُ الْعَجِيبَ إِلَى الْعَجِيبِ موت وہ پل ہے جو عجیب کو عجیب سے ملا دیتا ہے۔

کسی ولی کی جانب سے تمنائے موت کے معنی عرضداشت وصال کے ہیں اور ایسی عرض و معروض کا بار بار پیش کرنا اور ہر بار

اس پر اصرار کرنا لوازم محبت و ولایت میں سے ہے۔

یہاں یہودیوں سے فرمایا گیا کہ ایک دفعہ ہی موت کی تمنا کا اظہار اپنی زبان سے کرو۔ اسکے بعد بطور پیش گوئی فرمایا کہ یہودی

ایسا بھی نہ کریں گے اور اس کی وجہ بھی بتلا دی کہ اگر چہ ایسے ایسے دعاوی کی لاف و گزاف ان لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ مگر اندر سے

دل پکڑا ہوا ہے۔ معاصی و سینات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما ہوا ہے۔ دل و دماغ پر افعال شنیعہ کا اتنا قبضہ ہے کہ موت سے نفرت ہے۔ خدا کے حضور میں جانے سے طبیعت گریز کرتی ہے۔

یہودی اگر سچے ہوتے تو قرآن کو جھٹلانے اور اپنے دعویٰ کی صداقت جتانے کے لیے یا مسلمانوں کو سنانے ہی کو ایک دفعہ کہہ دیتے کہ ”الہی موت دے“، لیکن یہ اخبار تو منجانب اللہ ہو چکا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس لیے اتنا لفظ کہتے ہوئے زبان پر قفل پڑ جاتا تھا۔ اور منہ پر مہر لگ جاتی تھی۔ اور ایسے موقع پر کافر و مشرک بھی یہودیوں کی ”خرد رگل مائدہ“ حالت کو دیکھ کر ہنس دیتے تھے۔

اس پیش گوئی کا مدعا یہ تھا کہ دنیا جہان کے سامنے یہودیوں کے جھوٹے ادعا (اولیاء و احباء اللہ ہونے) کی حقیقت کو ظاہر فرما دیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ اس صاحب جبروت اور ملک الموت کے حضور میں کسی آفریدہ و مخلوق کو بڑا بول بولنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہودیوں کے متعلق تیسری پیش گوئی

﴿ ضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ آيَةً مَا فَفَقُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَ حَبْلِ مِّنَ النَّاسِ ﴾ [آل عمران: 112]

”اور ڈال دی گئی ہے ان پر ذلت، جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں بجز اس کے کہ اللہ کی ذمہ داری سے رہیں یا لوگوں کی ذمہ داری سے رہیں۔“

اس آیت میں بتلایا گیا ہے:

- ① کہ آئندہ کو یہود دنیا میں ایک آزاد قوم کی شان سے آباد نہ رہ سکیں گے۔
- ② بتایا گیا ہے کہ وہ ذلت و مسکنت کا نشانہ رہیں گے یعنی ان کی اپنی سلطنت کوئی نہ ہوگی۔
- ③ بتایا گیا ہے کہ یا تو ان کو مسلمانوں کے ماتحت جزیہ گزار ہو کر رہنا پڑے گا۔ اس کو بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ فرمایا کیوں کہ ذمی قوم کو خود اللہ تعالیٰ نے حقوق عطا فرمائے ہیں۔
- ④ ہاں ان کو دیگر اقوام کا ٹیکس گزار و باج دہ ہو کر رہنا پڑے گا، جسے آیت بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ میں فرمایا ہے۔ گویا ایک آیت کے اندر چار پیش گوئیاں ہیں۔

اس آیت کے مابعد زمانہ پر نظر ڈالو، کیا کسی جگہ دنیا کے پردہ پر اس قوم کی آزاد حکومت قائم ہے؟ کیا ان لاکھوں کروڑوں میں ایک بھی شخص ایسا ہے جو غیر قوم کا ٹیکس گزار نہ ہو۔

ہاں! بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ترکی، ایران، مراکو، تیونس میں مسلمانوں کے ماتحت بطور جزیہ گزار پائے جاتے ہیں۔ اور بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا اثر یہ ہے کہ وہ روس و امریکہ، انگلستان و فرانس وغیرہ میں دیگر اقوام کے ماتحت آباد ہیں اور جملہ اقسام کے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ جنگ عظیم 1914-1918ء میں یہودیوں نے کروڑوں، اربوں روپیہ (تمہدین) کو اس لیے دیا کہ ان کی بھی ایک چھوٹے سے رقبہ پر آزاد سلطنت تسلیم کر لی جائے۔ ہر ایک قوم نے جو سینکڑوں من سونا ان سے لے رہی تھی سمجھ رکھا تھا کہ مفتوحہ علاقہ میں سے ان کی درخواست کو پورا کر دیا جائے گا۔

جب جنگ عظیم ختم ہو گئی اور ایٹم بم کا وقت آیا تو یہودیوں سے کہا گیا، وہ سب فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں اور وہاں کی حکم بردارانہ حکومت ان کو مل سکتی ہے۔

یہ شرط ابھی تک پورے طریق سے پوری نہیں ہوئی اور فلسطین کے سابقہ باشندوں نے ابھی تک یہودیوں کے تفوق کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ [1]

خیر قبیل کی صورت کو چھوڑ کر دیکھنا تو یہ ہے کہ یہودیوں کے سامنے کیا چیز پیش کی جاتی ہے؟ حکم بردارانہ حکومت! اب قرآن مجید کے الفاظ کو غور سے پڑھو کہ ﴿بِحَبْلِ مِنَ النَّاسِ﴾ کا لفظ کتنا وسیع پڑا ہوا ہے۔ ایک کتاب کی امیر کے پاس ہوتا ہے، اسے وہاں دودھ، گوشت سب کچھ ملتا ہے۔ ہاں گلے میں زنجیر بھی ڈال دی جاتی ہے تو کیا اس کا یہ رتبہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود کو ایک جی دست آزاد انسان سے برتر خیال کرنے لگے، صرف اس لیے کہ انسان کو ویسی غذا میسر نہیں جیسی مسٹر ڈاگ کو ملتی ہے۔

بعینہ یہی پوزیشن فلسطین میں یہودیوں کی قائم کی گئی ہے مگر بحبلِ مِنَ النَّاسِ کی زنجیر ضرور گلے میں پڑی رہے گی اور یہ وہ زبردست پیش گوئی ہے جس کے سامنے تمام یورپ کے وزراء و دل کی ڈپلومیسی بھی عاجز ہے۔

یہودیوں کے باہمی فرقوں کے اندر عداوت ابدی کی پیش گوئی

﴿فَأَعْرَبْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ [المائدہ: 14]

”ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک ڈال دیا“

اس وقت یہودیوں میں الگ الگ دو توراتیں ہیں۔ ایک تورات یونانی ہے اور دوسری سامریہ۔ ایک کتاب کے مقلد دوسری کتاب والے کو قطعی کافر جانتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بات کے روادار بھی نہیں۔ (قرآنی پیش گوئی کے مطابق یہ بعض یہ عداوت تا قیامت اس طرح قائم رہے گی)۔

عیسائیوں کے متعلق تین پیش گوئیاں

[1] عیسائی دنیا میں مال دنیوی سے متمتع رہیں گے

عیسائیوں کو دنیوی مال و متاع ملے گا۔ پھر آخرت میں ان کا پہلہ ہوگا۔

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ هُوَ الْعَلِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ ۙ بِهٰذَا اتَّفَقُوْا عَلٰى اَللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۗ قُلْ اِنَّ الْاٰدِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ الْكٰذِبَ لَا يَفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا لَكُمْ اَلَيْسَا مَرَجِعُهُمْ﴾ [بقرہ: 68-70]

”ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، اللہ تو اس سے پاک ہے اور وہ تو بے نیاز ہے۔ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملک ہے۔ کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے؟ یا اللہ کے خلاف بے علمی سے باتیں بناتے ہو۔ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کے خلاف جھوٹ کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ قلعہ نہ پائیں گے۔ دنیا میں ان کے لیے کچھ حصہ ہے پھر ان کی بازگشت ہماری جانب ہے۔“

[2] بد قسمتی سے مسلمانوں کی اپنی بائبل اور کوٹاہہ نبی سے آج اسرائیل جیسا ملک جوائین اور بیگانوں کی سازشوں سے دل مسلم پر بخیر کی طرح بیوست ہے۔

آیت بالا میں صاف پتا نصاریٰ کا ہے جو صحیح علیہ السلام کو امین اللہ کہتے ہیں اور انہی کی بابت ”متاع فی الدنیا“ فرمایا گیا ہے۔ عام لوگ جب نصاریٰ کی کثرت دولت اور فراوانی زر و مال کو دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ اس سہن پرست قوم اس قدر انضال و الطاف کیوں ہیں مگر آیت ربانی نے بتلا دیا کہ یہ نہ لطف ہے، نہ فضل ہے بلکہ ”متاع الدنیا“ ہے جس کے ساتھ لَا یُعْلَمُونَ لگا ہوا ہے۔ (یعنی فلاح و نجات سے محرومی) یہ تو ممکن ہے کہ کم بین، کوتاہ نظر لوگ اس دولت مندی کی تمنا کرنے لگیں اور قارون کے دیکھنے والوں کی طرح ﴿يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ﴾ [التقصص: 78] جو قارون کو دیا گیا کاش وہ ہمیں بھی مل جائے“ کہنے لگیں، لیکن کیا کوئی شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ قارون کی دولت مع انجام قارون اس کے حصہ میں آئے؟ یقیناً کوئی خرد مند ایسا پسند نہ کرے گا جس کے ساتھ فلاح اور نجات کی لٹی لگی ہو۔ خیر یہ بحث تو الگ ہے، اس وقت بہ اقتضائے مقام یہ لکھنا کافی ہے کہ نصاریٰ کے موجودہ قبول اور تعمیش کی پیش گوئی قرآن پاک میں موجود ہے اور یہی امر قرآن کے کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

﴿2﴾ دوسری پیش گوئی کہ عیسائیوں کے باہمی فرقوں میں ہمیشہ عداوت رہے گی

﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِنْهَا قَهُمُ قَنَسُوا حَقًّا مِمَّا دُكِرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ [المائدہ: 14]

”ان میں وہ بھی ہیں جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے عہد لیا، انہوں نے بڑا حصہ اس کا فراموش کر دیا ہم نے ان میں عداوت اور بغض کو قیامت تک کے لیے بھڑکا دیا۔“

رومی کیتھولک (Roman Catholic) اور پروٹسٹنٹ (Protestant)، یونی ٹرن (Unitern)، گریک (Greece) کے church) چرچ، آشین چرچ (Asian church)، انگلش چرچ (English church)، امریکن چرچ (American church) کے اختلافات اور بغض و عداوت اور تکفیر باہمی کے حالات جس شخص کو معلوم ہیں وہ آیت بالا کی تصدیق بخوبی کر سکتا ہے اور جان سکتا ہے کہ یہ کلام یقیناً منجانب اللہ ہے۔

﴿3﴾ تیسری پیش گوئی کہ نصاریٰ دربارہ مودت اہل اسلام سے

زیادہ تر قریب ہیں اور یہود و مشرک زیادہ دور و بعید ہیں

﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةَ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى﴾ [المائدہ: 83]

”اہل ایمان سے محبت میں قریب تر تو ان کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔“

عراق و شام کے عیسائیوں، احمہ، نجاشی، اکیدر، عدی بن حاتم، ابو مریم غسانی، وغیرہ حکمرانان ملک کا مطیع اسلام ہو جانا اسی پیش گوئی کے تحت میں تھا۔ آج بھی انگلستان و جرمنی اور امریکہ میں جس قدر اشاعت اور ترقی اسلام کی ہو رہی ہے وہ اسی آیت کے تحت میں ہے۔

سلطنت روما و ایران نیز قریش و اہل ایمان کے متعلق پیش گوئی جس میں دو پیش گوئیاں شامل ہیں

﴿أَلَمْ نَغْلِبِ الرُّومَ﴾ یعنی اذنی الأرض وَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيَغْلِبُونَ ﴿فِي بَضْعِ سِنِينَ﴾ لِلَّهِ

الْأَمْرُ مِنْ قَبْلِ وَ مِنْ بَعْدُ وَ يَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ﴿يَنْصُرِ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَ هُوَ الْعَزِيزُ

الرَّحِيمُ﴾ [الروم: 1-5]

”روما الارض کے قریب مغلوب ہو گیا ہے اور وہ مغلوبی کے بعد چند ہی سال میں غالب آ جائے گا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ اور اس روز مومنین بھی اللہ کی نصرت سے شاد ماں ہوں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے، وہی تو غلبہ و قدرت والا ہے اور وہی رحم کرنے والا ہے۔“

الارض سے مراد مصر کی زمین فلسطین ہے اور اونی الارض سے شام و ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے جہاں روما والوں کو خسرو پرویز نے شکست پر شکست دی تھی اور ان کو ان ممالک سے نیز مصر سے باہر نکال دیا تھا۔ کلام الہی میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ نو سال کے اندر اندر روما والے پھر ایران والوں پر غالب آ جائیں گے۔

یہ پیشین گوئی ان دنوں بالکل خلاف قیاس و گمان سمجھی جاتی تھی۔ اتنی بڑی شکست کے بعد ایسی فاتح قوم پر غالب آ جانا اور وہ بھی نو (9) سال کے اندر اندر اہل دنیا کو محال معلوم ہوتا تھا۔ لہذا ابی بن خلف نے اس آیت کو قرآن مجید کے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو مجبور کیا کہ اگر وہ صداقت قرآن پر اعتماد رکھتے ہیں تو شرط لگائیں۔ یہ واقعہ 8 نبوت کا ہے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کیوں کہ اسلام میں اس وقت تک شرط لگانے کی نہ ہوئی تھی۔

نزول آیات سے سات (7) سال بعد ایسا ہی ہوا۔ روما میں جو خانہ جنگی اور اندرونی بد نظمی ہو رہی تھی۔ وہ جزل ہرقل کے بادشاہ بن جانے سے جاتی رہی۔ روما والوں نے پھر از سر نو اپنے از دست رفتہ ممالک کو واپس حاصل کر لیا اور مصر و شام، فلسطین و ایشیائے کوچک پھر سلطنت قسطنطنیہ کے ماتحت ہو گئے۔

الفاظ قرآنیہ بشارت در بشارت پر مشتمل تھے۔ یعنی یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مومنین کو بھی اس روز نصرت الہی حاصل ہوگی۔ ایسا ہی ہوا۔ ادھر اہل کتاب نے آتش پرستوں پر فتح حاصل کی اور ادھر بدر کے میدان میں اہل توحید کو اہل شرک پر غلبہ تام حاصل ہوا۔ غور کرنا چاہیے کہ ایک سطر کی عبارت میں چار (4) قوموں اور چار (4) ملکوں اور عظیم الشان سلطنتوں کے متعلق کھلے لفظوں میں پیشین گوئی کرنا اور وہ بھی یہ تعین سن و سال۔ اور پھر اس کا ظاہری الفاظ میں پورا ہونا کیا انسانی علم یا انسانی قدرت کی حد و وسع ہے۔ ان پیشین گوئیوں سے قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

### فصل اول 1

قرآن مجید کا اخبار مستقبلہ کو بیان کرنا ہم نے بطور برہان پیش کیا ہے، اسی طرح قرآن پاک کا اخبار ماضیہ کو بیان کرنا بھی ایک زبردست دلیل اس کے کلام اللہ ہونے پر ہے۔

قوم ہود، قوم صالح کا تذکرہ کسی اسرائیلی صحیفے میں نہیں مگر قرآن پاک نے اسے بیان کیا۔ عا ورام، عاد و نبی کا ذکر بھی صرف قرآن مجید ہی نے سنایا، سبیل عرم کا واقعہ نہایت عظیم الشان تھا۔ اس کا بیان بھی فرقان مجید ہی میں ہے۔ فرعون کے فرق ہو جانے کے بعد مصر پر کچھ عرصہ تک اسرائیلیوں کی حکومت کا پتہ ﴿وَأَوْزَنَّا هَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ إِسْرَائِيْلَ﴾ (اشعراء: 59) قرآن پاک ہی کے بتانے سے لگا۔ ورنہ تورات اس سے خاموش ہے جیسا کہ مصر کی تاریخ مصر میں معجزات موسیٰ علیہ السلام کے وقوع سے ساکت ہے۔

سیدنا علیؑ اور اس کے کارناموں کا ذکر نہ روم کی ہسٹری میں ہے اور نہ یہ یہودی تحریروں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔  
یہ واقعہ کہ مریم صدیقہؑ کو بھی مدتوں تک تثلیث کا ایک اقنوم تسلیم کیا جاتا تھا، عیسائی نہیں مانتے تھے اور نہیں جانتے تھے۔  
قرآن مجید کے اعلام کے بعد جب عیسائی محققین نے اس کے لیے کدو کاوش کی، تب ان کو بیان قرآن کی صداقت کا علم ہوا۔  
خانہ کعبہ کی عمارت کا بطور مسجد دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونا اہل تاریخ سے پوشیدہ تھا، لیکن اب یہ واقعہ بالکل مسلم ہے۔  
قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہر ایک قوم میں اللہ کے رسول بھیجے گئے اور انھوں نے خود اسی قوم کی زبان میں تبلیغ فرمائی اور حجت الہی  
ان پر ختم کی۔ تمام مذاہب کے لیے ایک کنز مدفون تھا۔  
اور اسی لیے اسرائیلی پارسیوں کو جھٹلاتے تھے اور پارسی اسرائیلیوں کو اور پھر یہ دونوں مل کر اہل ہند کے کذب تھے اور اہل ہند ان  
دونوں کی تکذیب کرتے تھے۔

پھر یہ تینوں مل کر مصریوں کو جھوٹا بتاتے تھے اور مصری ان تینوں کا جھوٹا ہونا سچ سمجھتے تھے۔  
پھر یہ چاروں مل کر مشرق بعید چین و جاپان کو دروغ گو کہا کرتے تھے اور چین و جاپان ان چاروں کو۔  
اسی طرح کذب و دروغ اور بطلان کا سلسلہ ساری دنیا کو گھیرے ہوئے تھا۔ قرآن کریم ہی نے اس راز کا انکشاف کیا اور قوموں  
کو قوموں سے، ملکوں کو ملکوں سے قریب تر ہونے کا طریق بتایا۔ قرآن عظیم ہی نے اس سلسلہ کے ختم کر دیے جانے کی اطلاع دی اور سیدنا  
مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین ﷺ فرما کر اقوام عالم کو اس دعوت عامہ اور وحدت ملیہ اور اتحاد کلیہ کا سبق پڑھایا۔  
قرآن کریم کا نبی ﷺ کو خاتم النبیین فرمانا ہی تھا کہ یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں، ہندوؤں، مصریوں اور چینوں کے دل  
اور زبان پر محکم مہر لگ گئی اور اس اعلام کے بعد کسی نے کسی کو آس بانی کا سننے والا، سروش پر دانی سے گفتگو کرنے والا، وحی ربانی کا  
حاصل کرنے والا تسلیم نہیں کیا۔

اور یہی قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر دلائل بینہ سے قوی ترین دلیل ہے۔  
اب باب خصائص القرآن کو ختم کیا جاتا ہے اور قرآن پاک کی صرف ایک آیت اہل فکر و ہوش کے غور و تدبر کے لیے لکھ  
دی جاتی ہے۔

﴿ أَقَلَّ يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ [محمد: 24]  
”لوگ کیوں قرآن پر تدبیر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟“  
اللہم صلی علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم





## خصائص اسلام

### فصل نمبر 1: اسلام ہی دین التوحید ہے

آج دنیا پر صادق ہو گیا ہے کہ ہر ایک مذہب کی صداقت کا معیار اور اس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔ اب تو مناظرہ کے وقت بہت پرست بھی اپنے ٹھا کروں اور دیوتاؤں کو وساطت کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اہل تثلیث اور اہل ٹھو یہ بھی تثلیث و حثنیہ میں توحید ثابت کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ ویدانت والے بھی ”ودیتا ستی“ کہنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد اور وحید دین ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔

اسلام ظاہر کرتا ہے کہ جملہ انبیاء و رسل کی دعوت صرف واحد مسئلہ توحید کی طرف تھی:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ [الانبیاء: 25]

تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔

فرمایا:

﴿ وَاسْتَلِ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَعْمَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ الْهَيْةَ يَعْبُدُونَ ﴾ [الزخرف: 45]

”اپنے سے پہلے رسولوں کے حالات معلوم کرو کہ کیا ہم نے کبھی بھی اور کسی کو بھی ذات پاک رحمن کے سوا معبود ٹھہرایا ہے جس

کی عبادت لوگ کیا کریں۔“

اسلام ہی کی تعلیم ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ﴾ [النساء: 36]

”اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی ملاوٹ، آمیزش اور شریک نہ کرو۔“

توحید ہی کا بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِيَاءَ قَالُوا هُوَ الْوَلِيُّ ﴾ [الشورى: 9]

”کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو کارساز بنا لیا کہہ دو کہ کارساز صرف اللہ ہی ہے“

توحید حقیقت اور توحید قدرت کے متعلق فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْنَهُمْ الذُّبَابَ شَيْئًا لَا

يَسْتَفِيدُونَ مِنْهُ ضَعْفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ۗ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴾ [الحج: 73-74]

”اللہ کے سوا جن جن کو پکارتے ہیں وہ ایک کبھی بھی تو نہیں بنا سکیں گے خواہ وہ سب مل جل کر ہی ایسی کوشش کریں اور

اگر کبھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اس سے کچھ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ یہاں تو طالب و مطلوب دونوں رو جاتے

ہیں۔ ان لوگوں نے تو اللہ کو قدر و شان کے مطابق جاننا ہی نہیں۔ بے شک قدرت والا تو صرف اللہ ہی ہے۔“

آیات بالا پر غور و تدبر اور غور تعمق سے مکرر تانی کرنا واجب ہے کہ الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، ولایت اور قدرت کی صفات میں اللہ تعالیٰ کا واحد و وحید ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اسی ثبوت کے ساتھ ساتھ شرک جلی و خفی کی نفی فرمادی گئی ہے۔ یہ اسلام ہی کی توحید ہے، جس کا ثبوت کلام اللہ العزیز سے ملتا ہے اور جس کی تائید علم و عقل اور سمع سے ہر منزل ہر گام پر ہوتی ہے۔ یہ اسلام ہی کی توحید ہے جو فطرت صحیحہ اور عقل سلیم کے براہین سے مشید ہے اور جس کا مخاطب ہر ایک وہ قلب سلیم ہے جو روحانیت کی زندگی سے مستفیض ہے۔

اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی تثلیث کی طرح نہیں ہے جس کو پادری لوگ فہم سے بالاتر اور عقل سے بلند تر کہا کرتے ہیں اور جس پر بغیر سمجھنے کے ایمان لانے کو واجب بتایا کرتے ہیں۔ اسلام تو ابتدائے دعوت ہی میں ہر ایک انسان پر اپنی حجت اس طرح قائم فرماتا ہے۔

﴿ اَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَتَكُونْ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا اَوْ اِذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ [الحج: 46]

”کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہو جاتے ہیں، ہاں آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل جو سینہ کے اندر ہیں بے نور ہو جایا کرتے ہیں۔“

آیت بالا میں قلوب اور عقل، اذان اور سمع، البصار اور عقلی کے الفاظ موجود ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ اسلام سمع و بصر کو اور قلوب و بصیرت کو مخاطب ٹھہراتا اور ان ہی براہین پر اثبات توحید کے ایوان کو استوار کرتا ہے۔

اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل بیان کرنے میں توحید فی العبادۃ، توحید فی الاستغناء، توحید فی القدرة، توحید فی التصرف، توحید فی الذات، توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات قائم کیے اور ہر ایک عنوان کے تحت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی ﷺ کے ارشاد سے ان مسائل کو محکم و قوی بنایا۔ آیات ذیل پر پورے غور سے تدبر کرو تا کہ عنوانات بالا کے متعلق آپ کی معلومات میں وسعت پیدا ہو، ایمان بڑھے اور یقین ترقی پائے۔

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ [المائدہ: 4]

”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم صرف تجھ ہی سے استعانت چاہتے ہیں“

صاحب کشف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: وَتَقْدِيمُ الْمَفْعُولِ لِقَصْدِ الْاِخْتِصَارِ یعنی لفظ نَعْبُدُ اور لفظ نَسْتَعِينُ سے پہلے اِيَّاكَ لانے سے یہ فائدہ نکلا کہ عبودیت اور استعانت کا خاص اللہ ہی کے لیے ہونا ثابت ہو گیا۔ (1)

توحید فی الاستعانت کے متعلق سورہ یوسف میں ہے

﴿ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ ﴾ [یوسف: 118] ”صرف اللہ ہی ہے جس سے استعانت لی جائے۔“

سورہ انبیاء میں ہے:

﴿ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ ﴾ [الانبیاء: 112] ”ہمارا پروردگار ہی کمال رحمت والا ہے، اسی سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔“

حدیث شریف میں ہے:

﴿اللَّهُمَّ اغْنِنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ﴾ [1]

”اے اللہ! اپنے ذکر اور شکر کے لیے اور بہتر عبادت ادا کرنے پر میری مدد فرما۔“

توحید علم کے متعلق ملائکہ کا بیان ہے:

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ [البقرہ: 32]

”اے رب تو جملہ عیوب اور نقائص اور اوتاس سے پاک ہے، ہم کو علم نہیں، لیکن اتنا ہے جتنا تو نے ہم کو سکھلایا ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان میدان محشر میں جملہ مخلوق کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ ہوگا:

﴿تَعَلَّمْ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ [المائدہ: 116]

”جو میرے دل میں ہے اسے تو جانتا ہے اور جو تیری ذات کے اندر ہے اسے میں نہیں جانتا تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔“

﴿وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [الزمر: 85] ”قیامت کا علم تو اسی کے پاس ہے۔“

﴿إِنَّمَا أَنْزَلَ بِعِلْمِ اللَّهِ﴾ [یس: 14] ”یہ کلام تو اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے۔“

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ﴾ [الانعام: 59] ”علم غیب اسی کے پاس ہے۔“

﴿اللَّهُ تَعَالَىٰ كَمَا سَمِعْتَهُمْ يَسْمَعُونَ﴾ [الاعراف: 143] ”اللہ تعالیٰ کی سماعت ان کے سماعت سے بڑھ کر ہے۔“

ترکیب ذیل نظر آئے گی۔

علم قدیر، علم نبیر، علم حکیم، واسع علم، علم حلیم، المخلوق العظیم، عزیز علم، قیاح علم، سمیع علم، شاکر علم کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کمال علم کے ساتھ قدرت و خبرت، حکمت و وسعت، علم و خلق، عزت و فتح، جمع و شکر کے اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو علم ان صفات کے ساتھ ساتھ ہو وہ انسان و ملک کے علم سے (خواہ وہ انسان و فرشتہ کتنا ہی ذی علم کیوں نہ ہو) بسا ارفع و اعلیٰ ہے۔

توحید فی القدرت کی بابت آیات ذیل پر مبنی:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [قر: 49] ”ہم نے ہر ایک شے کو ایک اندازہ پر پیدا کیا۔“

﴿وَبَارَكْنَا فِيهَا وَالْقَدْرَ فِيهَا أَنْوَأْنَهَا﴾ [مہجہ: 10]

”اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں (رہنے والوں کی غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی“

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ﴾ [المومن: 18] ”ہم نے پانی اوپر سے حسب اندازہ نازل کیا۔“

﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [البقرہ: 284] ”اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔“

﴿وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذْ يَسَاءُ قَدِيرٌ﴾ [الشوری: 29]

”وہ جب چاہے گا تو اپنی قدرت سے سب مردہ جسموں کے گوشت پوست کو جمع فرمادے گا۔“

[1] ابوداؤد: 1527، مجمع الزوائد: 172/10، کنز العمال: 3865، 3457، عمل الیوم والعلیاء: 115

ان آیات میں دکھلایا گیا ہے کہ ہر شے کو ابتداء ہستی میں لانا پھر اس کے لیے قدر و اندازہ مقرر کرنا پھر اسے معدوم کر دینا، پھر اسے موجود کر دینا، اسی مالک کی قدرت کے اندر ہے۔ آسمان کی برکتوں اور زمین کی طاقتوں پر اس کی قدرت تسلط رکھتی ہے۔ مادہ اور روح اس کی مخلوق اور اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ فحش و کھلتی قوموں کا اقبال و ادبار زمانہ کا انقلاب، موسموں کا تغیر، جمادات و نباتات، حیوانات اور انسان و ملائکہ کے خواص و ماییت اور کوائف و احوال سب اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ یہ وہ قدرت کہ انسانوں کا جانا بچانا، قانون قدرت اس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ وہ قدرت ہے جسے انسانوں کے تجربات عادات محصور نہیں کر سکتے۔ اس صفت میں اسی مالک کو یکتائی وحدت حاصل ہے۔

توحید فی الذات والصفات کا بیان بھی بہت وسیع ہے۔ فرمایا:

﴿يَسِيءُ أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا﴾ [14:14]

”اللہ تو میں ہی ہوں، میں ہی معبود ہوں اور کوئی معبود نہیں۔“

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَالِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

”اللہ نے بتایا اور ملائکہ و اہل علم نے بھی ظاہر کیا کہ وہی اللہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی کا عدل و انصاف قائم ہے،

اسی کا معبود ہونا برحق ہے۔ دوسرے کا نہیں۔ وہی عزیز و ہی حکیم ہے۔“ [آل عمران: 18]

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ

وَإِنجِيلَ مِنْ قَبْلُ وَهُدًى لِلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ [آل عمران: 2-4]

”اللہ ہے، اس کے سوا اور تو کوئی بھی الٰہ نہیں۔ اسی نے محمد ﷺ پر کتاب کو حق کے ساتھ بھیجا۔ یہی کتاب اپنے سے پہلی

تعلیم کی تصدیق کرتی ہے۔ اس نے قبل ازیں تورات و انجیل کو نازل فرمایا کہ لوگوں کی راہنمائی ہو۔ اسی نے قرآن کو اتارا۔“

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [آل عمران: 6]

”وہی ہے جو انسان کی صورتیں ارحام میں اپنے منشا کے موافق بناتا ہے۔“

﴿تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطُّوْلِ﴾

”یہ کتاب اس اللہ نے اتاری جو قدرت اور علم والا ہے۔ وہ گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔ وہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ سخت عذاب اور جو دعو عطا والا ہے۔“ [المومن: 2-3]

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [المومن: 60]

”تمہارے پروردگار کا فرمودہ ہے کہ مجھے پکارو، مجھ سے مانگو، میں سنوں گا۔ میں قبول کروں گا۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لَتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾

”اللہ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے نفس کے لیے بنایا کہ تم اس میں آرام لو اور دن کو آنکھیں روشن کرنے والا بنایا۔

بے شک اللہ کے فضل و احسان انسان پر بہت ہیں۔“ [المومن: 61]

﴿ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ ﴾ [المومن: 62]

”اے لوگو! یہی اللہ ہے جو تمہاری پرورش کرنے والا ہے، وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔“  
﴿ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۖ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَبَارِكْهُ ۗ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ [المومن: 63-64]

”اللہ ہی ہے جس نے تمہارے رہنے کو زمین بنائی اور آسمان کو خیمہ بنایا، اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تم کو خوب رو بنایا، اسی نے تم کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ لوگو! تمہارا پروردگار یہی تو ہے۔ ہاں! اللہ بڑی برکتوں کا بخشنے والا ہے، وہی زندہ ہے، وہی سب کا معبود ہے اور کوئی معبود نہیں، لہذا تم اسی کی عبادت ساری سچائی کے ساتھ بالکل اسی کے بن کر کیا کرو، خوبی اور کمال اور وصف و جمال کی سب اقسام کا مالک وہی ہے جو تمام جہانوں کی پرورش فرماتا ہے۔“

﴿ لَا تَدْرِيكُهُ الْأَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۗ ﴾ [الانعام: 103]

”انسان کے حواس ظاہری و باطنی اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور وہ جملہ قوی کا ادراک رکھتا ہے۔“

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ [الشورى: 11-12]

”اس کی مثال جیسی بھی کوئی شے نہیں، وہ سب سے اور بصیر ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملک ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور اندازہ کا دیتا ہے وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔“

﴿ فَلَا تَضُرُّوهُ اللَّهُ الْأَمْثَالُ ۗ ﴾ [الحمل: 74]

”اللہ کے لیے کہاوتیں اور مثالیں نہ بیان کیا کرو۔“

﴿ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۖ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾ [البقرہ: 255]

”اللہ ہے، وہی معبود ہے اور کوئی نہیں۔ وہی زندہ و پائندہ ہے۔ اونگھ یا نیند کا اس پر اثر نہیں۔ آسمان اور زمین اور ان کی سب چیزیں اسی کی ہیں۔ کون ہے جو اس کے پاس شفاعت اذن کے بغیر کرے، وہ سب کی اگلی پچھلی حالتوں کو جانتا ہے۔ مگر مخلوق اس کے علم کا ذرا بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کا علم آسمان و زمین سے فراخ تر ہے، وہ آسمان و زمین کی حفاظت میں تھک نہیں جاتا۔ وہ سب سے بالاتر ہے اور سب سے بزرگ تر ہے۔“

﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۗ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ [الإخلاص: 1-4]

”بتا دو کہ وہ اللہ ہے، وہ اللہ ایک ہے، اللہ سب کی حاجات کو پورا کرنے والا ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اس کی کفو کا کوئی بھی نہیں۔“

قارئین! میں نے ان آیات کو جمع کر دیا ہے اگر ان کے معانی اور فوائد پر کچھ تحریر کیا جائے تو اس کے لیے کتاب ضخیم درکار ہے۔ تدبیر کرنے والے کو پتا لگ جائے گا کہ جو توحید اسلام سکھاتا ہے اور قرآن پیش کرتا ہے، وہ فلاسفوں کی توحید سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے، جو جو ہر عرض اور قدیم و حادث ہیولی اور مادہ کے متعلق الفاظ اور فرض اشکال کا مجموعہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات باقی ہی نہیں رہتی۔

نیز اسلامی توحید اس اعتقاد تجسم سے بھی بالاتر ہے، جس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ایک مجسم شے بتاتے ہیں اور اس اعتقاد تنزیہ سے بھی اعلیٰ ہے، جس میں لفظی صفات کو تقدیس کہا جاتا ہے۔

آیات قرآنیہ سے عرفان صحیح حاصل ہوتا ہے اور اسی عرفان سے قلب سلیم نور یقین سے منور ہو جاتا ہے۔ بیان توحید میں اسلام کا یہ اسلوب خاص خصوصیت رکھتا ہے۔

## فصل دوم 2

### اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے

① مذہب کا بحیثیت مذہب نمایاں جوہر یہ ہے کہ اس میں روحانیت موجود ہو، اگر کسی مذہب میں روحانیت موجود نہیں تو اسے مذہب کہنا غلط ہے، بلکہ وہ ایک سوسائٹی (Society) جمعیت ہے۔ دنیا میں جس قدر مذہب قدیم پائے گئے ہیں، ان میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں، جس نے روحانیت کی موجودگی کا دعویٰ نہ کیا ہو، عام اس سے کہ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح تھا، نیز قطع نظر اس سے کہ روحانیت کا مفہوم بھی درست سمجھا گیا یا نہیں۔

یہ مسلمہ ہے کہ انسان نام ہے روح و جسم کے مجموعہ کا۔ جسم کی ضروریات جسمانی اور مادی اشیاء میں پوری ہو جاتی ہیں، جن اشیاء پر ترقہ اور پیش، آسودگی و آرام، ناز و نعمت اور شادمانی و مسرت کے نام اہل دنیا استعمال کرتے ہیں۔ یہ جملہ اشیاء جسمانی ہوتی ہیں اور ان کے استعمال سے جو تملذ (لذت) حاصل ہوتا ہے، وہ بھی مادیت کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔

لہذا قابل غور یہ رہ جاتا ہے کہ روح کی شادمانی و مسرت کی اشیاء کیا ہیں اور کیوں کر حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس عنوان کے تحت میں ان لوگوں سے خطاب کی ضرورت نہیں، جو روح انسانی کے وجود سے منکر اور روحانیت سے قطعاً بے خبر ہیں، کیوں کہ ہمارا مقصد اسلام کو مذہب عالم کے سامنے پیش کرنا ہے، نہ کہ منکرین مذہب کے خیالات کی تنقید۔

① گوتم بدھ نے روحانیت کا ذکر صاف لفظوں میں نہیں کیا، وہ انسان یا روح انسان کے لیے صرف یہی اعلیٰ کمال تصور کرتا ہے کہ انسان دکھ سکھ کی بندشوں سے آزاد ہو جائے، اس کی تعلیم پر گہرا غور کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سبق اخلاق انسانی کے بیان سے آگے نہیں بڑھا۔

② سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں توحید کا بیان موجود ہے۔ اسی قدر جو ابتدائی مراتب ایمان کے لیے ضروری ہے۔ ان کی تعلیم میں رو شرک موجود ہے مگر اسی قدر جو شرک اعظم کے رو کے لیے ضروری ہے۔ بعد ازیں روحانیت کا ذکر نہیں کیا گیا، جس کی وجہ افراد امت کی پست فطرتی و دنیا طلبی تھی۔

③ واکو علیہ السلام کی زیور میں باب مناجات کھولا گیا ہے۔ بندہ کو اللہ کے حضور میں تضرع و زاری کا طریق سکھایا گیا ہے، لیکن ان

مناجاتوں میں نصرت اور فتح اور دشمن کی ہلاکت و خسران کو سب سے بڑا مدعا بنایا گیا ہے۔ اور چند مناجاتوں کے سوا باقی سب اسی رنگ میں رنگین ہیں۔

﴿سیدنا مسیح علیہ السلام﴾ نے آسمانی حکومت اور آسمانی بادشاہت کا لفظ سنایا۔ یہ الفاظ یقیناً روحانیت کا مظہر ہیں۔ حضور علیہ السلام نے سادے دل سے اپنے خالق کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ذکر کیا ہے، یہ خالص روحانیت کا سبق تھا، لیکن افسوس کہ سامعین کے عدم ذوق اور عدم وجدان اور فقدان تحمل و برداشت کی وجہ سے اس نیک استاد کو بھی یہی کہنا پڑا کہ اس مضمون کی تکمیل ”روح الحق“ فرمائے گا۔ (یومئذ 13-16)

﴿حدیث پاک میں روحانیت کی تعلیم کو ”الاحسان“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس مشہور و متواتر حدیث میں جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین نے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم نے روایت کی ہے، اس لفظ کے معنی یہ بتلائے گئے ہیں:

الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ تَعْبُدَكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ﴿۱﴾

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، پھر اس طرح کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اسی حدیث میں دو مقامات کا ذکر فرمایا گیا۔

ایک یہ کہ انسان خود کو ایسے مقامات پر پہنچائے کہ منظور نظر رحمت بن جائے۔

دوسرا بلند مقام یہ ہے کہ اس مقام پر متمسک ہو جائے کہ انوار عرفان کا ناظر ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ روحانیت کا مقصود یہ ہے کہ رابطہ قلب اور نسبت روح رب العالمین کے ساتھ درست اور صحیح ہو جائے اور اس مقصود کے حصول کا ذریعہ ”بندگی“ ہے۔

اس مقصود کی شرح اور حصول مقصود کی توضیح میں اسلام نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ اسی قدر زیادہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں دیگر

مذہب کے بیانات سوال یا جزارواں حصہ بھی نہیں سمجھے جاسکتے۔ لہذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ”اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے۔“

### عبودیت

اسلام نے عبودیت کا بیان نہایت وضاحت سے کیا ہے، کیوں کہ روحانیت کا عمل اسی بنیاد پر بلند ہوتا ہے۔

بتایا کہ عبودیت کے مظہر قلب اور زبان اور جوارح ہیں۔ اب مختصری تفصیل سنو:

﴿۱﴾ واجبات قلب پانچ ہیں:

﴿۱﴾ نیت: عبادت و عبادت میں فرق کرنا نیت کا کام ہے۔

مراتب عبادت کا تفاوت قائم کرنا نیت کا کام ہے۔

﴿۲﴾ اخلاص: اخلاص کا مدعا وحدت مطلوب ہے۔

﴿۳﴾ صدق: اس کا مدعا وحدت طلب ہے۔

﴿۴﴾ اتابرت: سعی کامل اور توجہ کامل کے ساتھ رجوع الی اللہ کا نام اتابرت ہے اور توجہ اسی کا پہلا رینہ ہے۔

5) محبت: حید القلب (دانہ دل) کی آبیاری محبت ہی سے کی جاتی ہے اور یہی ایک دانہ پھلتا اور پھولتا ہوا سات سات بالیاں بن جاتا ہے اور ایک بالی میں سو سو دانے بن جاتے ہیں۔

- 2) واجبات زبان پانچ ہیں:
- 1) وحدانیت و رسالت کی شہادت۔
- 2) دوام ذکر۔
- 3) التزام و عا: کسی مدعائے خاص کے لیے دعا کرنا اور شے ہے اور فرائض عبودیت کی ادائیگی کے لیے دعا کو لازم بنا لینا اور شے ہے، یہاں یہی صورت مقصود ہے۔
- 4) تبلیغ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی لفظ کے اندر شامل ہیں۔
- 5) تعلیم: ناواقف کو بتانا، نادان کو دانا بنانا، علوم شرعیہ کا پھیلانا۔
- 3) واجبات جوارح کی تفصیل غور سے دیکھو:
- 1) واجبات سمع: کلام اللہ اور حکم رسول اللہ ﷺ پر کان لگانا۔ نصیحت اور کلمہ حق کو غور سے سننا۔
- 2) واجبات بصر: کائنات کو عبرت و خبرت سے دیکھنا، بصارت و بصیرت سے کام لینا۔
- 3) واجبات ذوق: اکل حلال و حرام اور نیشلی چیزوں سے پرہیز۔
- 4) واجبات اعضاء: خضوع و خشوع۔
- 5) واجبات جسم: قلب کی اطاعت کرنا، ضمیر پاک کے خلاف کسی عضو سے کام نہ لینا۔ یہ سب پندرہ (15) اقسام ہیں اور انہی کے مجموعہ کا نام عبودیت ہے۔

## فنا و بقا

بیان روحانیت کے لیے ”فنا و بقا“ کی شرح بتلانا ضروری تھا۔ حدیث بالا میں جس اولین مقام ”قَسَاآءَ، يَسْرًاآءَ“ کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اسی کو اصطلاح صوفیہ میں مقام فنا کہتے ہیں۔ اس لفظ سے فنا لغوی مراد نہیں، بلکہ فنا سے مراد ماسوا کا زائل کرنا ہے اور انانیت سے غائب ہو کر شہود حق تک پہنچ جانا ہے۔ اسی فنا کے تحت میں توبہ، تذکرہ، ورع، زہد، اخبات، تجمل، خوف ورجا آ جاتا ہے۔ براہین بالا سے واضح ہے کہ اسلام مسئلہ توحید کے اثبات میں کائنات کے ایک ایک ذرہ کو انسان کے مشاہدہ اور غور و نظر و تدبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام ذوق سلیم اور وجدان صحیح کی راہ پر علم، عقل، تجربہ اور مشاہدہ کی مصائب کو روشن کرتا ہے، اور پھر اس راہ کے سالک کو مندرجہ ذیل منازل کی سیر کراتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَ الَّذِينَ تَقَوُّهُمْ﴾ [محمد: 17]

”اور جو ہدایت یاب ہیں اللہ ان کی ہدایت کو بڑھاتا ہے، اور انہیں تقویٰ عطا کرتا ہے۔“



﴿ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ [مريم: 76]

”ہدایت والوں کو ہدایت میں ترقی پر ترقی دیتا ہے۔“

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَأَدْنَاهُمْ إِيمَانًا ﴾ [البقرہ: 124]

”ایمان والوں کے ایمان میں افزونی بخشتا ہے۔“

اور بعد ازاں منزل مقصود پر پہنچا کر یہ بشارت عظمیٰ پہنچاتا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾ [النجم: 27-28]

”اے اطمینان یافتہ نفس اپنے رب کی طرف رجوع کر خوشی کے ساتھ اور بشارت کے ساتھ۔“

توحید کی ضد شرک ہے۔ رد شرک کے دلائل علیحدہ بیان فرمائے۔

﴿ لَوْ كَانُوا فِيهَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴾ [النجم: 22]

”اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی معبود ہوتا تو نہ زمین قائم رہتی نہ آسمان۔“

فرمایا:

﴿ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ﴾ [النجم: 24]

”کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی الہ بنا لیا ہے، ان سے کہہ دو کہ اس اعتقاد کے ثبوت میں کوئی برہان تو پیش کرو۔“

اسلام ہی تلاتا ہے کہ جملہ رسل کی اولین اور آخرین دعوت یہی کلمہ مبارک رہا ہے

﴿ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ﴾ [الاعراف: 65]

”اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔“

یہی وہ کلمہ مقدس ہے جو الوہیت رب العالمین کو دل میں قائم کر دیتا ہے اور یہی وہ کلمہ توحید ہے جو دل کو شرک سے پاک و

صاف بنا دیتا ہے۔

یہی وہ کلمہ ہے جو اثبات کو بقاعطا کرتا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جو نفی کو فنا دکھاتا ہے۔ اسی آیت اعراف میں چار بار سورۃ النعام میں

دو بار اور سورۃ آل عمران میں دہرایا گیا ہے۔

بیان توحید کے متعلق فرمایا گیا ہے:-

﴿ قُلْ أَغْبِرُ اللَّهَ اتَّخَذُ وَلِيًّا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [النعام: 14]

”ان سے پوچھو کیا آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والے اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں۔“

اب کیا اس کے سوا اور کسی کو ولی و کار ساز بنانے کی ضرورت رہ جاتی ہے، کیا کسی اور کو بھی دل کا مالک ٹھہرانے کی کوئی وجہ ہو سکتی

ہے، کیا میں ایسا کروں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

﴿ قُلْ أَغْبِرُ اللَّهَ اتَّخَذُ رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ [النعام: 164]

”ان سے پوچھو کہ اس رب کے سوا جو ہر ایک کی پرورش کرنے والا ہے کیا میں اور کی تلاش اپنا رب بنانے کے لیے کروں۔“

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾ [التقصص: 88]

”وہ اللہ جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کو مت پکارو۔ دیکھو ہر ایک شے موت و ہلاکت اور فنا والی ہے، صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو موت اور فنا سے برتر ہے۔“

غیر اللہ کو پکارنے والے خواہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور عزیر نبی علیہ السلام اور دیگر بزرگان کے پکارنے والے ہوں یا فرضی اور خیالی ویوتاؤں کے پکارنے والے ہوں اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ ان میں اور اللہ تعالیٰ میں ماہ الامتیا ذکر کیا ہے۔

وہ عیسائی جو تسلیم کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو پکڑا گیا، پھانسی پر لٹکایا گیا، قبر میں دفنایا گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے۔ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ مسلمان جو حسین علیہ السلام کی بابت تسلیم کرتا ہے کہ دو کربلا کے دشت میں گرسنہ و تشنہ ذبح کیے گئے۔ ان کے جسم پاک کی ٹاپاک خبیثوں نے بے حرمتی کی، ان پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ کرشن مہاراج جس نے اپنی راج دھانی کو اپنی آنکھوں سے لٹتے اور اجڑتے دیکھا، جس نے اسی اندوہ و غم میں اپنے آپ کو ہمالہ کی برف کا لقمہ بنایا، وہ کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔

وہ سدھارتھ گوتم جو بدھ (بمعنی بیدار) کے نام سے روشناس ہوا اور جس کی لاش نیپال کی ترائی میں بمقام کسن آراء جلانی گئی اور اس لاش کی راکھ آٹھ مختلف مقامات پر تقسیم کی گئی، جا کر ہر ایک جگہ یادگاری گنبد تیار کیے گئے کبھی بھگوا (لائق عبادت) اور آرمم (ذات پاک) نہیں ہو سکتا۔ ①

وہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو 28 صفر 11 ہجرت سے 12 ربیع الاول تک بیمار رہے۔ جنھوں نے 12 کی سہ پہر کو انتقال اور رفیق اعلیٰ سے وصال فرمایا جو 14 کو بعد مغرب کحد منور میں لٹائے گئے، جو شان علیا کے اعتبار سے امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ علامت تدفین و قبر کی وجہ سے کبھی معبود و معبود نہیں ہو سکتے۔ الغرض آیت بالا کے اس نشان واحد نے توحید کو نہایت محکم کر دیا ہے۔ رغبت تعظیم او امر و نواہی، تصفیہ و تہذیب، استقامت، صبر، تقویٰ، شہد، تسلیم، اخلاص، تواضع، فقر و غنا، تاسف و حزن اغتراب، غیبت شامل ہیں۔ ②

اور بقا کے تحت میں حیا، رضا، شکر، صدق، ایثار، فتوت، مروت، انیساط، ادب، انس، ذکر، علم، حکمت، تعظیم، سکن، طمانیت، غیرت، شوق، ذوق، شہود، سرور، تمکین، مکاشفہ، حیات بالعلم، حیات بالوجود، بسط، صحو، معرفت، یقین، صدق، تحقیق شامل ہیں۔ ان مقامات کی تعریف اور احوال کی تفصیل اور نفس و قلب و روح انسانی کے ساتھ ان کے ارتباط اور نتائج ارتباط اور ثمرات نتائج بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور باایں ہمہ علماء و عملا ان کی ماہیات لفاظی سے برتر اور احوال سے متعلق ہیں۔ اس مجمل ذکر سے قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ جس مذہب میں روحانیت کا اس قدر ذخیرہ وافر موجود ہے، اسی کو روحانی مذہب کہلانے کی شان حاصل ہے۔

① بدھ مذہب کا ہر ایک شخص بدھ کی مورتی کے سامنے پھول چڑھاتا ہے اور بدھ کی صفات و ثناء میں ایک منتر پائی زبان کا پڑھتا ہے، جس میں تقریباً 15 لفظ بدھ کے ٹاکے ہیں۔ بھگوا اور ہم بھی انہی الفاظ میں سے ہے۔

② تادہا کے تحت میں جن مقامات کا ذکر کر رہا گیا ہے ان کے الفاظ سے اشتہار نہیں ہونا چاہیے کہ ان سے مراد صرف لغوی معانی ہیں بلکہ علم الاحسان (اصول اسلامی) کے یہ مہم نظرات ہیں جن کے مفہوم و معانی سے اس علم کے علماء و ماہرین بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کا ثبوت اور استنباط ہوتا ہے۔

میں نے دقیق بحث چھوڑ دیے ہیں اور اس مختصر بیان ہی سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ روحانیت کے بیان میں اسلام ہی کو درجہ خاص حاصل ہے۔

### فصل سوم 3

## اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُعْتَمَدُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ وَمَخَاسِنَ الْأَعْمَالِ - ①

”میں بزرگ ترین اخلاق اور نیک ترین اعمال کی تکمیل کے لیے نبی بنا یا گیا ہوں۔“

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاقِ رذیلہ کے شیع چار ہیں:

□ جہل □ ظلم □ شہوت □ غضب

① تاثیراتِ جہل میں سے ہے کہ اچھی شے کو بری اور بری شے کو اچھی شکل میں نمایاں کرتا ہے۔ کمال کو نقص اور نقص کو کمال دکھاتا ہے۔

یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿أَصْبُ الْيَهُنَّ وَ أَمْكُنُ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ [یوسف: 33]

”اگر میں عورتوں کی باتوں میں پھنس گیا تو جاہل ہو جاؤں گا۔“

② تاثیراتِ ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔

خوشنودی کے مقام پر عقلی، سخاوت کے مقام پر بخل، بخل کے مقام پر بڈل۔ نرمی کے مقام پر سختی، سختی کے مقام پر نرمی، مقامِ انکسار پر تکبر اور مقامِ وقار پر انکسار یعنی حقوق کا غلط استعمال اور غلط استعمال پر دعویٰ استحقاق۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿إِنَّ الْبَشَرَ لَكُفَّارٌ لَّظُلْمٍ عَظِيمٍ﴾ [انہام: 13]

”حقوقِ الہی کا غصب کرنا اور ان حقوق کا استعمال دوسرے کے لیے جائز سمجھنا بزرگ ترین بہت بڑا ظلم ہے۔“

③ تاثیراتِ شہوت میں سے ہے کہ حرص، بخل اور تنگ دلی کو ترقی ہوتی ہے۔ حصہ غیر پر حملہ کیا جاتا ہے۔ وقار، نفس اور پارسائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: أَعْطَى كُلِّي ذِي حَقِّي حَقَّهُ ② ”اللہ نے ہر ایک حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔“

فرمایا: ﴿لَا تَقْرَبُوا الزَّيْفَةَ إِنَّهَا كَمِثْقَلِ ذَرَّةٍ فِي النَّارِ﴾ [ابن اسرائیل: 32]

”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت بری سڑک ہے۔“

④ تاثیرِ غضب سے تکبر، کینہ، حسد، بغاوت اور سفاقت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ اسے یہی جواب دیا:

غیظاً وغضباً سے دور رہو۔ ③

① سورۃ: 1904، 207/1، الدرر المنيرة في الاحاديث المشهورة للمسوطي: 58، مستدام: 381/2۔

② ابوداؤد: 2007، 2870، 3565، ترمذی: 2120، 2121، نسائی: 3641، 3642، احمد: 267/5، دارمی: 244/2، ابن حبان: 5689، احمد: 34/5۔

اسلام نے بتایا کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے چار ہیں:

صبر، عفت، شجاعت، عدل۔

- ① صبر کے نتائج ہیں: برداشت مصائب، غصہ نہ ہونا، عدم ایذا دہی، بردباری، خاکساری گھیرا ہٹ کا نہ ہونا، حملہ نہ کرنا۔ صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً نوے (90) مقامات پر ہے اور ان مقامات میں صبر کرو۔ سولہ (16) اصناف پر بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔ ② عفت کے نتائج: روزا کی وقاحت سے اجتناب، قولا و فعلاً پاکیزگی، عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر ایک خلق نیک پر ہے۔ عفت سے جھوٹ، بخل، اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔
- ③ شجاعت کے نتائج: آپ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، برترین اخلاق کا جو یا رہنا، مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا، طیش و غضب سے دور رہنا، اپنے نفس کی باگ عقل کے سپرد کر دینا۔

حدیث پاک ہے:

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ ④

”پہلو ان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے، پہلو ان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے۔“

④ عدل کے نتائج میں اعتدال اخلاق و افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط کو اختیار کر لینا۔

عدل بتاتا ہے کہ جو دو سخا سے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو ذلت و بے شرمی کا میانہ ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ شجاعت اسے کہتے ہیں جو چین اور تہور کا وسط ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ علم یہ ہے کہ تکبر و اہانت کے بیچ بیچ ہو۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ کے بیان میں کس قدر زیادہ حصہ لیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴾ [الاعراف: 199]

”معافی و درگزر کو عادت بناؤ، نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔“

حدیث پاک مسلم میں نواس بن سمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَكْبَرُ حُسْنِ الْخُلُقِ ① اچھے خلق ہی کا نام ”نیکلی“ ہے۔ صحیحین میں ہے:

يَجِيءُكُمْ أَحَابِسُكُمْ أَخْلَاقًا ② نیک اور بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

① مدارج السالکین: 2/152، بخاری: 6114، مسلم: 2609، ابن حبان: 717، احمد: 236/2، مسوطا: 3/98، مسلم: 2553، ترمذی: 2389، ابن حبان: 397، بخاری: 322/2، احمد: 182/2، بخاری: 3559، مسلم: 2321، ترمذی: 1975، ابن حبان: 477، احمد: 161/2

ترمذی و ابوداؤد نے ابودرداء رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:  
 مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقِي حَسَنٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَيُعْضُضُ الْفَاحِشَ الْيَدِيَّ ①  
 قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار شے اچھا خلق ہوگا، اس سے بڑھ کر کوئی شے بھاری نہ ہوگی۔ اللہ  
 تعالیٰ ہر ایک بے حیا، بد زبان سے بغض رکھتا ہے۔

ترمذی میں بروایت جابر رضی اللہ عنہما ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 إِنَّ مِنْ أَحْسَنِكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَبْتُمْ أَخْلَاقًا وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ  
 مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ التُّرَاوُونَ وَالْمُنْتَهِفُونَ ②  
 ”قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا جو اچھے اخلاق والا ہے مگر چبا  
 چبا کر باتیں بنانے والا، خوش کلامی جتانے والے اپنی خوش گپی سے دوسروں کو تھکا دینے والے مجھے ناپسند ہوں گے اور  
 دربار میں دور تر بھی ہوں گے۔“

صحیح ترمذی کی روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:  
 إِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةً صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ ③  
 ”اچھے خلق والا اس درجہ کو حاصل کر لیتا ہے، جو نفل عبادت اور نفل روزہ رکھنے والے کا ہوتا ہے۔“  
 ان احادیث سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ تکمیل ایمان اور قرب رسول ﷺ اور پسندیدگی مالک کے مدارج کے دار مدار  
 اخلاق حسنہ ہے۔

اخلاق حسنہ کے بیان میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا تعلق انسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے اور اہنائے جنس سے بھی ہے اور  
 رب العالمین کے ساتھ بھی۔

خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ آپ اپنے کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ  
 ہوگا کہ انسان تہذیب اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

اہنائے جنس کے متعلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا دہی کو برداشت کرے، مگر خود انھیں ایذا رسانی کا ارادہ نہ کرے۔  
 رب العالمین کے ساتھ حسن خلق کے معنی یہ ہیں کہ جو معاملہ تیرے اور رب العالمین کے درمیان ہے اسے موجب شکر قرار دے  
 اور احکام یا افعال الہی کے بارہ میں کبھی دل و زبان پر ادب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہ ہو۔

شیخ الاولیاء سند الاصفیاء سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہما کا قول ہے: كُنْ مَعَ الْحَقِّ بِأَلَا خَلْقِي وَ مَعَ الْخَلْقِ بِأَلَا نَفْسِ اللَّهِ  
 کے ساتھ تیرا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ اس میں مخلوق کا ذرا تعلق نہ ہو اور مخلوق کے ساتھ تیرا معاملہ ایسا ہونا چاہیے کہ تیرے نفس کا اس میں  
 کچھ حصہ نہ ہو۔

یہ ہیں وہ اخلاق حسنہ، جن کی تکمیل اسلام نے تو افاضلاً فرمائی ہے۔

① ابوداؤد: 4799، ترمذی: 2002، ابن حبان: 481، احمد: 446/6 ② ابن حبان: 482، ترمذی: 2018، احمد: 193/4

③ ابوداؤد: 4798، ابن حبان: 480، احمد: 96/6

تھوڑی سی تفصیل اور بھی سن لیجیے۔

① اسلام فقراء و مساکین کا حصہ مالِ زکوٰۃ میں واجب ٹھہراتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اس صفت کی کل آمدنی کا آٹھواں حصہ ان کو ضرور مل جانا چاہیے۔

② مالِ غنیمت کے شمس میں سے مساکین و یتیمی کا پانچواں حصہ لابدی ہے۔

③ آمدنی فی (وہ مال جو بغیر لڑے دشمنوں سے ملے) میں بھی کل کا ایک شمس مساکین و یتیمی کا حصہ ہے۔

④ ابنائے سبیل بھی ان ہر سہ ابواب میں حصہ یاب ہوتے ہیں اور اس انتظام سے کل عالم اسلام مسافر کے لیے اپنا گھر بن

جاتا ہے۔

⑤ قرض داروں اور قرض کے تحت میں زیر بار لوگوں کی رہائی کا انتظام سلطنت اسلامی پر ڈالا گیا ہے۔

⑥ غلاموں کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ خاص طور پر علیحدہ کیا گیا ہے، اور بعد ازاں اسی صیغہ میں چندہ دینی

ضروری و لابدی قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی مذہب نے فقراء و مساکین اور یتیمی و ایامی اور غلامان و مقروضین کے لیے سلطنت کے بجٹ میں مستقل رقم درج کرنے کے احکام دیے ہوں تو ان کی نظیر پیش ہونی چاہیے۔

اسلام پابندی معاہدات کو نہایت ہی زور کے ساتھ حکم فرماتا ہے اور فریق معاہدہ کی معاہدہ شکنی کے بعد بھی اگر الٹی میٹم کی نوبت آجائے تو دشمن کو چار ماہ تک مہلت عطا فرماتا ہے۔

اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور پر نہیں دیتا ہے، بلکہ جوارح و اعضاء کے ساتھ ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اسی تعلیم کا پابند بناتا ہے۔ ذرا احکام ذیل پر غور کرو۔

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ

مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا ﴾ [الاعراف: 33]

”اے نبی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے (ابنائے جنس کے مقابلہ میں) فحش، بے حیائی کی

سب قسموں کو جن کا تعلق ظاہری یا باطنی حالات سے ہو اور شرک جس کی کوئی دلیل نہیں۔“

(خود اپنے مقابلہ میں) گناہ کی جملہ اقسام (سلطنت کے مقابلہ میں) بغاوت و سرکشی (اللہ کے مقابلہ میں) بے علمی کے

ساتھ باتیں بنانا۔

حکم ثانی سنو:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾ [النحل: 90]

”اللہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں: عدل اور احسان اور قرابت والوں سے فیاضانہ سلوک، اللہ جن

چیزوں کے کرنے سے قطعاً روکتا ہے وہ یہ ہیں: سب بے حیائیاں، سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں اور بغاوت۔“

تیسرا حکم:

﴿ وَبِالنَّوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ  
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء: 36]

مندرجہ ذیل اشخاص کے ساتھ احسان کیا کرو:

- ① والدین ② بیوی ③ مساکین ④ ساتھ لگتا ہمسایہ ⑤ دور کا ہمسایہ ⑥ تمہاری رفاقت میں رہنے والا شخص
- ⑦ مسافر ⑧ لونڈی، غلام۔

صحیح بخاری میں ہے، جس کی فتنہ پر دازی سے ہمسایہ مامون نہیں، وہ صاحب ایمان ہی نہیں۔ ①

صحیح مسلم میں ہے، جس کی فتنہ پر دازی سے ہمسایہ کو چھین نہیں، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ ②

صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ السَّاعِي عَلَى الْأَرَامِلِ وَالْمَسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ③  
”رائد عورتوں اور مسکین لوگوں کے کام کاج کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا ہے۔“

صحیح بخاری میں بروایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہے:

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَايَةِ وَالْوَسْطَىٰ وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ④

”جنت میں میں اور یتیم کا خیر لینے والا ایسے ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں (شہادت اور درمیانی انگلیوں میں ذرا سا فرق دکھلا کر سمجھایا کہ اس طرح)۔“

ابوداؤد میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا۔

الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ اتَّقُوا اللَّهَ فِي مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ⑤

نماز، نماز، اور لونڈی غلاموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تُصَيِّرُوا خَلْقَكُمُ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَأَقْصِدْ  
فِي مَشْيِكَ وَأَغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴾ [الفرقان: 18-19]

① غرور میں آ کر لوگوں کی طرف سے اپنا منہ کج نہ کیا کرو۔

② زمین پر اکڑ کر نہ چل۔

③ اللہ تو ہر ایک چاہا با زخرف کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

④ اپنی رفتار میں میا نہ روی رکھ۔

⑤ اپنی آواز کو پست و نرم رکھ۔

⑥ دیکھ آوازوں میں سخت و درشت آواز تو گدھے کی ہے۔

① بخاری: 6016، شعب الایمان: 5525، مستدرک حاکمی: 310، ② مسلم: 172، تہذیب: 5524، احمد: 387/1، شعب الایمان: 9535

③ بخاری: 6007، مسلم: 2982، ترمذی: 1969، ابن حبان: 4245، ابن ماجہ: 2140، ④ بخاری: 5304، ابوداؤد: 5150، ترمذی: 1918، احمد: 333/5

⑤ ابوداؤد: 5156، ابن ماجہ: 2697، ابن حبان: 6605، احمد: 117/3

## قوم اور ملک کے متعلق اخلاق:

- ① ﴿وَإِنْ طَرَفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَقْتَلُوا فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ [الجزات: 9]
- ”اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں جب سب مل کر ان دونوں میں صلح کرادیں۔“
- ② ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمًا مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءً مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ﴾ [الجزات: 11]
- ”اے ایمان والو کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھکانا نہ کرے، شاید وہی ان سے اچھی ہو، نہ عورتوں سے ٹھکانا کریں، شاید وہی ان سے اچھی ہوں، تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا لقب تجویز کرو۔“
- ③ ﴿اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ [الجزات: 12]
- ”بچو بہت گمانوں سے کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ کسی کا عیب تلاش نہ کرو اور نہ کسی کی چغلی کیا کرو۔“

غیر مذاہب والوں سے سلوک:

- ① ﴿لَا يَنْهَىٰكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُواكُم فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُواكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [المختار: 8]
- ”جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے ساتھ نہ تو دین کے لیے جنگ کی اور نہ تم کو خارج از وطن کیا، ان سے نیکی کرنے اور صحیح صحیح انصاف کرنے میں تم کو اللہ نے کبھی بھی منع نہیں کیا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے پیار رکھتا ہے۔“
- ② ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَعْدِلُوا بِالْعَدْلِ﴾
- ”اللہ کا حکم تمہارے لیے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اسے کوادا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کیا کرو۔“ [النساء: 58]

ایسے احکام بیسیوں ہیں اور یہ وہ اخلاق ہیں، جن پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کر کے دکھلایا اور جن کی تعلیم انہوں نے علماء و علماء ہر دو طریق سے کل دنیا کو دی۔

اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی تاریخ کے اوراق کیا دکھلاتے ہیں، اہل نظر خود آکھ کھول کر دیکھ لیں۔

## فصل چہارم 4

### اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کر دیا

موجودہ عیسائیت کی بنیاد دو اصولوں پر ہے:

- ① آدم نے گناہ کیا اور اس کی تمام نسل اسی گناہ سے آلودہ ہے۔
- ② اللہ کے رحم نے چاہا کہ لوگوں کو گناہ سے پاک ٹھہرائے، لیکن اللہ کے عدل نے چاہا کہ گناہ کا خمیازہ ضرور اٹھانا ہوگا۔
- اللہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ اپنے بیٹے کو دنیا میں بھیجا، وہ لعنتی ٹھہرا، جہنم میں گیا، دکھ درد اور عذاب اپنے اپنے اوپر



برداشت کیے اور وہ گناہ گاروں کا کفارہ بنا۔ اس طرح عدل پورا ہو گیا۔ رحم الہی نے سب گنہگاروں کو معاف کر دیا۔

اسلام نے ہر وہ اصول بالائی صحت فرمائی۔

گناہ آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ توبہ کی وجہ سے آدم کو معافی مل گئی تھی اور آدم علیہ السلام گناہ سے پاک ٹھہرے تھے، لہذا نبی آدم کو گناہ کا ورثہ میں ملنا قطعاً غلط ہے۔

﴿فَلَقَىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ إِلَيْهَا إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ [البقرہ: 37]

”آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ ان کلمات کی وجہ سے اللہ نے ان پر رجوع کیا۔ اللہ تو بہت رجوع کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

﴿ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَاهُ﴾ [طہ: 122]

”پھر رب نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اس پر توجہ فرمائی اور اسے راہ دکھائی۔“

عدل و رحم کے متعلق اسلام نے بتلایا کہ بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے سزا دینا سراسر ظلم ہے۔ اس لیے پاکہا مسیح علیہ السلام کا لعنتی ہو کر جہنم میں جانا بھی غلط ہے۔

علیٰ طہذا گنہگاروں پر رحم کی غرض سے کسی بے گناہ کو عذاب دینا بھی رحم کے قطعاً خلاف ہے۔

① حقوق اللہ جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے متعلق مکمل رحم اور پوری رافت و شفقت سے کام لیتا ہے۔

② حقوق العباد، بندوں کے حقوق بندوں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیتا ہے۔ اس مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُغْفَرُ كُلُّ ذَنْبٍ لِلشَّهِيدِ إِلَّا الذَّنْبَ ①

”شہید کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، مگر قرض نہیں۔“

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حقوق کی یہ جداگانہ تقسیم اور ہر ایک تقسیم کا رحم اور عدل کے تحت میں ہونا ایک ایسا فیصلہ ہے جو اسلام ہی نے

صادر کیا ہے۔

ورنہ موجودہ جیسائیت نے یا اوگون کے چکر میں گھومتے والوں نے تو اس مسئلہ کو سخت پیچیدہ اور ناقابل حل ہی بنا دیا تھا۔

کریم اہلسا کا مسئلہ پر ہمیشہ کو رحم سے معرا ٹھہراتا تھا اور کفارہ کا مسئلہ عدل کے منافی تھا۔

اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال حقیقی کی سڑک قائم فرمادی ہے۔



### اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے

موجودہ زمانہ میں علمی فضیلت کا بیان یا شرافت علمی کے دلائل بیان کرنا تحصیل حاصل ہے کیوں کہ اس زمانہ میں تمام عالم کے جملہ ممالک اور اقوام نے علماء و علماء تسلیم کر لیا ہے کہ ”علم“ کے برابر اور کسی صفت انسانی کا درجہ نہیں۔

لیکن جس زمانہ میں اسلام کا آغاز عرب و حجاز میں ہوا، اس وقت تمام دنیا فضیلت علمی کے راز سے بالکل جاہل و غافل تھی۔ عرب تو نوشت و خواند سے بھی معز و مبرا تھا اور اسے اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا نام و نشان نہ تھا جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی وہ صرف پائیل کے حروف کے سیکھ لینے تک محدود تھی۔ اسکے ساتھ ترجمہ و تفسیر شامل نہ تھے، یا ان بے سرو پا داستانوں کو علم حقیقی کا درجہ دیا گیا تھا، جو یہودیوں میں کبھی بطور ناول لکھی گئی تھیں اور پھر ان کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کر لیا گیا تھا۔

① ہندوستان پر شرمید باگوت اور 18 پرانوں کی حکومت تھی۔ بہت زیادہ ترقی کی حالت میں مہا بھارت اور رامائن کے قصے منہائے علم سمجھے جاتے تھے۔

یہی حال چین اور ایران کا تھا، یورپ قطعاً جہالت کدو تھا۔

اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی علماء کا ماسن و مٹا بنا۔

② دیوتاؤں اور فرشتوں کی برتری سے ہنود اور یہود کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور انسان کو ہمیشہ ان کے سامنے ایک پرستار اور پجاری کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

مگر اسلام نے بتایا کہ ابوالبشر علیہ السلام تو ملائکہ اور دیوتاؤں کا بھی مکتوب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالبشر علیہ السلام صفت علیہ میں ان سے بڑھ گیا تھا، وہ بیان جو سورہ بقرہ میں موجود ہے، اس کا مقصود علم ہی کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

اب آیت ﴿مَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ﴾ [النائد: 4] کی تفسیر پر غور کرو کہ وہ کتاب جو جس ایمان ہے، تعلیم و تعلم کے بعد شکار کرنے میں جارح انسانی کا منصب حاصل کر لیتا ہے۔ اس کا شکار خود انسان کے شکار کا حکم دیتا ہے۔

جب ان دونوں مثالوں پر غور کیا جائے گا کہ اسلام نے تعلیم کی وجہ سے شکاری کتے کو درجہ جارح انسانی کے مساوی تسلیم کر لیا اور انسان کو سمجھو ہونا بوجہ افزونی علم قرار دیا تو ہر ایک شخص سمجھ سکے گا کہ اسلام کس قدر زیادہ علم کی فضیلت کا مظہر ہے۔

ہاں قرآن پاک میں ہے:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [البقرہ: 11]

”اللہ درجات بلند فرماتا ہے: (1) ان کے جو تم میں سے ایمان والے ہیں (2) اور ان کے جن کو علم ملا ہے۔“

یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یہ قرآن مجید ہی ہے جس کی وحی ابتدائی فقرات میں یہ کلمات طلیبات موجود ہیں:

﴿ اِفْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾ [علق: 3-5]

”پڑھ اور تیرا رب تو بڑے کرم والا ہے، اس نے قلم کے ذریعہ سے علم کی تعلیم دی، اسی سے انسان کو ان علوم کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔“

غور کرو، پڑھنے کی تاکید اور قلم کو نشر علوم کا ذریعہ بتانے کا بیان، انسان کا قابل تعلیم ہونا، انسان کا نامعلوم علوم کی تعلیم سے مشرف ہوتے رہنا کیسے اسلوب پاک میں بیان فرمایا گیا، اور قراءت و تحریر کے وسائل اختیار کرنے کے بعد کس طرح انسان کو روز افزوں معلومات کے حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض انبیاء کی دعائیں خاص رنگ میں تھیں۔ مثلاً دعائوح علیہ السلام ہے:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْ وَاَلَمْ يَدْخُلْ نَبِيُّ مُؤْمِنًا وَّالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ﴾ [نوح: 28]

”اے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔“

دعائے ابراہیم علیہ السلام ہے:

﴿ وَاَجْنِسِيْ وَنَبِيٍّ اَنْ تَعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ [ابراہیم: 35]

”مجھے اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائیں۔“

دعائے سلیمان علیہ السلام:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ﴾ [س: 35]

”اے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایاں نہ ہو۔“

دعائے زکریا علیہ السلام:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ [آل عمران: 38]

”اے رب مجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا فرما۔“

لیکن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جو خلاصہ موجودات اور سرور کائنات ہیں، کی دعائیں سے الگ اور سب سے جامع تھی۔ وہ یہ دعا تھی۔

﴿ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ [آ: 114]

”اے رب مجھے علم میں افزونی عطا فرما۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کا درجہ جملہ نعمائے عالیہ سے برتر ہے۔

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کے خطابات اور القاب عالیہ مثلاً خاتم النبیین اور رحمۃ اللعالمین بھی ہیں اور انہی کے پہلو پہ پہلو حضور کی توصیف ان الفاظ میں بھی فرمائی گئی ہے۔

﴿ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرہ: 129]

”وہ کتاب اور حکمت کا معلم ہے، وہ ان علوم کا معلم ہے جسے انسان نہ جانتے تھے۔“

ہر دو آیات سے علم کی فضیلت نمایاں ہے۔ بے شک اسلام ہی ہے جس نے علوم عام کی تعلیم دی ہے اور اسلام ہی ہے جس

- نے سابقون الاولون اور انصار و مہاجرین کے علوم کو تو مسلم اور نو مفتوحہ ممالک میں پوری فیاضی کے ساتھ پہنچایا ہے۔ نظائر ذیل پر غور کرو۔
- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب الصحیح ہیں، اور ان کی کتاب صحاح ستہ میں سب سے اول درجہ پر ہے۔ یہ بخارا کے باشندے ہیں۔ ان کے نسب میں مغیرہ پہلا شخص ہے جو داخل اسلام ہوا۔
  - امام جہام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اہل فارس سے ہیں اور ان کے دادا ہی داخل اسلام ہوئے تھے۔
  - سیبویہ اور یعلیٰ اور زجاج جو ائمہ لغت و نحو ہیں عربی النسل نہیں۔
  - امام الطغفہ اسماعیل بن محمد جو ہری اور استاد مسجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی عرب کے باشندے نہیں۔
  - ابو الفرج جس کی تصانیف عربی زبان میں خوب مشہور ہیں، مالک کا باشندہ ہے۔
  - ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کا موجد ہے، تیونس میں پیدا ہوا تھا۔
  - مؤرخ الشیخ برہان الدین موصل کے ہیں۔
  - مقررینِ حلیہ میں پیدا ہوا تھا، امام مسلم صاحب الصحیح اور امام ابو داؤد صاحب السنن کو نسبتاً عرب ہیں مگر وطن ان کا عرب نہ تھا۔ ان نظائر سے واضح ہے کہ یہ اسلام ہی کی علم نوآوری ہے کہ اس نے بد و ظہور سے ہر ایک قوم پر ابوابِ علم کو کشادہ کر دیا تھا اور اندرون ہندوستان سے لے کر انتہائے سوڈان تک اور بلاخراسان سے لے کر مراکش تک دروسِ علمیہ کا افتتاح خیر القرون ہی میں ہو گیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کو جو شرف کرامت جملہ مخلوق الہی پر حاصل ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے وصف علم ہی سے نمایاں فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قَدْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ [مریم: 43]

” (ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں) اے باپ مجھے علم حاصل ہو گیا ہے۔“

﴿ لَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ﴾ [انزل: 15] ” داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو ہم نے علم سکھایا تھا۔“

﴿ وَإِنَّهُ لَدُوُّ عَلِيمٍ لَمَّا عَلَّمْنَاهُ ﴾ [یوسف: 68] ” یعقوب والا علم ہم نے اسے سکھایا تھا۔“

لوگ طلبِ علم کی تاکید کے ثبوت میں اَطْلُبُوا الْعِلْمَ لَوْ كُنْتُمْ بِالْقِيَمِ پڑھا کرتے ہیں۔ ان الفاظ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت صحیح ثابت ہونا قطعاً غلط ہے، مگر قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے۔ یہ اولوالعزم رسول اور صاحب کتاب نبی چند مسائل کی تعلیم کے لیے ایک دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تھے اور ﴿ عَلِيٌّ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَنِي رُشْدًا ﴾ [الکہف: 66] کے الفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا تھا کہ جو آپ کو معلوم ہے، میں اسے سیکھنے کو آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کے ثبوت میں علماء کو بھی پیش کیا ہے، جیسا کہ اس مسئلہ کو اپنی شہادت اور ملائکہ کی شہادت سے مستحکم فرمایا ہے۔

﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ ﴾ [آل عمران: 18]

” اللہ نے ظاہر کر دیا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں، ملائکہ اور صاحبانِ علم کی شہادت بھی یہی ہے۔“

① معروف لغت نویس، بیادش: 1329-1415 ② ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ معروف ماہر عمرانیات، تاریخ نویس، بیادش: 1333-1334 ③ دقات: 1406 مسم

اللہ تعالیٰ نے نبوت محمد ﷺ کے ثبوت میں علماء اہل کتاب کی شہادت کو بھی پیش کیا ہے۔

﴿ اَوَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ آيَةً أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ [الشعراء: 197]

”کیا ان کے لیے یہی نشانی کافی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل کو اس کا علم ہے۔“

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴾

”کافر کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں، کہہ دے کہ اللہ مجھ میں اور تم میں شاہد ہے اور وہ شخص بھی گواہ ہے جس کے پاس تورات و

انجیل کا علم ہے۔“ [الرعد: 43]

دلائل اسلام جس طرح مبنی بر علم ہے اسی طرح ان کا مطالبہ بھی اویان و مگر سے کیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے دعاوی کو بروئے علم

ثابت کریں۔

① ﴿ قُلْ قَلْبِي عَنْكُمْ مِثْرًا مِمَّنْ يَمُنُّ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ﴾ [الانعام: 148]

”ان سے پوچھیے کہ تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے تو اسے ہمارے لیے پیش تو کرو۔“

② ﴿ تَسْتَوِيحُوا بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ [الانعام: 143]

”اگر تم سچے ہو تو مجھے کسی علم سے یہ بات بتاؤ۔“

کج بحثی کرنے والوں پر بھی اسلام کا یہی اعتراض ہے کہ وہ علم کے بغیر باتیں بناتے ہیں

① ﴿ لِمَ تَعَادُونَ فِي مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ﴾ [الانعام: 66]

”جس چیز کا علم نہیں، اس میں کج بحثی کیوں کرتے ہو۔“

② ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴾

”اس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھ کو علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ، دل (یہ سب) اس کی بابت پوچھے جائیں

گے۔“ [انعام: 36]

ان آیات و احکامات کی تعمیل میں علم برداران اسلام یعنی اسلاف کرام نے جو کچھ کیا آج تمام یورپ اس کا شاہد ہے۔

سلطنت عباسیہ بغداد اور سلطنت امویہ اندلس میں اور سلطنت فاطمیہ مصر میں جن دنوں قائم تھیں ان میں تافس باہمی صرف

ترقی علم اور حمایت علماء کی بابت پایا جاتا ہے۔ یہ ایک آیت کی سعی و کوشش یہ تھی کہ اسی کی سلطنت سب سے بڑھ کر مرئی علم و علماء کا بابت ہو،

سمرقند کی رصد گاہ اندلس کی رصد گاہ کے مقابلہ میں موجود تھی۔

بغداد نے علوم و فنون کو ہند اور چین اور تاتاریا تک پھیلا دیا تو اندلس نے اٹلی و فرانس اور جرمنی کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا۔

سلاطین اسلام کے دربار میں یہودی، عیسائی، ہندو، مصری، چینی، یونانی، فلاسفی اسی طرح احترام کے ساتھ پرورش پا رہے تھے،

جس طرح حجازی، حضرمی، یمنی، اور فرزندان مہاجر و انصار علوم و فنون اور ادب و نجوم کے ساتھ ساتھ علوم ریاضیہ، فلسفہ، ہیئت کا رواج تھا۔

مشرق و مغرب و افریقہ میں مدارس عام تھے اور ہر ایک مدرسہ کے ساتھ کتب خانے اور دارالقیام بنے ہوئے تھے۔ بغداد میں وزیر نظام الملک کا بنایا ہوا مدرسہ نظامیہ وہ تھا، جس میں چھ ہزار (6000) طالب علموں کی خوراک کا انتظام منجانب مدرسہ کیا جاتا تھا۔ اسی سے دیگر مدارس کا اندازہ لگاؤ۔

اسلام نے علوم کو جس خصوصیت سے خلائق کے سامنے روشناس کیا ہے، وہ طریق ہے جس سے اقوام ماضیہ قطعاً بے علم رہی ہیں۔ اسلام علوم کو دو اقسام پر تقسیم کرتا ہے:

الف: جلی اور اس کے حصول کے تین (3) ذرائع ہیں:

(1) بصر، وہ جملہ علوم جو معائنہ و اکتشافات سے تعلق رکھتے ہیں۔

(2) سنج، وہ جملہ علوم جو استفاضہ پر مبنی ہیں۔

(3) قلب، وہ جملہ علوم جو تجارب انسانی کا مجموعہ ہیں۔

ب: خفی اور اس کے حصول کے بھی تین (3) ذرائع ہیں:

(1) ایمان، جو جز و معلوم سے جز و غیر معلوم کو یقین دلاتا ہے۔

(2) فراست صادقہ، جو حواس عشرہ کے بعد امور خفی کے راز پر مطلع ہوتی ہے۔

(3) معرفت، جس کا آغاز مادیات کے انجام سے ہوتا ہے۔

اسلام نے ایک اور علم کا ذکر کیا ہے جو اکتسابی نہیں اور خالصہ وہی ہے۔ اسے علم لدنی کہا جاتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے۔ اس علم کا محکم مبداء فیاض کی رحمت خاصہ سے سہق لیتا ہے اور اس کا علم جملہ علوم و براین کا سلطان ہوتا ہے، اسی علم کے سایہ میں۔

□ عبودیت

□ متابعت

□ صدق

کو کمال حاصل ہوتا ہے اور اسی کمال کا نتیجہ نشی دعویٰ ہے۔

اسی علم کا عالم اگر کوئی فعل سرانجام دیتا ہے ﴿مَا فَعَلْتُمْ عَنْ أَمْرِي﴾ [الذہب: 82] کو وجہ موجب قرار دیتا ہے اسی علم کا عالم جملہ علوم پر نطق ہمایوں سے کلام کرتا ہے اور ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [انجم: 3-4] کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

فریضگان مادہ اب تک نہ مادہ کی حقیقت سے واقف ہوئے اور نہ مادہ کی حرکت کی کوئی توجیہ ان کی سمجھ میں آئی۔

لیکن اس علم کا عالم روح کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے۔ ﴿الْكَرُوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ [بنی اسرائیل: 85] (روح تو میرے رب کا حکم ہے) بتاتا ہے، وہ عالم خلق سے بالاتر ایک عالم امر کے حقائق سے مطلع ہو جاتا ہے اور ان حقائق کی تعلیم سے چشم بصیرت کو روشن بنا دیتا ہے اور غیر محسوس کو معلوم کے درجے پر بٹھا دیتا ہے۔

اس تمام بحث پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ہی دین العلم ہے اور اسلام ہی حامی العلم ہے۔

اسلام کے حامی العلماء ہونے کا مضمون ان نظائر سے مکمل ہو جاتا ہے، جن سے ظاہر ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے جن کے وجود کے ساتھ دینی شان کا نشان بھی مشہور تھا۔ ان علماء کی بھی نگہداشت فرمائی تھی۔ جو غیر مسلم تھے۔

منصور عباسی: علوم القرآن والحدیث کا زبردست عالم تھا۔ اس کے دربار میں جیورجیمس بن ککشیوع اور جیمسی بن شہلا تار ہر دو عیسائی یکے بعد دیگرے طبیب خاص کے منصب پر مامور تھے

نوبخت اور ابوبہل (ہردو پارسی) بلند ترین جاہ پر متمکن تھے۔

مہدی کے دربار میں، تیوفیل، لینائی (نڈہا صابئی) بڑے افسروں میں تھا۔

بارون رشید کے دربار میں تھیثووع اور جبریل (عیسائی) اعلیٰ منصب دار تھے۔

یوحنا بن مانسویہ سریانی محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹر تھا۔

مامون کے دربار میں، بطریق یوحنا اور بہل بن سابور (ہردو عیسائی) اعلیٰ مناصب پر تھے

مستصم کا طبیب خاص سلمو یہ بن بنان نصرانی تھا۔

متوکل کے دربار میں، حسین بن اسحاق نصرانی کا منصب بالاتر تھا، وہ جتنے اوراق دوسری زبانوں سے ترجمہ کر کے پیش کرتا تھا،

ان کے برابر طوائفے تاب اسے وزن کر دیا جاتا تھا۔ ماہانہ مشاہیرہ اور سالانہ انعامات اس سے علاوہ ہوتے تھے۔

راضی باللہ کے دربار میں طیفوری، نصرانی، متی، بن یونس نطوری (گرجا کا بپ) بھی تھا

معتضد کے دربار میں، ابراہیم و سنان فرزندان ثابت بن مرو اور ابوالحسن حید ثابت (نڈہی صابئی) بہت معتد علیہ تھے۔

قطب علیکی اور یحییٰ بن عدی بن حمید (ہردو نصرانی) بھی دربار خلافت میں محسودانہ وقار رکھتے تھے۔

الغرض یہ فہرست بہت لمبی ہے۔

اب تلاش کرو کہ کسی مسیحی سلطنت یا کسی اور غیر مسلم سلطنت و حکومت میں بھی کسی مسلم عالم کی یہ قدر، یہ وقعت، یہ عزت کبھی کی گئی ہے۔

ہاں! اس کے برعکس ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ ابن رشد مسلم فلاسفر کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کے جرم میں 20 مارچ

1452ء میں یہودیوں کو اسپانیا سے خارج کیا گیا اور فروردی 1902ء میں ایشیلیہ اور ماحول کے مسلمانوں کو بھی نشر علوم کے جرم میں وطن

مالوف سے جبراً نکال دیا گیا۔

نظائر بالا سے شاید کسی شخص کا گمان ادھر منتقل ہو جائے کہ یہود و مسلمین کا اخراج غالباً تعصب قومی کی بنیاد پر ہوا ہوگا اور نفس علوم

کے ساتھ تعصب و عادات کا اس میں دخل نہ ہوگا۔ لہذا ہم مسئلہ ذیل پیش کریں گے کہ خود عیسائیوں کے علماء کے ساتھ بھی علوم معقول کی

اشاعت یا اکتشافات علیہ کے اعلان کے بعد یہی سلوک کیا جائے گا۔

پروفیسر برنوں (Prof. Jerunu) نے مسئلہ وحدت الوجود کو بیان کیا، اسے قید کر دیا گیا اور 1600ء میں جس طویل کے بعد

زندہ جلا دیا گیا۔

کرویت ارض کے مسئلہ پر یورپ میں بہت خون ریزی ہوئی۔

پروفیسر گالیلی (Prof. Galileo) نے کہہ دیا تھا کہ حرکات نجوم بہت باقاعدہ ہیں۔ یہی مقولہ اس کی ہلاکت کا موجب ہوا۔

خاتون ماری مونتہ (Mary Mont) 1721ء میں قسطنطنیہ سے چمپک کا ٹیکہ لیکھ کر یورپ پہنچی تو کئیس نے شاہ انگلستان کے حضور میں عرضداشت پیش کی کہ بذریعہ ٹیکہ علاج کیے جانے کے فائدہ کو حکماً بند کیا جائے۔

امریکہ میں ولادت کے وقت عورت کو مندر کرنے کا طریقہ نکالنا کہ وہ احساس تکلیف سے مامون رہے۔ پادریوں نے اسے اللہ کے اس حکم کی مخالفت سمجھا کہ عورت دکھ سے بچے گی اور اس کے خلاف سخت شورش مچی گئی۔

پلاج (Pillage) نے کہہ دیا کہ آدم علیہ السلام سے جو شتر بھی موت (حیوانات وغیرہ کو) آتی تھی اسے قتل کیا گیا اور اس کے جملہ ہم عقیدہ لوگوں کو واجب القتل قرار دیا گیا۔

ڈی رومنس (DeRomense) نے بیان کیا کہ قوس قزح، اللہ کی حربی کمان نہیں، بلکہ پانی کے قطرات پر سورج کی شعاعوں کا عکس پرنے کے نتیجہ ہے۔ اس جرم میں وہ قید کیا گیا، قتل کیا گیا، اس کا لاشعاع اس کی تصانیف کے جلا دیا گیا۔

کتب خانہ اسکندریہ، قیصر جول کے وقت میں جلا دیا گیا۔ اس لیے کہ یہاں ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جو مذہب کے خلاف ہیں، اس کی رہی سہی کتابوں کو بطریق تیوفیل مامورہ اسکندریہ نے نذر آتش کیا۔

کتب خانہ غرناطہ مسلمانوں کی علمی جائیداد کی آٹھ ہزار (8000) قلمی کتابیں کر دینا، کسبیس نے سوخت کر دیں۔<sup>①</sup> ان جملہ واقعات و بیانات و تشریحات سے یہ نتیجہ صاف مبرہن ہے کہ اسلام ہی "حامی العلم والعلماء" ہے اور یہ صفت اس کے خصائص علیا میں سے ہے۔

## فصل ششم 6

### اسلام ہی دین العمل ہے

سابقہ مضمون میں تحریر ہو چکا ہے کہ اسلام ہی دین العلم ہے، لیکن اگر علم کے ساتھ عمل شامل نہ ہو تو اس کا علم ہونا نہ ہونا برابر ہے۔  
 اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا۔<sup>②</sup> "اے اللہ میں تجھ سے نافع علم اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔"  
 بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اسلام نے توکل کی تعلیم دی ہے، یہ سمجھ لیا ہے کہ اسلام عمل کے منافی ہے، اس غلطی میں وہ بھی مبتلا ہوئے جو دور دور سے اسلام کو دیکھنے والے ہیں اور وہ بھی اس غلطی کا شکار ہوئے جو اسلام کے اندر ہیں۔ اس غلطی کا اولین سبب یہ بھی ہوا کہ توکل کے معنی بھی نہ سمجھے گئے۔

موجودہ زمانہ سعی و کوشش کا زمانہ ہے۔ جمود و بے حسی سے نفرت کی جاتی ہے، لہذا جب یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی بے حسی اور جمود کا طرف دار ہے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام دین الہی نہیں ہو سکتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو سمجھائی نہیں گیا اور باہمی اسلام نیز علمبرداران اسلام کی سیرت کا مطالعہ ہی نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں پر ہمسایہ اقوام کا سایہ پڑا اور انھوں نے جو گیوں، سنیا سیوں، راہبوں اور پوپوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ زہد کے اعلیٰ مناصب پر ترک افعال اور ترک عمل ہی سے فائز ہو سکتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی سمجھ ہے، اسلام کی تعلیم تو یہ ہے:

① تہذیب الاسلام للہودی۔ ② مسند امام احمد: 294/6، اذکار للہودی: 70، عمل الیوم واللیلۃ لابن مسنی: 108



﴿ لَكِنَّ الرُّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ، جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْغَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ [التوبہ: 88]

”رسول اور اس کے ساتھ والے ایمان داروں نے تو مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ انہی کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“

﴿ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۖ وَأَنْ سَعَىٰهُ، سَوْفَ يُرَىٰ ﴾ [النجم: 39-40]

”نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے کوشش کی اور بے شک وہ اپنی کوشش ضرور دیکھ لے گا۔“

﴿ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۚ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ [الانبیاء: 94]

”جو کوئی عمل کرتا ہے اچھے، ایمان کے ساتھ، اس کی کوشش ضائع نہ ہوگی۔“

﴿ وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا ﴾ [الانعام: 132]

”ہر ایک کے لیے انکے عمل کے موافق درجہ ہیں۔“

عمل کی دو اقسام ہیں: عمل برائے دنیا، عمل برائے آخرت اور اسلام نے ہر دو کے لیے ترغیب دی ہے:

﴿ رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ [البقرہ: 201]

”اے رب! ہم کو دنیا بھی اچھی دے اور آخرت بھی اچھی دے اور ہم کو عذاب نار سے بچالے۔“

صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

إِحْرَاصٌ عَلَىٰ مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتِعْنُ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ۔<sup>①</sup>

”جو چیز تجھے نفع دینے والی ہو اس کی رغبت اور حرص پیدا کر اور اللہ سے مدد چاہا کر اور عاجز ہو کر مت بیٹھ۔“

صحیحین میں بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے کہ سعد بیمار ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو گئے۔ سعد نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا کہ وہ اپنے مال سے کس قدر صدقہ دے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول ظاہر فرمایا:

إِنْ قَلَّ وَرَثَتِكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدْعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔<sup>②</sup>

”اگر تم اپنے وارثوں کے لیے دولت چھوڑ کر مرے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو بے زر و بے پر چھوڑے اور وہ لوگوں

کے سامنے مانگتے پھریں۔“

اس حدیث کے ساتھ قرآن مجید کے احکام تواریث کو مد نظر رکھو کہ مال میت کو تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس طرح حصص کا

تعیین فرمادیا ہے۔

### اصول ارث و موارث

ارث کے اصول نسب اور نکاح اور ولا میں اور قرآن میں سہام کو چھ اوزان نصف (1/2)، ربع (1/4)، ثمن (1/8) دو ثلث

(2/3)، ایک سدس (1/6) پر مقرر فرمایا گیا۔

① مسلم: 6774، ابن ماجہ: 79، بخاری: 6733، مسلم: 1628، ترمذی: 2116، ابن ماجہ: 2708، ابن ماجہ: 6027

① نصف کے حق دار پانچ ہیں: شوہر، ترکہ زوجہ سے (اگر وہ بے اولاد تھی) صلیبی بیٹی جو تنہا ہو (یا پوتی) اور اخت واحدہ (اب وام سے) یا اخت واحدہ (اب سے)، جب کہ اب وام کا فرزند نہ ہو۔

② ربع کے حقدار دو ہیں: شوہر (مع ولد زوجہ)، زوجہ (بعد ام الولد)

③ ثمن کے حق دار زوجہ (مع ولد)

④ دو ٹمٹ کی حقدار چار ہیں: دو بیٹیاں، یا زائد برائیاں (پوتیاں) اور بہنیں (مادر و پدر سے) یا بہن بھانجیاں پدر۔

⑤ ایک ٹمٹ کی حق دار 3 ہیں: ماں (جب کہ میت کا ولد اور اخوة و اخوات نہ ہوں) ماں کی اولاد، دو یا زائد کا (جنس میں ذکر و انث برابر ہوں گے) دادا و میت کے بھائیوں کے ساتھ جب کہ کوئی اور صاحب فریضہ نہ ہو۔

⑥ سدس کے حقدار 7 ہیں: باپ (جب کہ میت کا ولد موجود ہو)، ماں (جب میت کا ولد یا پوتا یا بھائی بہن ہوں) دادا و میت کے ساتھ اور بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی صاحب فرض بھی شامل ہو۔ دادی یا دادیاں۔ ماں کی اولاد: پوتیاں (صلیبی بیٹی کے ساتھ) پھوپھیاں (سگی بہن کے ساتھ)۔

ذرا اس موٹی موٹی تقسیم پر جو علم فرائض کے متعلق ہے، غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ اگر اسلام کے نزدیک ماں کے لیے محنت و مشقت کرنا اور مال کمانا اور رٹا کے لیے مال چھوڑ کر مرنا بہتر نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ وارث کے متعلق اتنے مکمل اور وسیع احکام کبھی صادر نہ فرماتا۔

قرآن مجید میں تو تقسیم حصص بالا کے علاوہ مال کثیر ہونے کی صورت میں ”وصیت“ کا ہونا بھی ضروری بتایا گیا ہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا تَرَكَتُمْ خَيْرًا مِّنَ الْوَصِيَّةِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾

”تم پر لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی تم میں سے مال کثیر چھوڑتا ہے تو والدین اور اقرباء کے لیے معروف طور پر وصیت کرے یہ

تقویٰ والوں کے لیے ضروری ہے۔“ [البقرہ: 180]

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ [النساء: 5]

”اپنا مال و زر بے عقلوں کے سپرد نہ کرو۔ مال و زر کو تو اللہ نے تمہارے لیے حج قیام بنایا ہے۔“

بیع و شرا کے احکام اور خرید و فروخت اور تجارت کے لیے جگہ جگہ تعلیم بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ اسلام دین العمل ہے۔

جملہ سیرت نگاروں کو معلوم ہے کہ مہاجرین اولین جو اہل مکہ تھے، سب تجارت پیشہ تھے اور انصار اولین سب زراعت پیشہ تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تجارت اور زراعت کی تمثیلوں ہی میں آیات ثواب و جہاد کا بیان فرمایا ہے۔ تجارت و زراعت جس قدر محتاج عمل ہیں، اسے اہل خرد خوب جانتے ہیں۔

تاجر صحابہ کی دولت کا اندازہ کرنے کے لیے دو ایک نظر پر غور کرو:

① عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشر و بمشرفہ میں سے ہیں۔

اسلام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انھوں نے مندرجہ ذیل رقم صرف کی تھیں۔

① ایک دفعہ چار ہزار (4000) روپیہ، یہ اس وقت کے کل مال کا چہارم تھا۔

② دوسری دفعہ چالیس ہزار (40000)۔

- ③ تیسری دفعہ چالیس ہزار (40000) دینار۔
- ④ چوتھی دفعہ پانسو (500) گھوڑے۔
- ⑤ پانچویں دفعہ پانسو (500) ناقہ۔
- ⑥ نبی ﷺ کے بعد انھوں نے ایک باغ امہات المؤمنین کی نذر کیا جو چار لاکھ (4,00,000) میں فروخت ہوا۔
- ⑦ فوت ہوتے ہوئے انھوں نے فی سبیل اللہ پچاس ہزار (50000) دینار کی وصیت کی۔
- ⑧ مرتے ہوئے وصیت کی کہ ہر ایک بدری صحابہ کو چار سو (400) دینار پیش کیے جائیں۔ بوقت تقبیل اصحاب بدر ایک سو (100) شمار ہوئے۔
- ⑨ علاوہ بریں انھوں نے ایک ہزار (1000) گھوڑا فی سبیل اللہ دیا۔
- ⑩ نفاذ وصیت کے بعد زطلہ کی مقدار کثیر موجود پائی گئی، جسے کاٹنے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔
- ⑪ طلا کے بعد ایک ہزار (1000) اونٹ، ایک سو (100) گھوڑا، تین ہزار (3000) بکریاں بھی شمار ہوئیں۔
- ⑫ ان کی چار (4) بیویاں تھیں، ہر ایک کو اسی ہزار (80000) نقد دے کر مصالحت کر لی گئی۔

② سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے ہمسیرے بھائی تھے، انھوں نے وصیت کی تھی کہ اول میرا قرض ادا کیا جائے اور پھر ثلث مال صدقہ دیا جائے اور وراثت کی تقسیم کی جائے۔

قرض شمار کیا جائے تو چودہ لاکھ (1400000) لگا۔ ان کے پاس نقدی کم تھی۔ جائداد زرعی و کئی بہت تھی۔ گیارہ (11) مکانات مدینہ و دو (2) مکانات بصرہ میں، ایک مکان مصر میں تھا۔ ایک اراضی زرعی کا ٹکڑا جو اکثر لاکھ (7100000) روپیہ میں خرید کیا گیا تھا۔ ان سب کو فروخت کر دیا گیا تو پانچ کروڑ دو لاکھ (50200000) کی رقم حاصل ہوئی۔ قرض ادا کر دیا گیا، وصیت نافذ کی گئی اور پھر چار پانچ سال تک یہ موسم حج منادی کی گئی کہ اگر کسی کا قرض زبیر رضی اللہ عنہ پر آتا ہو تو لے لے، بعد ازاں مال تقسیم ہوا۔ ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ انھوں نے ایک ہزار غلام تجارت پر لگا رکھے تھے جو ماہواری نفع حاصل ہوتا اسے خیرات کر دیتے تھے۔

میرا مقصود ایسے نظائر کا بالاستیعاب بیان کرنا نہیں، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم نے سابقوں اولوں کو کیوں کر عمل دینا اور عمل آخرت کا جو یاوشیدا بنا دیا تھا۔

کیا اس کے مقابلہ میں بدھ ازم کوئی شرف رکھ سکتا ہے، جس نے گداگری کو رواج دیا ہو، یا وید کی تعلیم جس نے عمر کے آخری ربع میں انسان کا بن باسی ہونا ضروری بنایا، یا عیسائیت کے پاس اس تعلیم کی کوئی توجیہ موجود ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گزر جانا آسمان ہے، مگر دولت مند کا آسانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل تر ہے۔

تعلیم اسلام نے جن لوگوں کو مکمل بنایا، ان کی صفت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

﴿رَجَالٌ لَا تُلِيقُهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [النور: 37]

”یہ مردان حق ہیں، جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔“

یہ وہ خوبی ہے جو اسلام ہی میں نمایاں ہے۔ کسی شخص نے اس آیت کا حاصل اس فقرہ میں ادا کیا گیا ہے: ”دست بکار و دل بیاز“۔

① اسد الغابہ: 478/3-479، ابن سعد: 124/3، تہذیب الاسماء للذہبی: 196/1، سیر اعلام النبلاء: 65/1، الاستیعاب: 514/2، ابن سعد: 108/3

یہاں تک عمل کی بحث معیشت اور تمدن کے پہلو سے کی گئی تھی، لیکن تقرب اور تدین کے اعتبار سے بھی جو اہتمام اسلام نے اعمال صالحہ کے سرانجام دینے میں فرمایا ہے اور وہ لائق ہے۔ ارشادات ذیل پر تدبر کرو۔

- ① ﴿فَاسْتَقْبُوا الْخَيْرَاتِ﴾ [البقرہ: 148] ”نیک کاموں کے سرانجام دینے میں سبقت دکھلاؤ۔“
  - ② ﴿وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلاً وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلاً طَوِيلاً﴾ [الدھر: 28]
- ”اپنے رب کے نام کی یاد قبل از دوپہر بھی کرو اور بعد از دوپہر بھی اور رات کو بھی اس کے لیے سجدہ ہو، اس کی حمد و ثناء ہر رات کو زیادہ ہو۔“

- ③ ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ”سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔“
  - ④ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ [البقرہ: 41]
- ”اے ایمان والو، اللہ کو یاد کیا کرو، بہت یاد کیا کرو۔“
- ⑤ ﴿وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً﴾ [المرسل: 8]
- ”اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے منہ موڑ کر اسی کا بن کر عبادت کیا کرو۔“
- کائنات پر غور کرنا، صنعت الہی سے دل اور نظر کو روشن کرنا، خصوصیت بحر و بر اور تصرفات ارضی و سمائی پر تدبر کرنا بھی اسلام نے عبادت کا جزو اور عبادت کرنے والوں کے لیے بلندی مدارج کا باعث قرار دیا ہے۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاختلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلُوكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ [البقرہ: 164]

- ① آسمانوں کی بناوٹ اور زمین کی بناوٹ میں،
  - ② رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں،
  - ③ ان جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کی نفع رسانی کے لیے چلتے ہیں،
  - ④ اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے اتارتا اور زمین کو اس سے زندگی بخشتا ہے،
  - ⑤ زمین پر ہر قسم کے چلنے والے، رینگنے والے جانداروں میں،
  - ⑥ ہواؤں کا الگ الگ رخ بدل کر چلنے میں،
  - ⑦ اس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان میں حکماً باندھے ہوئے ہیں
- بے شک عقل و دل والی قوم کے لیے اللہ کی شان کے بہت سے نشان ہیں۔ ان احکام سے ثابت ہو گیا کہ اسلام دین العمل ہے، وہ اہل اسلام کو بہبود و فراہمیت دنیا کے لیے بھی عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور ذخر آخرت کے لیے بھی عمل کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ یہ احکام اور یہ جامعیت اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔

## اسلام ہی باہنی اخوت ہے

ایک اخوت وہ ہے جو دو اشخاص کے درمیان خون کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔ اس اخوت کے متعلق کچھ تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔ اس اخوت میں ہر ایک بھائی کا حق قانوناً، روایاً، اخلاقاً مسلم ہوتا ہے اور ہر ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد اور معاونت کا بھین ہی سے خوگر ہوتا ہے۔

لیکن اس اخوت کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوتا، اور بایں ہمہ اس اخوت میں بھی سینکڑوں مثالیں تاریخ میں ایسی ملتی ہیں کہ بھائی بھائی کا دشمن رہا اور مدت العمر ان کے تعلقات صاف نہ ہوئے۔ بائبل اور قرآن مجید میں بائبل و قاتل کا واقعہ موجود ہے کہ قتل انسانی کی ابتدا دو بھائیوں ہی میں پائی گئی۔

ایک اخوت وہ ہے جو اتحاد عقیدہ کی بنیاد پر پائی جاتی ہے اور ہماری مراد اسی اخوت سے ہے۔ نبی ﷺ کے فیضانِ صحبتِ اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی، وہ اپنے تقدس میں ایسی برتر و اعلیٰ ہے، جس کی نظیر تاریخِ عالم میں تلاش کرنا عبت ہے۔ زمین و آسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی۔ مواخات مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی۔ نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخات مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدتِ اسلامی کا پیدا کرنا ٹھوٹا تھا۔ توسیعِ محبت اور استحکامِ انس و موت اس کی بنیاد پر تھی۔

### مواخاتِ مکہ

محمد رسول اللہ ﷺ	سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	سیدنا زبیر بن عارضہ رضی اللہ عنہ
زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	ابن مسعود رضی اللہ عنہ
سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

### مواخاتِ مدینہ

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت اور معاقدت سے قومی دل قومی بازو بنایا گیا۔ پچاس جوڑو پہلے تھے جو مسجد نبوی ﷺ میں سبقِ اتحاد سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

خَالَفَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ لِيُذَارِفَا مَوْتَيْنِ أَوْ قَلْبًا ۝

”ہمارے گھر میں نبی ﷺ نے دو تین بار مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت کو باہمی حلف کے ذریعہ قائم فرمایا۔“

ابن اسحاق بن علیؑ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:  
 ﴿تَأَخَّوْا فِي اللَّهِ أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ﴾ "اللہ کی راہ میں دو دو کس بھائی بھائی بن جاؤ۔"  
 معلوم ہوتا ہے کہ جو مومن رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے قائم فرمادیا تھا اس پر برابر عمل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ اس وقت  
 تک رہا، جب تک مکہ معظمہ فتح نہ ہو گیا اور مکہ سے آنے والوں اور ہجرت کرنے والوں کے لیے گردوغبار وحشت بالکل یہ دب نہ گیا۔  
 ذیل میں سوانحات مدینہ کا بھی ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے:

انصار	مہاجرین
خارجہ بن زیدؓ	سیدنا ابو بکر صدیقؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عتبان بن مالکؓ	سیدنا عمر فاروقؓ امیر المؤمنینؓ
اوس بن ثابت الانصاریؓ	امیر المؤمنین عثمانؓ ذوالنورین بن عفانؓ
سلمان قاریؓ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	سیدنا علی مرتضیٰؓ امیر المؤمنینؓ
سعد بن الربیعؓ	عبدالرحمن بن عوفؓ
سعد بن معاذؓ	ابو عبیدہ عامر بن الجراحؓ
کعب بن مالکؓ بن ابی ابوکعب الانصاری الخزرجی السلمی شاعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم	طلحہ بن عبد اللہ القرظی بن عبید اللہؓ (احد العشرة المبشرة)
ابی بن کعب الانصاریؓ	سعید بن زیدؓ
سلمہ بن سلامہؓ	زبیر بن العوامؓ
اسید بن حضیرؓ	سیدنا زید بن حارثہؓ
ابورویحہ الخثعمیؓ	سیدنا بلالؓ
معاذ بن جبلؓ	جعفرؓ بن ابی طالب (مقیم حبش)
حذیفہ بن الیمانؓ	عمار بن یاسرؓ
ابو ایوب انصاریؓ	مصعب بن عمیرؓ
سلمان قاریؓ	ابودرداءؓ
عمیر بن حمام بن جموحؓ	عبید اللہؓ بن الحارث بن عبد المطلب
معن بن عدی الجحلیؓ	زیدؓ بن خطاب
سوید بن عمرو الانصاریؓ	وہب بن سعد بن ابی سرح القرظی العامریؓ

19	ابومرشد غنوی <small>رضی اللہ عنہ</small>	عبادہ بن الصامت الانصاری السالمی <small>رضی اللہ عنہ</small>
20	ذوالشمالین عمیر بن عبد عمیر بن فضلہ الزہری <small>رضی اللہ عنہ</small>	یزید بن حارث بن قیس بن مالک الانصاری البخاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
21	عثمان بن مظعون <small>رضی اللہ عنہ</small>	عباس بن عبادہ خزاعی ذوالعقبین مہاجرہ انصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
22	طلیب بن عمیر بن وہب القرظی العبدری (ابن عمہ) النبی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small>	منذر بن عمرو بن خنیس الساعدی الانصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
23	ابوصدیفہ بن عتبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	عبادہ بن بشر <small>رضی اللہ عنہ</small>
24	معاویہ بن ابوسفیان <small>رضی اللہ عنہ</small>	قتاب بن یزید <small>رضی اللہ عنہ</small> [1]

### مواخات کا اثر

ہر ایک انصاری اس دینی بھائی کو اپنے گھر لے جاتا، اپنا مال و زرہ اسباب سامنے لاتا، اراضی سکنی و زرعی دکھلاتا اور نصف و نصف باہمی تقسیم کر لیتا۔  
سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو گھر لے گئے تو اس وقت ان کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ابن عوف کے سامنے لے آئے، کہا ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیجیے تاکہ میں اسے طلاق دے دوں اور وہ تمہاری خبیثہ (زوجہ) بنے۔ [2]  
ان دو بھائیوں میں سے جب کوئی مر جاتا تو دوسرا بھائی اس کے ترکہ میں سے حصہ بھی لیتا۔  
ترکہ سنبھالنے کا قاعدہ اس وقت ترک کر دیا گیا جب مہاجرین نے اپنے گھر خود بنا لیے اور اپنی جائداد پیدا کر لیں اور انصاری معاونت مالی سے مستغنی ہو گئے۔

### قرآن مجید میں مواخات کا ذکر

قرآن مجید میں اس مواخات کا ذکر چند مقام پر ہے:

﴿وَأَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ عَلِيمٌ﴾

شَفَا حُفْرَةً مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [آل عمران: 103]

”اللہ کی جو نعمت تم پر ہے اسے یاد کرو کہ تم تو تو ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم بفضل ربی بھائی بھائی بن گئے اور تم تو آگ کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ پھر اللہ نے تم کو وہاں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ

تو اپنی نشانی تم پر اس طرح واضح کر رہا ہے کہ تم ہدایت یاب بنو۔“

قرآن مجید نے ﴿كُنْتُمْ أَعْدَاءً﴾ کے الفاظ میں ان تمام لڑائیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بخوبی یاد تھیں اور جن میں وہ خود یا ان کے اقربا و آباء و احماد و اپنا برابر حصہ لیتے رہے تھے۔ یہی جنگ بے آب و گیاہ زمین کو انسانی خون سے سیراب کرتی تھی۔

[1] خاص مکہ شہر میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے بھگڑے،

- ② قریش اور مضر کی خصوصیتیں۔
  - ③ قریش اور حرب الحجاز۔
  - ④ کنانہ اور بنو قیس کی لڑائی۔
  - ⑤ عبید مناف اور اس کے اتحادیوں بنو زہرہ، بنو اسد، بنو قصیم، بنو الحارث، اور بنو عبد الدار اور اس کے اتحادیوں بنو سہم، بنو جمح، بنو مخزوم، بنو عدی کی عداوتیں۔
  - ⑥ مکہ سے باہر اور عرب کے اندر ملوک کندہ، ملوک غسان، ملوک حیرہ کی عداوتیں اور ان عداوتوں کی حالت میں سلطنت ایران کا عرب کے ایک حصہ پر اور سلطنت روم کا عرب کے دوسرے حصہ پر اور حبش کا عرب کے تیسرے حصہ پر قبضہ و غلبہ اور پھر ان سلطنتوں کی باہمی جنگ و جدال اور اس جنگ و جدال کا عربی قبائل پر پہلچاظ مآتھی مخالفانہ اثر۔
  - ⑦ یثرب کے اوس اور خزرج کی لڑائیاں۔
  - ⑧ یہودیان، بنو نضیر، بنو قینقاع، بنو خزاعہ اور خیبر وفدک و تنجاہ کی شرارتیں اور قبائل عرب کو ہمیشہ مصروف جنگ رکھنے کی پالیسی۔
  - ⑨ عیسائیاں دو حصہ الجندل و نجران و بحرین کی ریشتہ دوانیاں،
  - ⑩ بت پرست قبائل کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں نہرو آ زما ہونا۔
  - ⑪ زنا و قہر یہیہ کے منصوبے اور روباہ بازیاں۔
  - ⑫ عیسائیوں کے فرقہ ہائے ثلاثہ کا تو لگی (کیسٹھولک)، یعقوبی، اور پولوی سے اختلاف شدید اور ان اختلافات کی ترویج میں اہل عرب کو قربانی کا بکرا بنایا جانا، یہ سب وہ امور ہیں جو آیت ہالا کے لفظ کُفْتُمْ اَعْدَاءُ کے تحت میں داخل ہیں۔
- بعد ازاں ان سب اختلافات کا اٹھ جانا، نزاعات کا انتزاع، جھگڑوں کا خاتمہ، لڑائیوں کا انسداد و جذبات کینہ و انتقام کا محو ہو جانا، امن عامہ کا قائم ہو جانا اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی اعتقاد دل میں، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی مقصود کا منظور ہو جانا، ایک ہی مہجور و معبود کا مستحق عبادت و استعانت سمجھ لینا۔
- بھیسروں کا گلہ بان ہو جانا، رہنوں کا محافظ جان و مال کے لقب سے ملقب ہونا، دشمنان جان کا ایمانی و قلبی انخوان ہو جانا۔
- درحقیقت یہ ایسی نعمت عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بطور تذکار احسان ضرور ذکر فرمائے اور اسلام اس خصوصیت کو اپنے شرف اور برتری کی دلیل قرار دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مواخات کی تکمیل کرنے والوں میں سے ہر ایک فریق کی تعریف فرمائی ہے۔

مہاجرین کے حق میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا جُؤمِنًا دِينًا مِّنْ دِينِ اللَّهِ وَأُمُؤَالِهِمْ يَتَتَفُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَبِئْسُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾  
 ﴿المحشر: 8﴾

”یہ وہ ہیں جو اپنے وطن اور گھریلو ذر و مال سے نکال دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فضل اور رضوان کے جو یا ہیں اور اللہ اور رسول کی نصرت کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ تو صادق ہیں۔“



آیات بالا میں ان کی مظلومی اور جبراً وطن سے اخراج و جاکد اسے محرومی اور بایں ہمہ ان کا ثابت القلب ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل کا خواہاں اور رضوان الہی کا جو یا ہونا اور جملہ وسائل معیشت سے محروم ہونے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی نصرت میں استمرار و استحکام کے ساتھ لگے رہنا بیان فرمایا ہے، اور پھر حصر کے طور پر فرمایا کہ یہی لوگ صادق ہیں۔

دوسرے مقام پر کل دنیا کے اسلام کو حکم دیا:

﴿ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ [التوبہ: 119] ”تم کو صادق لوگوں کی معیت چاہیے۔“

صادقوں کا حصر اور تعین آیت بالا میں کر دیا گیا تھا۔

انصار کے متعلق اسی مقام پر فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَجِبُ لَهُمْ مَن هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَنَفْسِهِ فآوَىٰ إِلَيْكَ هُمُ الْمُغْلِبُونَ ﴾ [البقرہ: 19]

”اور دارالہجرت (مدینہ) کے رہنے والے جو پہلے سے ایمان لائے ہیں وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور جو تھوڑا بہت ان کو دیا جاتا ہے، اس کی بابت ان کے سین میں خلش نہیں ہوتی، وہ بھی ایثار کرتے ہیں، خواہ وہ خود ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ہاں جو کوئی تنگ ولی سے پھایا گیا تو وہ فلاح والا ہے۔“

ان آیات میں دارالہجرت کا قیام اور قدامت ایمان اور محبت مہاجرین اور عطیات میں کمی بیشی سے استثناء اور تنگی و افلاس میں بھی ایثار پر عمل کرنا انصار کرام کی صفت بتائی گئی۔

ہر دو آیات پر مکرر غور کرو۔

① مہاجرین کا ایثار یہ کہ اللہ اور رسول کے لیے گھریا، خویش و تبار کو تنگ دیا۔

اور انصار کا ایثار یہ کہ خود تنگی اٹھائی اور مہاجرین کی ضرورت کو پورا کیا۔

② مہاجرین کی فضیلت ایمانی یہ کہ ان کا مقصود رضوان ربانی ہے۔

انصار کی فضیلت ایمانی یہ ہے کہ ہجرت سے بھی جو شتر ان میں ایمان (بعد از بیعت عقبہ) پہنچ گیا تھا۔

③ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ ان کے جملہ افعال اللہ اور رسول کی نصرت کے لیے ہیں۔

انصار کی فضیلت یہ کہ انہوں نے مہاجرین کو محبوب بنا لیا اور خود ان کے محبت ہو گئے۔

④ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ وہ صادق ہیں۔

انصار کی فضیلت یہ کہ وہ مظلوم ہیں۔

یہ ہے وہ اخوت اسلامی جس کا بانی اسلام ہے۔

یہ ہے وہ محبت ایمانی جس کی بنیاد نہ منفعت مادی پر ہے اور نہ لذت نفسانی پر، یہی وہ اخوت ہے جو اغراض سے بالاتر اور مادیت

کے اثر سے بلند ہے۔

ذرا میدان احد تک اپنی نگاہ علمی کو وسیع کرو۔

کہ بادشاہ دو جہان کی بیوی، چیتی ملکہ، موئین کی ماں طیبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پانی کی منگ کندھے پر اٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک فرزند اسلام کو پانی پلا رہی ہے۔ زخمیوں کے منہ میں قطرہ قطرہ پڑھا رہی ہے۔ کیا کسی دنیوی بادشاہ کی ملکہ نے بھی کبھی ایسا کام کر دکھا یا ہے۔ (1)

ایک صحابی کی سنو، حدیثہ العدوی رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ یرموک میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلا، پانی ساتھ لے گیا تھا۔ بھائی کے پاس پہنچ گیا، اسے پانی پلانے کو تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی ”آؤ زخمی نے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ، وہ اس کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں، انہیں پانی پلانے لگا تو تیسرے زخمی کی آواز آئی، اس نے کہا، پہلے اسے پلاؤ، اس کے پاس پہنچا تو جاں بحق ہو چکا تھا۔ واپس آیا تو ہشام رضی اللہ عنہ کو پایا کہ جنت کو سدھا رہا گیا، واپس آیا اور بھائی کو دیکھا وہ بھی جامِ طہور کے سرور حاصل کر چکا ہے۔

میدان جنگ اور زخمی اور آخری سانس اور اپنے اپنے نفس کے مقابلہ میں دوسرے بھائی کا (جو خون کا بھائی نہیں) بلکہ ایمان کا بھائی ہے یہ احترام، یہ تقدم، اسلام کے سوا اور کہاں نظر آسکتا ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ یہ اثر صرف عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی تھا۔

سین کے خلیفہ کی لوٹدی زہرا کا نام آپ نے قصر زہرا کے سلسلہ میں سنا ہوگا۔ اس لوٹدی نے مرتے وقت وصیت یہ کی تھی کہ اس کا مال اس مسلمان کی رہائی میں صرف کیا جائے جو کسی غیر قوم کی قید میں مجبوس ہو۔

وصیت کے مطابق تین سال تک یورپ اور افریقہ اور ایشیا میں تلاش کی گئی۔ کوئی ایسا مسلمان نہ ملا۔ آخر اس کا روپیہ اس محل کی تعمیر پر اس کی یادگار میں لگا دیا گیا۔ (2)

کہتے ہیں کہ اس قصر کی لاگت ان دنوں پچاس لاکھ (450000000) تھی۔

کہتے ہیں کہ فری مین (Free Man) لاج والے لاج کے اندر ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر بلاتے ہیں، ان کی اخوت اور اسلامی اخوت کا مقابلہ کر کے دیکھو، فوراً قرار کرنا پڑے گا کہ جس اخوت کو اسلام نے پیش کیا ہے، وہ اس کی خصوصیات میں سے ہے۔

## فصل ہشتم 8

### اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں یانیاں و ہادیان، مذاہب کی شخصیت کے متعلق جو اعتقادات قبل از اسلام موجود تھے، ان پر غور کرو۔ یہودیوں کا اعتقاد، یعقوب و داؤد و عزیر علیہم السلام کی نسبت کہ ان میں سے ہر ایک خدا کا بیٹا تھا یا پہلو بنا بیٹا تھا۔ عیسائیوں کا اعتقاد مسیح کی نسبت کہ وہ خدا کا پیارا بیٹا اور قادر المطلق اور ثالث ثالث (الوہیت کے تین ارکان میں سے ایک) ہے۔

(1) تاریخ: 4064، مسلم: 1809 (2) صحیح الطیب: 523/1

مہا بھارت کا بیان۔ کرشن جی مہاراج کی نسبت کہ وہ خود خالق عالم و عالمان تھا۔ پارسیوں کا اعتقاد و زرتشت کی نسبت کہ وہ جہاں تیرتا۔ یعنی عالم ملکوت سے تھا۔

بدھوں کا اعتقاد، مہاتما گوتم بدھ کی نسبت کہ وہ (ارہم) خود ذات پاک تھا۔  
سناتن دھرمیوں کا دعویٰ کہ پانچوں پانڈوں کو اکب نورانی کے فرزند تھے۔  
تاتاریوں کا دعویٰ کہ آلتھوایتیم کے بیٹے نور کے فرزند تھے۔

یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بزرگوں کی عزت و توقیر کے بڑھانے میں ایک قابل تعریف کام کیا ہے۔ حالانکہ اس اعتقاد کا لزوم یہ ہے کہ انسانیت کا درجہ اتنا کمتر اور فروتر ہے کہ یعقوب و داؤد اور عیسیٰ و عزیر علیہ السلام کرشن و راجندر راو زرتشت و بدھ جیسے اشخاص بشریت میں پائے ہی نہیں جاسکتے، بلکہ یہ درجہ بلند ان استیوں کے لیے ہے جو حقیقتاً انسان نہ تھے۔ ایک منصف غور سے بتلائے کہ اس نے اپنے بزرگ کی صفت کرتے ہوئے انسانیت کو کس قدر ذلیل بنا دیا ہے اور چوں کہ اس بزرگ سے انسانیت کی نفی حقیقتاً کسی طرح نہیں کی جاسکتی اس لیے دراصل اس شخص نے ان کی بزرگی کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کو انسان بنا کر پھر ان کا مراتب روحانیت میں برتر اور اعلیٰ تر ہونا ثابت کیا ہے۔

اسلام اسے بالکل غلط قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی انسانی جسم کے اندر خود الوہیت کا حلول تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک کسی برگزیدہ انسان کو بنائے جنس کی رہبری و ہدایت کا شرف بھی حاصل نہ ہو سکے۔ اس غلط اصول کے مفاسد کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ہر نظام و جہان نے بھی اپنے لیے وہی درجہ تجویز کیا جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے باؤلی مذہب کے لیے ان کے مذہب والوں نے تجویز کیا تھا۔ فرعون راعیا کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

﴿أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ﴾ [النعام: 24] "میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔"

وہ اپنے دربار والوں سے کہا کرتا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ عِيبٌ﴾ [انقص: 38]

"اے سرداران دربار، میرے علم میں تو میرے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔"

[1] آتش ادتار، سب سے پہلا جو 9 دھندہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور ایک ہندوئی اس نے جامد انسانی میں آتا ہے۔ (2) کچھ ادتار، مصلیٰ کی صورت میں ملک دکن میں نمایاں ہوا اور اس کے ظہور کے بعد طوفان عظیم آیا اور 117 کھ 28 ہزار سال تک زمین زیر آب رہی۔ (3) کچھ ادتار، جس کی پشت پر کوہ ہندو کی مدھانی رکھی گئی اور سمندر بلوئی گئی اور 14 تا 14 (14) ایشیا کا استخراج ہوا

(1) کچھ ادتار، زمین کی شکل میں مشرق عالم کا سامان جمع ہوا۔ (2) گنوت و سن، نہایت قیمتی پیرے کی شکل میں جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہو سکا۔ (3) کلب برک کی شکل میں اسے پار چانگ بر پھوگی کہتے ہیں جسے خزاں نہیں آتی، جس کی خوشبو سے سارا عالم معطر ہے (4) سر، شراب (5) دھتر، طبیب کی شکل میں جس کے داہنے ہاتھ جو تک اور بائیں ہاتھ میں بلیڈ ہوتی ہیں، پیداؤں موجود تھا۔ (6) چند ماں۔ ماہتاب (7) کام و دین وہ گنوت جس کے تھن سے جو شے چاہتے ہو وہ نکلتے ہو۔ (8) اپہایت، فیل سفید کی شکل میں جس کے چار دانت تھے (9) سنگھ، سفید رنگ کا بگڑی گھوٹا جس کے پاس ہوتا ہے وہی گنوت پاتا ہے۔ (10) کچھ برہاٹھ (11) امرت۔ آب حیات (12) اش۔ سات سروال کھوڑا۔ (13) ان بھادو، خیرہ (14) نیکو، عورت

کلمہ اللہ موسیٰ علیہ السلام جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید و تقدیس بیان فرماتے ہیں اور فرعون کو بتاتے ہیں کہ رب العالمین تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور خلا و فضا کا مالک ہے، تب بھی اسے یقین نہ آتا، جب بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو تمہارے باپ دادوں کا پیدا کرنے والا تھا، تب بھی اس کی دیوانگی دور نہ ہوتی۔ جب اسے بتایا جاتا کہ رب العالمین تو وہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک تمام عالم کا خالق ہے، تب بھی اس کی عقل درست نہ ہوتی، جملہ دلائل کو سن کر منہ سے بکنا تو یہ کہ:

﴿لَئِنْ اتَّخَذَتِ الْهَآءِ غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُورِينَ﴾ [اشعراء: 29]

”خبردار اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو الٰہ سمجھا تو تجھے قید کر دیا جائے گا۔“

خلیل الرحمن ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی ایک احمق جبار بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ بھی حیات و موت کے اختیارات رکھتا ہے، یہ احمق سمجھتا تھا کہ کسی شخص کو بنا دے پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دینا موت پر قدرت رکھنا ہے اور کسی واجب القصاص کو چھوڑ دینا اسے حیات بخش دینا ہے۔ ان سب غلط فہمیوں کا سبب واحد یہی ہے کہ انسانیت کو سمجھائی نہیں گیا تھا۔

اسلام کا مدعا یہ ہے کہ الوہیت کی صفت علیا کا علوق قائم رہے اور انسانیت کا درجہ بھی اپنے منہجائے عروج تک پہنچ جائے۔ تب یہ تعلیم دی گئی کہ جملہ مقدسین و متبوعین بھی انسان ہی ہیں۔ اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ﴾ [الانبیاء: 7]

”ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن کو رسالت کے ساتھ مامور کیا وہ انسان ہی تھے، ہماری وحی ان کو ملتی تھی۔“

﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ﴾ [الانبیاء: 8]

”ہم نے ان کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ جیتے رہنے والے بھی نہ تھے۔“

﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسِفُونَ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾ [الانبیاء: 26-27]

”وہ تو باعزت بندے ہیں، بات چیت میں اللہ کی اجازت سے آگے نہیں بڑھتے اور اللہ کے حکم پر عمل کیا کرتے ہیں۔“

انسانیت کے ثبوت میں یہ بتلایا کہ وہ کھانے پینے سے مستثنیٰ نہ تھے، نیز ایک وقت پیدا ہوئے اور دوسرے وقت دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی فضیلت کے ثبوت میں فرمایا کہ وہ صاحب وحی ہوتے تھے۔ منصب دار رسالت ہوتے تھے اور دربار الہی میں اعزاز و اکرام والے ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے معاملات کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ان کی زبان اور ان کے جوارح ادب اور حکم کے تحت میں ہوتے، حکم کے بغیر ان کی زبان پر ایک حرف تک نہ آتا اور جب حکم مل جاتا تو اس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔ ان آیات میں قوت علیہ اور قوت عملیہ کا بھی ذکر ہے اور ان کے مراتب روحانی کا بھی اظہار اور یہی وہ امور ہیں، جن سے مقدسین کا باوجود انسان ہونے کے جملہ کائنات سے برتر و ممتاز ہونا ثابت ہے۔

ان بیانات سے انسانیت کا درجہ بلند تر ہو گیا، کیوں کہ انسانیت ہی شائستہ رسالت ٹھہری۔ انسانیت ہی شرف دار خطابت ہوئی، انسانیت ہی علم الہی کے نزول و بروز کا سرچشمہ ٹھہری اور انسانیت ہی اعمال کی تکمیل و تعمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئی۔ بے شک اس مسئلہ کا اظہار خصوصیات اسلام میں سے ہے اور انسانیت ان کی مرہون احسان ہے۔

### اسلام ہی غیر متعصب دین ہے

اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اغیار نے بہت سے جھوٹے الزام اس پر لگائے ہیں اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام دینے والوں ہی میں موجود اور ثابت تھے، مگر انہوں نے ہوشیاری اور عیاری یہ کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے انہی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر نا اہل مسلمانوں کے افعال کو تعلیم اسلام کا نتیجہ قرار دے کر مذہب اسلام کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

- ① تعصب کے معنی یہ بھی ہیں کہ عطائے حقوق کے وقت کسی کو حق سے زائد دیا جائے اور کسی کو حق سے کم۔
- ② اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی آزادی عقل اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔
- ③ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذہب کو حق حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔
- ④ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی برکات و انوار کا مستحق خود اپنے ہی آپ کو سمجھا جائے اور دوسروں کو ان برکات و انوار سے بالکل دور رکھا جائے۔

بھرا اللہ کہ اسلام کی تعلیم ان جملہ نفاکس سے پاک ہے۔ قرآن عظیم اور رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کو برائیاں اور اپنے دامن کو اس خارزار سے ہمیشہ بلند تر رکھا۔

تعصب کے ہر چہار (4) اقسام کی انہی کا یقین مندرجہ ذیل آیات قرآنی اور معاملات اسلامی سے بخوبی ہو جائے گا۔

- ① ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا بِالْعُقُوبِ﴾ [المائدہ: 1]  
”اے ایمان والو! معاملات کو پورا کیا کرو۔“
- ② ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا﴾ [المائدہ: 2]  
”اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا۔ تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرنے لگو۔“  
﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِنِّمِ وَالْعُدُوَانِ﴾ [المائدہ: 2]  
”نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور سرکشی میں مدد نہ کرو۔“
- ③ ﴿قُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ الْمَاصِيرُ﴾ [الشوریٰ: 15]  
”اے رسول کہہ دیجیے، اللہ نے جو کتاب میں اتارا، میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کیا کروں۔ ہمارا رب اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ ہم کو ہمارے اعمال، تم کو تمہارے اعمال۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہی ہم کو اکٹھا کرے گا اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔“
- ④ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [المائدہ: 8]

”اے ایمان والو تم (1) اللہ کے واسطے قائم رہنے والے (2)۔ انصاف کے ساتھ سچی گواہی دینے والے بن جاؤ (3)۔ اور کسی قوم کی عداوت تم کو بے انصافی کی طرف نہ کھینچ لے جائے (4)۔ عدل کیا کرو، عدل ہی خدا ترسی سے قریب تر ہے، اللہ سے ڈرو، وہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔“

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران: 64]

”اے رسول کہہ دیجیے کہ اے یہودیو اور اے عیسائیو، اے کتاب والو، آؤ ایک ایسی بات پر سمجھوتہ کریں جو ہمارے تمہارے لیے مساوی ﴿1﴾ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں ﴿2﴾ اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں ﴿3﴾ اللہ کے سوا کوئی انسان کسی انسان کو اپنا رب نہ ٹھہرائے۔ اگر یہ لوگ اس پیغام سے انکار کریں، تب ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہنا تم تو ان حکموں کے ماننے والے (مسلمان) ہیں۔“

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرہ: 256]

”دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی دباؤ یا سختی نہیں، ہدایت اور گمراہی کو تو صاف الگ الگ واضح کر دیا گیا۔“

ان آیات کے بعد کیا کوئی دوسرا شخص بھی اپنی پاک کتاب میں ایسی یا اس سے اعلیٰ تعلیم کی موجودگی ثابت کر سکتا ہے۔

ہاں! ان آیات کی تعلیم میں رواداری کے جو نمونے، بے تعصبی کے جو ثبوت ہادی اسلام ﷺ نے اور حضور ﷺ کے خلفائے راشدین المہدین نے اور ملوک عظام نے دنیا کے سامنے پیش کیے، وہ سب اسلامی کتب میں اب تک موجود ہیں۔

نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جو معاہدہ یہودیوں کے ساتھ کیا تھا، وہ قابل ملاحظہ ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہودی وہ ہیں جن کے ساتھ نہ کبھی باہل کی بت پرست سلطنت نے حسن سلوک کیا اور نہ مصر کی حکومت نے ان پر رحم کھایا اور نہ یہوداہ کی نسل میں پیدا ہونے والے مسیح علیہ السلام کی امت نے ان کو کبھی انسان یا آدمی سمجھ کر ان سے کبھی کوئی مراعات کی۔

نصارئی کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ بھی ملاحظہ طلب ہے، ان معاہدات کو رجحاناً لعا لیسین جلد اول میں پڑھ لیجیے اور انصاف کیجیے کہ کیا ان سے اسلام اور داعی اسلام کی بے تعصبی، سیر چشمی اور کس قدر رواداری ظاہر ہوتی ہے۔

حکمرانان امویہ و عباسیہ و اندلس و قاطیہ کی شان و شوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ صدیوں تک آباد رہنا۔

یہودیوں، عیسائیوں کا بلا امتیاز صد سے ہر ایک منصب پر فائز ہو جانا ہماری روشن دلیل ہے۔ ہندوستان پر نظر ڈالیے۔ اس وقت اوپچی قوموں کے لیے لفظ آریہ نہایت موزوں سمجھا جاتا ہے۔ مگر آریہ ورت کا جو رقبہ ستیا رتھ پرکاش میں محدود کیا گیا ہے اس میں احاطہ مدراس اور احاطہ بنگال اور شمال مغربی صوبہ شامل نہیں ہو سکتے۔ صوبہ بہار کے اکثر مقامات بھی اس آریہ ورت کے رقبہ سے باہر ہیں۔ اس احاطہ بندی نے کروڑوں انسانوں کو شریف قوم یا آریہ کہلانے سے محروم کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی فیاضی دیکھو کہ انھوں نے دریائے انڈ (انگ) کو قدرتی حد قرار دے کر اس طرف والوں کو ہندو لقب دیا۔ اس نام کے تحت میں اس ملک کے رہنے والی سب قوموں کا اجتماع ہو گیا اور ان میں جمعیت پیدا ہو گئی اور کسی کو غیر شریف کہنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کا یہاں کے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا تو انھوں نے لالہ کا خطاب دیا، جس کے معنی بڑا بھائی ہیں اور یہ لغت اب تک سرحدی صوبہ میں اس معنی میں مسلمانوں میں مروج ہے۔ لالہ موسیٰ ایک مشہور بستی اور مشہور ریلوے اسٹیشن ہے جو ایک بزرگ مسلمان کے نام سے آباد ہوئی تھی۔

اورنگ زیب کو تعصب کہا جاتا ہے مگر اس کے دربار میں ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے (جس کی بے تعصبی مسلمہ ہے) زیادہ لمبی ہے۔

اورنگ زیب نے راجپوتانہ کی کسی ہندو ریاست کو شامل ملک محفوظ نہیں بنایا، حالانکہ دکن کی چار اسلامی سلطنتوں کو فتح کر کے جزو سلطنت بنا لیا تھا۔

سقی اور صغریٰ کی شادی کے خلاف بھی کوئی مداخلت نہ کی۔ دارالسلطنت آگرہ اور دارالخلافہ دہلی کے قرب و جوار میں اب تک ہندو صاحبان کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔

ہندو راجاؤں کو جو خطابات عطا کیے ہیں، ان کو ملاحظہ کرو۔ کیسے عظیم الشان ہیں۔ ہر ایک خطاب کے ساتھ نیا علاقہ بھی ضرور ہوتا تھا۔ ذرا اس سلوک کو بھی دیکھیے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اچھوت کا درجہ دیا، مگر مسلمانوں نے کبھی ان کو اچھوت نہ بنایا۔ تجارت کو بالکل ہندوؤں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا۔ مندروں پاٹ شالاؤں کے لیے جاگیریں دیں، اہلیا گتوں کے لیے لنگر کھولے۔

اپنے سابقہ وطن سے قطع تعلق کر کے ہندوستان ہی کو جینے اور مرنے کے لیے پسند کیا، اپنی زبان کو چھوڑ کر یہاں کے باشندوں کی زبان کو اپنی زبان بنایا اور اسی کو محلات اور دربار کی زبان قرار دیا۔

غور کے بعد بتاؤ، بے تعصبی کا ثبوت ان امور سے بڑھ کر کوئی معترض خود بھی اپنے فعل و قول سے پیش کر سکتا ہے؟ بیرونی تجارت عرب اور چینوں کے ہاتھ میں تھی، جب یورپین اقوام نے ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا تو ان کو خیر مقدم کہا گیا، ان کا مال کسٹم ڈیوٹی سے آزاد کیا گیا۔

سیاست حالیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بیرونی اداری اور بے تعصبی ہی ان کی سلطنت اور اقتدار کے زوال کا باعث ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک سیر چشم مسلمان اس اعتراض کو اپنے اوپر چسپاں کر لینے پر رضامند ہو سکتا ہے، مگر وہ یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔

ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر شاید کوئی صاحب غزوات و سرایائے اسلام کا حوالہ دیں اور حروب عرب کو تعصب دینی کی دلیل قرار دیں، لیکن درحقیقت ایسا کرنا تاریخ اور علل واقعات سے ناواقفیت پر مبنی ہوگا۔

ہم نے غزوات و سرایا کا مکمل مضمون اسی کتاب کی جلد دوم میں تحریر کر دیا ہے اور بطور تمبیہ دکھلایا ہے کہ نبی ﷺ کے غزوات صرف اسی قوم اور خاندان کے ساتھ ہوئے، جس میں سے خود حضور ﷺ اور سابقون الاولون بھی تھے۔ حضور ﷺ ہی کی قوم نے اسلام کی عداوت و مخالفت میں سارا زور لگایا اور انہی سے لڑائیاں ہوئیں۔ لہذا یہ خاندانی جھگڑا کسی طرح تعصب دینی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی جنگیں نہ اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے تھیں اور نہ دوسرے مذاہب کے لیے موجب آکراہ تھیں۔ رب العالمین نے اسلامی حروب کے متعلق جو وہ بیان کیا ہے، وہ قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿لَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَهَيَّجَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ

اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ، إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [آج: 40]

”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدافعت نہ کرتا اور بعض کے ذریعہ بعض کو نہ ہٹا دیتا، صوامع، بیع، صلوات اور مساجد میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے ضرور گرا دی جاتیں اور اللہ تو اس کی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ (کے مقاصد) کی مدد کرتا ہے اللہ تو قوت والا اور غلبہ والا ہے۔“

صَوَامِعُ صومعہ کی جمع ہے۔ لغت میں اس عمارت کو کہتے ہیں، جو اوپر سے تیلی ہوتی جائے، درویشان قوم ترسا کے خلوت خانے اسی شکل کے ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے مندروں کی شکل بھی یہی ہے اور اس نام سے معروف ہیں۔

بِيَعٌ بیعہ کی جمع۔ عیسائیوں کا گرجا۔ صَلَوَاتٌ یہ عبرانی صلوة کا معرب ہے۔ عبادت گاہ یہودوں۔ مَسَاجِدُ معبد مومنین المسلمین۔ آیت بالا ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی کو قائم کر دیں، بدامنی دور کر دیں۔ پارسیوں، عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص نہ گرا سکے۔

تاریخ کا ادنیٰ واقف بھی جانتا ہے کہ ایرانیوں نے بہ عہد پرویز ایشیائے کوچک پر قابض ہونے کے بعد عیسائیوں کے گرجاؤں کو گرا دیا تھا اور دس (10) سال کے بعد عیسائیوں نے مکرر غلبہ کے بعد پارسیوں کی پرستش گاہوں کو فنا کر دیا تھا۔

یہودیوں کے عبادت خانے تو سب کے سب شاہان روم کے ظلم و تعصب کی وجہ سے زمین کے برابر کر دیے گئے تھے، حتیٰ کہ یروشلیم کی زمین کو بھی جس کی عمارت 80ء میں نیروشاہ روم نے گرا دی تھی۔ قسطنطین (اولین عیسائی بادشاہ) کی والدہ کے حکم سے کوڑا کرکٹ گرانے کی جگہ بنایا گیا تھا۔ مسلمانوں کی مساجد تو بالکل ہی غیر محفوظ تھیں، کیوں کہ پارسی و ترسائی و نصرانی مسلمانوں کے خلاف بالاتفاق عداوت پر ڈٹے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اٹھایا اور انہی کے دوش پر معاہدہ عالم کی حفاظت کا بار رکھا اور انھوں نے اس بار کو خوش گوار فرس کے طور پر اٹھایا۔

آیت بالا میں ایک خوش گوئی بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی جنگیں اصول بالا کے لیے ہوں گی تب ان کو منجانب اللہ نصرت عطا کی جائے گی اور وہ ہر ایک اس قوم کے مقابلہ میں جو کسی دوسرے مذہب کے معاہدہ کو تباہ کرنے والی ہے، ضرور مظفر و منصور ہوں گے۔

رب العالمین کے اسی کلام صداقت نظام کا اثر اور معجزہ تھا کہ خلافت صدیق عَلَيْهِ السَّلَامُ، فاروق عَلَيْهِ السَّلَامُ اور ذوالنورین عَلَيْهِ السَّلَامُ میں اسلامی لشکر کو کسی ایک جگہ پر بھی شکست نہیں ہوئی، بلکہ ہر ایک جگہ ﴿إِنَّا جُنَدْنَا لَهُمُ الْعَالَمُونَ﴾ اللہ ہی کا لشکر غالب آئے گا“ کا نظارہ نظر آتا رہا اور اس کامیابی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی جنگیں ٹھیک اسی اصول (حفاظت و احرام معاہدہ مذاہب عالم) پر تھیں۔

کیا اب بھی کسی کے نزدیک اسلامی جنگیں قابل اعتراض ہو سکتی ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں ہی کا حوصلہ تھا کہ اپنی جانیں قربان اور اپنے سینوں کو آماج تیر و سنان بنا کر غیر مسلموں کے معاہدہ کی حفاظت کی۔ کیا کوئی اور قوم بھی اپنی بے تقصیبی کا ثبوت اس طریق سے دے سکتی ہے۔



ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ اسلامی قبضہ سے پیشتر شام و فلسطین و عراق و مصر میں پیشوا یان عیسائیت اور فرمان روایان کلیسا نے عام لوگوں کو اور پھر فرقہ واری کے جنون میں خود عیسائیوں کی جان و مال کو کس قدر محفوظ رکھا تھا۔

وہ مسائل جن پر صدیوں تک عیسائی فرقوں میں خون ریزی جاری رہی، یہ تھے۔

① کیا مسیح علیہ السلام ایک جسم اور ایک روح والا تھا؟

② کیا مسیح علیہ السلام ایک جسم اور دو روح والا تھا؟

③ اگر وہ ایک جسم اور ایک روح والا ہی تھا، جب اس کے جسم میں انسانی روح تھی یا الوہیت کی روح؟

④ اگر اس کے اندر انسانی روح تھی، تب اس کی الوہیت کی ابتداء کس طرح سے اور کب سے ہوئی؟

⑤ اگر مسیح علیہ السلام ایک جسم اور دو روح (انسانی اور الہی) والا تھا، تب کون سی روح غالب تھی؟

⑥ کیا کبھی روح الوہیت روح انسانی پر اور کبھی روح انسانی روح الوہیت پر غالب بھی آ جایا کرتی تھی؟

⑦ مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنا مع روح الوہیت تھا یا بلا روح الوہیت تھا؟

⑧ اگر مصلوبی کے وقت روح الوہیت شامل نہ تھی، تو روح انسانی کیوں کر گنہگاروں کے گناہوں کی برداشت کی متحمل ہوئی؟

⑨ اگر روح الوہیت شامل تھی تو کیا الوہیت بھی مصلوب ہوئی؟

الغرض ایسی ایسی موٹا گائیوں نے مسیح کی صاف اور سچی تعلیم کو ایک عجیب گورکھ دھند ا بنا دیا تھا۔ نئی نئی بدعات کے ساتھ نئے نئے فرقے بنتے تھے اور ایک دوسرے کا گھلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیح کی خوشنودی کا موجب سمجھتے تھے۔

اس خون ریزی کو دنیا کے بہت بڑے رقبہ پر صرف اسلامی قبضہ ہی نے بند کیا۔

ایران پر مشرک و کید اصول کی حکومت تھی اور کسی عورت کو زندہ رہنے کا حق نہ تھا، جب تک وہ اپنے آپ کو قوم کی مشترکہ جائداد نہ بنا دے۔

پوران دخت و ایران دخت جیسی صاحب تخت و تاج حکمرانوں نے اس اصول کی تعمیل نہ کرنی چاہی تو فوراً ان کو تخت کی جگہ تخت

موت دیکھنا پڑا۔

اسلامی قبضہ ہی نے ایران کے جان و مال کو محفوظ کیا اور اسلام ہی کی بے تعصبی ان کی زندگی کا سبب ٹھہری۔

کتاب ستیا رتھ پرکاش میں گوشائیں، ہیراگی چیراگت (آچاری) ویشنو آؤک، دام مارگی، چوٹی، مارگ فرقوں کے نفس انفعال

اور فحش منتروں کا ذکر موجود ہے۔ ایسے فرقوں کا وجود ہندو میں باہمی جنگ و جدال کا موجب تھا۔

ہند میں داخل ہونے والی ہندو قوموں نے یہاں کے مفتوحین کو چھوٹ قرار دیا تھا۔ ہزاروں سال سے اسی پر اب تک عمل موجود ہے

اور بدھ ازم اور جین مت نے ہندوں کی نسلوں اور پشتوں کو تباہ کرنے میں اور شکر اچارج کے قائم کیے ہوئے بدھ مت نے لوگوں کو ہندوستان

سے خارج کرنے میں جو جو کارنامے اس ملک میں کیے ہیں وہ تعصب کی خوبی داستان ہے۔ اسی تعصب اور عناد باہمی کا نتیجہ تھا کہ سارے

ہندوستان پر کسی ہندو راجہ کو شاہانہ حکومت حاصل نہ ہوئی اور یہاں کی ہر ایک چھوٹی حکومت دوسری چھوٹی حکومت سے برسر پیکار رہی۔

اسلام ہی کی بے تعصبی نے ان سب فرقوں کو اور سب حکومتوں کو اور جملہ مذاہب کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہنے کی تعلیم کو دولت

برطانیہ نے اسلامی سلطنت سے اپنے چارج میں حاصل کیا ہے۔ اور ان سینکڑوں مذاہب پر ملک ہندوستان میں حکومت کرنا نسبتاً بہت آسان ہو گیا، مگر اس کے مقابلہ میں انگلینڈ و ویلز آئر لینڈ و سکاٹ لینڈ پر حکومت کرنا زیادہ دشوار رہا، جن میں یہ لحاظ صرف دو ہی فرقے پر اسٹنٹ (Protestant) اور کاتولیک (Catholic) آباد ہیں۔  
عام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں تعصب نہیں۔

### فصل دہم 10

## اسلام ہی دین المحبت ہے

ذرا غور کرو کہ اسلام معرفت الہی کی تعلیم کن الفاظ میں دیتا ہے۔

① وہ رب العالمین ہے، ہر ایک شے جو نمودار ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو نشوونما قبول کر سکتی ہے، جو کسی حرکت سے متحرک ہے، اسے وجود بخشنے والا، اس کی ہستی کو قائم رکھنے والا، اس کے خواص کی حفاظت کرنے والا۔ اس کی ماہیت و کیفیت خاص سے اسے امتیاز بخشنے والا، اس کی ضروریات حیات کو بہم پہنچانے والا وہی ہے، جو اسلام کا اللہ ہے۔

② وہ رحمن ہے۔ یہ لفظ لغوی حیثیت سے لفظ رحمت سے مبالغہ کے لیے وضع ہوا ہے اس کا ترجمہ کمال رحمت والا ہے

سلسلہ وحی کا قیام برکات سماوی کا نزول، انوار عرفان کا انعکاس اسی رحمت کا نتیجہ ہے۔

ارض و سما اور خلاء و فضاء کا قیام اسی رحمن کے حکم سے ہے چرند پرند کی بقا اسی رحمن کے عطیہ سے ہے۔

رحمن وہی ہے جو ہر ایک در ماندہ کی توانائی ہے۔ ہر ایک پسماندہ کی ہدایت ہے، اسی کی استعانت ہمیں اس کی رحمت تک لے جاتی ہے۔ اسی کی رحمت قعر فرش سے انتہائے عرش تک قادر و متصرف ہے۔

③ وہ ”رحیم“ ہے۔ رحم رحیم سے ہے۔ لغوی حیثیت سے صفت مٹہہ کا صیغہ ہے۔ اس وزن کے الفاظ اپنے اپنے معانی کے لحاظ سے معنی دوام پر حاوی ہوتے ہیں۔ لہذا اسم پاک رحیم ظاہر کرتا ہے کہ رحم ہمارے مالک کی ان صفات کاملہ میں سے ہے، جن کو ذات پاک کے ساتھ لزوم و دوام حاصل ہے۔ حدیث ترمذی ④ میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا۔

أَلَيْسَ اللَّهُ أَرْحَمَ بِعِبَادِهِ مِنَ الْأُمَّمِ بَوْلَيْدِهَا

”کیا اللہ کا پیارا اپنے بندوں کے ساتھ اس پیار سے زیادہ نہیں، جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔“

فرمایا یہ بات بالکل درست ہے۔

ایک حدیث میں ہے: اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُم مِّنْ فِي السَّمَاءِ ⑤

خوب حال پانی پی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ نے اسی کا ترجمہ اپنی مقبول عام و خاص مسدس میں فرمایا ہے۔ ⑥

① ابن ماجہ: 4297، ترمذی: 4179، ترمذی: 20273، الدرر المنجی: 36، ② خوب الطاف حسین حالی کی وفات پر اقم نے یہ تفسیر تاریخ تحریر کیا تھا۔

سال وفات مظہر حق حالی بزرگ مسلمان سرور غیب بمن گفت یاد دار

بچوں بیروزہ زیادہ دم مکنی شمار سے بار سے نویں و بیگ بار یک شمار

کرو مہربانی تم اہل زمین پر  
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يُرْحَمُ مَنْ لَا يُرْحَمُ " جو کوئی خود رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔" ①

اللہ تعالیٰ کے رحم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میراث ذوی الارحام (ماں کی طرف سے رشتہ داروں کو بھی حصہ دار ٹھہرایا ہے اور اس کے رحم نے اس حکم کی اشاعت اپنے نبی ﷺ کی زبان سے کر دی۔

④ اَلرَّحْمُ مِنَ الرَّحْمٰنِ رَحْمٌ تَوْحٰنٌ سَے نکلا ہے جو کوئی اپنے ہاں کی قرابت رحم کو نہیں جوڑتا وہ رَحْمٰن سے اپنا تعلق توڑتا ہے۔ وہ جبار ہے، اسمائے حسنیٰ میں جبار کے معنی وہ نہیں جو عوام نے سمجھے اور جبر کو ظلم و ستم کا مترادف خیال کیا، بلکہ جبار کے معنی ہیں "شکستہ دلوں کی شکستگی کو دور کرنے والا" دکھیاؤں کے درد کو دکھ کو توڑ دینے والا۔

⑤ قَهَّارٌ ہے، یہاں بھی قہر بمعنی غیظ و غضب نہیں، بلکہ قہر کے معنی حکومت ہیں۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وہ اپنے بندوں پر حکمران ہے۔

⑥ وہ بَرٌّ ہے، بہترین سلوک کرنے والا، احسان فرمانے والا ہے۔

⑦ وہ مُجِيبٌ ہے، بندوں کی دعا پر ارحمنا کو قبول فرماتا ہے۔

⑧ وہ رَقِيبٌ ہے، بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

⑨ تَوَّابٌ ہے گنہگاروں کی معذرت قبول فرماتا، تازہ القاب سے ان کو خوشی بخشتا ہے۔

⑩ وہ وَهَّابٌ ہے، بے اندازہ نعمتوں کا عطا فرمانے والا۔

⑪ وہ مُبِيْتٌ ہے، روزی رساں۔

⑫ وہ نُّورٌ ہے، آسمانوں اور زمین کی صومہ و ضیا اسی سے ہے۔ شمس و قمر کو روشنی اسی سے ملی ہے۔ آنکھوں کی بینائی اسی نے دی ہے۔ مومن کے دل کا چراغ اسی کے نور سے روشن ہے۔

⑬ وہ فَتَّاحٌ ہے، انسان سے مصیبتوں کو دور کرتا ہے، اس کی مشکلات کو حل فرماتا ہے۔

⑭ وہ رَءُوفٌ ہے، گہرا پیار کرنے والا، دل نواز، بندہ پر در۔

⑮ وہ حَيٌّ ہے، زندہ اور حیات آفرین اور حیات بخش۔

⑯ وہ قَيُّوْمٌ ہے، پابندہ اور قیام بخشنده۔

⑰ وہ وَكِيٌّ ہے، والا و محبت اس کی ذات میں ہے۔

⑱ وہ عَفُوٌّ ہے، بار بار معاف فرماتا ہے، معاف کر دینے کو پسند کرتا ہے۔

⑲ وہ هَادِيٌّ ہے، سالکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

20) وہ مُعْبِيٌّ ہے، غنا بخشے والا، بندہ کو دوسرے بندہ کی احتیاج سے نجات دینے والا۔

21) وہ مُعْطِيٌّ ہے، اس کا عطا و نوال بے پایاں ہے۔

22) وہ کَوْرِيْمٌ ہے، دیتا ہے اور معاوضہ کی اسے ضرورت نہیں۔

23) وہ رَزَّاقٌ ہے، جسم اور روح کے قیام کے لیے جیسی خوراک بخروبر کے رہنے والوں کی ہو اور تحت الطری میں سانس لینے والوں کو ہر ایک کے مناسب غذا عطا فرماتا ہے

24) وہ غَفُوْرٌ ہے، گناہ و خطا کو چھپا دیتا ہے، دور کر دیتا ہے۔ اسلام میں اسمائے حسنیٰ کا شمار نانوں سے (99) ہے۔ ہم نے اس جگہ چوبیس (24) نام ایسے پیش کر دیے، جن سے محبت کا جلوہ موجود ہے، اس سے آگے

25) وہ وَدُوْدٌ ہے۔ وُدُّ زبان عرب میں محبت کی قسم اعلیٰ کو کہتے ہیں۔ ایک آیت ہے جس میں رحمت اور ود دونوں کو جمع کر دیا ہے۔  
فرمایا:

﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ [مربہ: 96] ”رحمن ان کے لیے دو کو مہیا فرمائے گا۔“

ایک دوسری آیت میں غفران اور ود کو جمع فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾ [البرہ: 14] بعد ازاں دیکھو کہ حب اور اس کے مشتقات کا بھی اللہ و رسول کے کلام میں بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کے ایک ہی مختصر جملہ میں بندوں کی محبت کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کی محبت کا بندوں کے ساتھ ہونا ثابت فرما دیا ہے۔

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْهُ﴾ [النساء: 54] ”سچے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔“

بعد ازاں صراحت کے لیے یہ بھی ظاہر فرمایا کہ محبت الہی کی شانگلی کیسے بندوں کو حاصل ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [البقرہ: 195] ”اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِيْطِيْنَ﴾ [النساء: 42] ”عدل و انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [البقرہ: 7] ”تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ [البقرہ: 222] ”رجوع الی اللہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [آل عمران: 146] ”صبر کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِيْنَ﴾ [البقرہ: 108] ”پاک صاف رہنے والوں، طہارت والوں سے اللہ محبت کرتا ہے“

ان آیات سے یہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ اوصاف احسان اور توبہ اور عدل و تقویٰ اور صبر طہارت کا اپنے اندر جمع کر لینا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چند آیات مبارک میں یہ بھی ظاہر فرمایا کہ کون لوگ ہیں، جن کو محبت الہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْرِ﴾ [النساء: 148] ”برائی کی اشاعت اللہ کو ناپسند ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [البقرہ: 190]

حدود الہی کو توڑنے والے قانون شرعی کا احترام نہ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ [الحمد: 36] اللہ تعالیٰ حیلہ باز، اترانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾ [النحل: 58] "خیانت کرنے والوں کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔"  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾ [الحج: 38]  
 "خیانت کرنے والے احسان کو ملیا میٹ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔"  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ﴾ [القصص: 76] "شخی باز اترانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔"  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ [القصص: 77] "فساد اٹھانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔"  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ﴾ [الروم: 45] "کافر اللہ کو ناپسند ہیں۔"  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الاعراف: 31] "اسراف کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔"  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ [الشوریٰ: 40] "ظلم کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔"  
 ان آیات سے کیا فوائد حاصل ہوئے۔

کہ برائی کی اشاعت کرنا آئینِ عقلی، حیلہ بازی، عیاری، خیانت، ناشکری، احسان فراموشی، فساد انگیزی، کفر، اسراف، ظلم وہ اخلاقِ ذمیرہ ہیں جن کے ارتکاب سے انسان محبتِ الہی سے محروم ہو جاتا ہے۔  
 محبت کا اتنا مکمل بیان ثابت کرتا ہے کہ اسلام دینِ المحبت ہے۔

اب سیدنا مولانا نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنو:

﴿1﴾ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تَوْمِنُوا وَلَا تَوْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا۔ [3]

"جب تک ایمان نہیں، تب تک جنت میں داخلہ نہ ہوگا۔ جب آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں۔"

﴿2﴾ مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عَضْوٌ فَدَعَى لَهُ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى۔ [4]

"آپس کی محبت، آپس کے پیار و آپس کے تعلقات میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جو چند اعضاء سے مرکب ہوتا ہے۔ پھر اگر ایک عضو کو تکلیف ہو جاتی ہے تب سارے جسم کے سارے اعضاء بے خوابی و تپ و بے تابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"  
 غور کرو یہاں تواد، ترحم، اور تعاطف تین الفاظ کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ تواد بتلاتا ہے کہ خیر اندیشی و خیر طلبی کا وہ درجہ حاصل ہو جائے کہ اپنے اغراض و مقاصد کو دوست کی غرض و مقصد پر قربان کرنا آسان ہو۔  
 ترحم ظاہر کرتا ہے کہ دوست کی مصیبت کا احساس تمہارے دل میں ہو۔

تعاطف یہ کہ ایک دکھ میں ہے تو اس کا درد دوسرے کو ہے۔ ایک کا کام انکا ہوا ہے تو دوسرا اس کی تدابیر میں لگا ہوا ہے۔

﴿3﴾ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ لَأُنَاسًا مَّا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يُغِيْطُهُمُ الْاٰنْيَاءُ وَالشَّهَادَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

[1] مسلم: 54، ابوداؤد: 5193، ترمذی: 2688، ابن ماجہ: 68، ابن حبان: 236

[2] بخاری: 6011، مسلم: 2586، ابن ماجہ: 3984، ابن حبان: 297، ترمذی: 2173



﴿۱﴾ مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللَّهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - ﴿۱﴾

”جس نے مسلم بھائی کی عزت کو بھایا اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔“

﴿۲﴾ مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ نَسَرَ عَلَى مُغَيْبٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَحِيْدٍ - ﴿۲﴾

جو کوئی شخص کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی تکلیف کو اس سے دور کرے گا جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ دنیا و آخرت کے معاملات آسان فرمائے گا، جس نے کسی مسلم کی عیب پوشی کی اللہ اس کے عیوب پر دنیا و آخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ بندہ کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔

میں اس بیان کو ختم کرنے سے پیشتر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ لفظ محبت کو عربی زبان میں معنی محبت کے لیے تجویز کرنے سے پیشتر مندرجہ ذیل محاورات کو پیش نظر رکھا ہے۔ حَبَّ الْمَاءِ پانی تھریا، حَبَّ الْبَيْعِ اونٹ زانو جہا کر بیٹھ گیا۔ حباب، بلندی سے ٹلی ہوئی پاکیزگی۔ حب وہ دانہ جو رزق انسانی بنتا ہے اور مایہ حیات بشر سمجھا جاتا ہے۔ جب حروف ح و ب کا اجتماع صفائی و پاکیزگی، بلندی و استقرا اور سب حیات کے معنی میں مسلم ہو گیا، تب اسے اقوی الحركات یعنی ضمیر سے اور زیادہ قوی بنایا اور لفظ حب کو مادہ محبت قرار دیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اسلام کے سوا محبت کی ایسی تعلیم موجود ہے تو وہ بھی وضاحت سے بیان کر دے، ورنہ کم از کم الفاظ پریم یا ’لو‘ (Love) کی ترکیب اقوی ہی کے انداز اسنے دقیق معانی کا ہونا جو ہم نے لفظ حب کے اندر واضح کیے ہیں ثابت کرے۔ الغرض نتیجہ صاف ہے کہ اسلام ہی دین المحبت ہے اور وہ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے محبوب قلوب اور مطلوب جمہور ہو رہا ہے۔

فصل 11

## اسلام ہی مساوات کا بانی ہے

مساوات کے معنی یہ نہیں کہ ایک جاہل بمقابلہ عالم کے اور ایک نادر بمقابلہ ایک وفادار کے اور ایک ناقابل و نا کارہ بمقابلہ ایک فرض شناس کے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

ایسا کرنا تو حقوق انسانیت اور حقوق اخلاق کو تباہ کر دینا ہے۔ ہاں مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

برطانیہ کے شاہی جہنڈے میں انگلینڈ، ویلز، سکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ شامل ہیں، لیکن کسی آئرش کو پرائم مشنر ہونے کا موقع نہیں دیا گیا۔ انگلستان کی آبادی میں بلحاظ مذہب دو بڑی قومیں ہیں۔ پرائسٹنٹ اور کیتھولک، مگر آج تک کسی کیتھولک کو پرائم مشنری پر ممتاز نہیں کیا گیا۔

47، تک ہندوستان کے کسی گورنر پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا تھا کنگ امپیرر کے حقوق کی حفاظت کے لیے خاص مراعات قوانین

﴿۱﴾ ترمذی: 1931، مسند احمد: 6/450

﴿۲﴾ بخاری: 2442، مسلم: 6578، ابوداؤد: 4893، ترمذی: 1425، 1426، 2945، کنز العمال: 16486، مسند احمد: 2/296

عدالت سے بالکل علیحدہ تھیں۔

انتخابات ممبران پارلیمنٹ وغیرہ میں ٹیکس و ہندوگان کے حقوق ان سے زائد ہیں جو ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو مال تجارت بھیجے جانے کے قواعد و محاصل کی شرح بالکل الگ الگ تھی۔

پھر حقوق کے اندر تفاوت، خود ایک ہی مذہب کے ماننے والوں میں بھی نمایاں ہے، دہلی کی عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجا اور قبرستان الگ الگ ہیں۔ علی ہذا افسروں اور ماتحتوں کے کلب اور سوسائٹیاں بالکل جدا جدا ہیں۔

پوپ ہمیشہ یورپین ہی منتخب ہوا۔ بیس صدیوں میں اس ملک سے جو خداوند مسیح کا زاد یوم ہے کوئی دہلی پوپ نہیں بنایا گیا۔ لارڈ ہشپ آف کنٹریری بھی ہندوستان یا کسی دوسرے علاقہ کا باشندہ نہیں مقرر ہوا۔

ہندوستان یا کالونی یا انگلستان میں کبھی کوئی کمانڈر انچیف ایشیائی اقوام سے نہیں لیا گیا۔

اسلام نے ان ہی امور پر نظر غور ڈالی ہے اور عدم مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے اور وحدت اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کی وہ کسی ملک اور قوم کا باشندہ ہو، جملہ حقوق میں بالکل مساوی اور برابر کا سمجھا ہے۔

① برا مکہ آتش پرست تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان ہی کا خاندان ہارون رشید کی وزارت عظمیٰ پر ممکن نام رکھتا تھا۔

② رائے دہندگی کا حق ہر ایک غلام و آزاد، زردار و بے زر کو اسلام میں حاصل ہے۔

③ یہی حق عورتوں کو حاصل ہے۔

④ عورتیں اور غلام بھی کسی دشمن کو پناہ دینے کا اختیار رکھتے ہیں جس کی پاسداری سالہا پر فرض ہے۔

سلطنت بغداد، سلطنت ہندوستان، سلطنت مصر میں اہل السنّت باو شاہوں کے وزراء نے عظیم اور گورنران صوبہ جات اہل شیعہ بھی ہوتے رہے ہیں۔

⑤ تجارت میں عرب اور غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی اعانت خاص بھی حاصل نہ ہوتی تھی۔

⑥ مسجدوں اور قبرستانوں میں کبھی امیر و گدا کا فرق نہیں کیا گیا۔

⑦ ثبوت مساوات میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سفر شام کا قصہ زبان زد مشہور تر ہے کہ اونٹ پر غلام اور خلیفہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے، کیوں کہ پچھلی نشست پر ان کا زادراہ ستو، (غلام و خلیفہ کے لیے) اور کھجور کی گھٹلیاں (اونٹ کے لیے لہدی ہوتی تھیں، جس وقت

آخری منزل پر اسلامی کیمپ میں خلیفہ کے داخلہ کا وقت تھا اور تمام فوج مع سپہ سالار اپنے خلیفہ کے خیر مقدم کے لیے ایستادہ تھی اور مختلف اقوام کے لوگ بھی خلیفہ کا تزک و احتشام دیکھنے کو جوق در جوق جمع ہو گئے تھے، اس وقت ان تماشائیوں نے دیکھا کہ گوردراہ سے ایک اونٹ اور

افسروں کا اس کے خیر مقدم میں آگے بڑھنا غیر مسلم تماشائیوں کے لیے نہایت تعجب خیز تھا ان میں سے ایک نے ایک مسلم غازی سے پوچھا کہ کیا آپ کا خلیفہ یہی ہے جو اس اونٹ پر سوار ہے۔ غازی نے نہایت متانت سے جواب دیا، نہیں، وہ نہیں۔ ہمارا خلیفہ میرا لہو نہیں ہے۔

تو وہ ہے جو اونٹ کی مہار پکڑے پایادہ آ رہا ہے، سوار ان کا غلام ہے۔ ⑧

⑧ شرات الاوراق علی حاشیہ المستطرف، بلبری 158/4، فتوح الشام 143/1، حلیہ اولیاء، 47/1، مصنف ابن ابی شیبہ 363، 39/13



اس قصہ سے بڑھ کر زیادہ صحیح اور زیادہ شامدار یہ واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ ایک ایک شتر تین تین کس کے لیے مقرر ہوا تھا، دو سواری ہو جاتے تھے ایک شخص پیدل چلتا۔ اسی طرح ہر ایک نوبت بہ نوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ نبی ﷺ کی سواری میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ جب نبی ﷺ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور ﷺ پیدل چلتے اور وہ دونوں سواری ہوتے۔<sup>[1]</sup> دیکھنا یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا، وہ حضور ﷺ پر جان و مال کو فدا کرنے والا اور اس فدویت کو اپنا شرف و عزت جاننے والا تھا۔ پھر وہ کیوں کر گوارا کرتے تھے کہ حضور ﷺ پیدل چل رہے ہیں اور دوسرے لوگ (جن کی نوبت تھی) اونٹوں پر سواری ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اس موقع پر سب کو سبق مساوات کی تعلیم دے رہا تھا اور **الْأَمْسِرُ فَهَوَّى الْأَكْذِبَ** کا نورانی نظارہ جلوہ آ رہا تھا۔ اگر حضور ﷺ ہی کی یہ تعلیم نہ ہوتی تو فاروق رضی اللہ عنہ اور غلام والی کہانی بھی اوراق تاریخ پر نظر نہ آتی۔

سب سے زیادہ مساوات کا سخت امتحان تزویج کی اس صورت میں ہوتا ہے جب حسب و نسب میں متفکر و معزز شخص کو اپنی بیٹی کا بیوند ایسے مرد سے کرنا پڑے جو اوصاف بالا میں اس سے کم تر ہو مگر اسلام میں ایسے نمونے بکثرت ہیں۔ زینب بنت جحش قریشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی سگی بیوی بھی کی بیٹی کا نکاح اول زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جن کو اہل مکہ زر خرید غلام جانتے تھے اور جن کو بازار عکاظ سے خرید کر لانے والا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ابھی موجود تھا۔ (یہ طاہرہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ ہیں)۔<sup>[2]</sup>

فاطمہ بنت ولید بن عتبہ قریشیہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی برادرزادی ہیں اور قریش کی مشہور ترین خواتین میں شمار کی جاتی ہیں اور مہاجرات میں سے ہیں۔ ان کا نکاح ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ دو مثالیں تو قریشی عورتوں کی ہیں۔<sup>[3]</sup> اب اہل مدینہ کی بھی سنو۔ انصار بھی اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے۔ سردار ہاشم بن عبدمناف قریشی کی شان بلند کا سارے عرب کو اعتراف تھا۔ انھوں نے یرب میں لیلیٰ سے نکاح کی درخواست کی تو اس مغرور قبیلہ نے یہ درخواست اس شرط پر قبول کی کہ لیلیٰ کبھی مکہ نہ جائے گی۔<sup>[4]</sup> اس تکبر والے قبیلہ کا حال اسلام میں یہ تھا کہ ایک روز بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ظاہر کیا کہ لوگو! میں غلام بھی ہوں، جوشی بھی ہوں، بے زر و مال ہوں اور بائیں ہمد نکاح کا خواستگار بھی ہوں۔ کیا کوئی شخص مجھے بیٹی دے سکتا ہے۔ اس کی اسی قدر کہنے پر بیسیوں لوگوں نے درخواست کی بلال رضی اللہ عنہ ان کے ہاں اپنا بیوند منظور کریں۔<sup>[5]</sup>

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اہل دنیا کی نظر میں غلام ابن غلام تھے مگر اسلام نے اس کی شان کو اس قدر بلند کر دیا کہ زینب بنت حنظلہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھی۔ یہ زینب اسی بڑے خاندان کی خاتون تھی کہ شہزادہ امر القیس اس کے جدا مسجد کا مداح شاعر تھا۔ اب اسی کی پوتی اسامہ رضی اللہ عنہ کی کفش برداری پر تازاں ہے۔<sup>[6]</sup>

امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ اس کے زمان خلافت کا ہے۔ غلام کو ساتھ لے کر بازار میں گئے۔ غلام سے فرمایا: میں نے بھی کپڑے، خوائے ہیں اور تم کو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔ تم بزاز کی دکان پر میرے لیے اور اپنے لیے پارچات پسند کرو۔ غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کیے، امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے لیے کچھ سستے کپڑے پسند کیے۔ سو وہ خرید کر لیے گئے۔ جب درزی کو دینے لگے تو امیر المومنین نے سستے کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے لیے اور قیمتی پارچات کی نوبت فرمایا کہ غلام کے لیے قطع کرو۔ غلام بولا کہ آپ آقا ہیں اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہیں آپ کو اچھا لباس چاہیے۔ فرمایا میں بڑھا ہوں، تم جوان ہو تم کو اچھے لباس کی زیادہ ضرورت ہے۔

[1] مستدرک: 422/1 [2] تفسیر الطبری: 9/22 [3] الاستیعاب: 568/2 [4] طبقات لابن سعد: 79/1 [5] ابن سعد: 237/3 [6] ابن سعد: 77/3

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ ایک بار انھوں نے غلام سے جھگڑتے ہوئے غصہ میں کہہ دیا، اوجھن کے بچے امی ﷺ نے فرمایا، بس بس کسی بیضاء (سفید پوست والی) کے فرزند کو کسی سوداء (سیاہ پوست والی) کے بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت تو عمل سے ہے۔ ایک دوسرے موقع کا ذکر ہے کہ انھوں نے غلام کو مارا۔ نبی ﷺ موقع پر آ گئے۔ فرمایا: ابو ذر رضی اللہ عنہ جو قدرت تجھے اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔ غلام سے فرماتے تھے کہ اپنا پاؤں جو تے سمیت میرے رخسار پر رکھوے کہ میری نخوت نکل جائے۔ [1]

جنگ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی ہے، ایک صحابی صف کے برابر نہ تھے۔ نبی ﷺ نے اس پتلی چھڑی سے جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اس کے پہلو میں چوکا دیا کہ برابر ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو اس سے ایذا ہوئی، میں تو بدلہ لوں گا۔ فرمایا میں موجود ہوں۔ وہ بولا کہ میرے بدن پر تو کرتے نہ تھا۔ حضور ﷺ بھی کرتے اٹھائیں۔ حضور ﷺ نے کرتے اٹھالیا تو اس نے بڑھ کر جسد نورانی کو چوم لیا۔ عرض کیا کہ میرا مدعا اس گستاخی سے یہ تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتا ہوا اس شرف کو حاصل کرتا جاؤں۔ [2]

اس نیک انسان کے دل میں چھپی ہوئی نیت خواہ کچھ ہی تھی، اسلامی تعلیم کا نمونہ تو یہ ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کیوں کر ایک اونٹنی کو بدلہ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جسد مبارک کو آمادہ آزار و گزند بنانے پر یہ طیب خاطر رضامند نظر آتے ہیں۔ یہی مساوات حقیقی ہے۔ اس مساوات کی حمایت و حفاظت کے لیے علمبرداران اسلام ہر ایک نقصان برداشت کرنے کے لیے رضامند ہو جاتے تھے مگر مساوات میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔

جلد ابن ابیہم سلطنت عثمان کا شہزادہ تھا، عیسائیت کو چھوڑ کر عہد فاروقی میں داخل اسلام ہوا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس کی عزت فرمایا کرتے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ طواف کعبہ کر رہا تھا، اس کے شاہانہ چوہہ کا دامن فرش پر گھسٹتا جاتا تھا۔ پیچھے سے ایک اور بدوی بھی طواف کرتا آ رہا تھا، اس کا پاؤں دامن چوہہ پر پڑ گیا، جب اس نے لوٹ کر دیکھا تو اسے ایک بادیہ نشین گنوار نظر آیا جو مستانہ والا بالہا نہ حالت میں مصروف طواف ہے۔ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر شہزادہ کو اور بھی زیادہ غصہ آیا۔ لوٹ کر ایک تھپڑ اس کے رخسار پر لگا دیا۔ بدوی نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا۔ شہزادہ بلایا گیا اور جب طلب ہوا۔ شہزادہ نے اپنے فعل کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ میں حکمران ہوں اور یہ ایک فرد مایہ مخض ہے۔ اگر میں نے ایک ظلمانی اس کے لگا بھی دیا تو کیا ہوا؟ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام میں سب برابر ہیں، یا تو اسے رضامند کرو، ورنہ بدلہ دینا پڑے گا۔

اس نے کہا: ایک دن کی مہلت دی جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی، جلد شب بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ [3] اس کے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا نقص تھا تو یہ تھا کہ شہزادہ اور گنوار کی وقعت برابر برابر ہے۔ مگر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اس وصف پر منحصر تھے کہ عدالت میں ایک ذرہ خاک راہ اور ایک کوکب حکومت کی حیثیت مساوی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ قارئین کتاب ان واقعات سمجھ کر ایک کہانی کے طور پر پڑھ جائیں مگر ان واقعات کی قدر و منزلت اس وقت معلوم ہوگی جب دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے گی اور طلب و تجسس بے حساب کے بعد بھی اس کی نظیر ان کو نہ مل سکے گی۔

[1] بخاری 2545:30 [2] ابن ہشام 278/3: البدایہ والنہایہ 271/3 [3] فتوح البلدان ص 141: البدایہ والنہایہ 63/3

اسلام میں ایسے نظائر بے شمار ہیں، میں صرف ایک اور واقعہ لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

فاروق رضی اللہ عنہ اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، دوستانہ سلسلہ کلام جاری تھا۔ ایک یہودی آیا۔ کہا: علی رضی اللہ عنہ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو الحسن سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرو۔ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے، دیکھا گیا کہ اس وقت ان کے چہرے پر ہل تھا۔ دعویٰ سنایا گیا، فیصلہ کر دیا گیا، مدعی جھوٹا تھا، وہ چلا گیا تو پھر وہی جلسہ مصداقت جم گیا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ضرور پوچھو، کہا جب آپ کو سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا، اس وقت آپ ہمیں بہت جیس کیوں تھے؟ کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑے ہونے کو برا سمجھا تھا؟ فرمایا: نہیں، نہیں یہ بات نہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجھے ابو الحسن رضی اللہ عنہ کہہ کر کھڑے ہونے کو کہا تھا؟ کثرت سے پکارنا نشانِ عزت ہے، میرا خیال ادھر گیا کہ مبادا یہودی کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ سمجھے کہ عدالت کا مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے۔ اسی لیے مدعی کے مقابلہ میں اسے بالفاظِ عزت مخاطب کیا گیا ہے، اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بلند ترین طبقہ کے ہیں۔ جب اسلامی لشکر نے اسکندریہ فتح کیا تو مفتوح رعایا نے استغاثہ کیا کہ ان کے ایک بت کی آنکھ کسی مسلمان نے توڑ دی ہے۔ فوجی افسر نے کہا: اگر تم یہ ثابت کر دو کہ میری فوج کے کسی شخص کا یہ فعل قیام امن کے بعد اور دیدہ و دانستہ تھا تو میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ میری آنکھ پھوڑ ڈالو۔ یہ فیصلہ سن کر سب لوگ شانتی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ان واقعات کے بعد میرا حق ہے کہ میں بہ آواز بلند پیکاروں اور دنیا کو ہتافوں کے مساواتِ اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

## فصل 12

### اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا

انجیل متی میں مسیح علیہ السلام کا مشہور قول یہ ہے، جو چیز قیصر کو دو۔ 21:22۔

مسیح علیہ السلام نے حکومت کا یہی نمونہ سکھایا ہے اور رعایا کا کوئی حق مالگزار کی ادائیگی کے سوا مہین نہیں فرمایا۔

بجز دید اور سام دید کو پڑھ جائیے، اس میں راجا ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس کے اختیارات کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں حوالہ جات شخصی حکومت کو مستحکم بنانے والے ہیں، نوعی یا جمہوری حکومت کا ان کتابوں میں ذرا نشان بھی نہیں ملتا۔

اسلام نے صاف طور پر حکم دیا ہے:

﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ: 38) "ان کے امور سلطنت باہمی مشورہ پر ہوں گے۔"

ہر چہار خلفائے راشدین مہدین کا جس طرح انتخاب ہوا، ہر ایک کے انتخاب کے وقت جیسی تقریر آزادانہ ہوئیں۔ انصار یا قریش میں خلافت ہونے پر جو بحثیں ہوئیں خود قریش کے اندر راجح و مرجوح اور اس کے وجوہات کی بحثیں ہر ایک کا اپنی اپنی تائید میں دلائل یا آراء کا پیش کرنا آزادی کے ساتھ سب کچھ ہوا۔ رائوں کا شمار ہوا اور بہترین اشخاص میں سے جس کی نسبت آراء کا غلبہ ہوا۔ اس کو اہتمام سیاست سپرد ہوا۔ خلیفہ کے کام کو باقاعدہ رکھنے کے لیے مہاجرین و انصار اولین کی ایک کونسل اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے

دیگر مسلوں کی دوسری کونسل مقرر کی گئی۔ خلیفہ اپنی رائے سے کوئی جدید محصول نہیں لگا سکتا تھا۔ جو محصول لگایا جاتا اس پر کونسلوں میں مباحثے ہوتے تھے۔

ذمہ دار افسروں کے تقرر کے وقت کسی جنگ کے آغاز یا ختم کرنے کے متعلق مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لشکر اسلام کو روانہ کرنا، عراق و شام و مصر پر اقدام خالد رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جانشینی پر عام مشورہ لیا جاتا تھا۔

خلیفہ کا بحیثیت خلیفہ کسی مفتوحہ ملک میں سفر کرنا کونسل کی منظوری کا محتاج تھا۔ مثلاً فاروق رضی اللہ عنہ کا جنگ ایران اور جنگ روم میں خود جانے پر۔

خلیفہ کو مقررہ وظیفہ ملتا تھا اور وظیفہ سابقہ خدمات یا قدامت اسلام پر مبنی ہوتا تھا۔ خدمات خلافت کے سرانجام دینے پر کوئی خاص معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ فاروق رضی اللہ عنہ صرف بدریوں کا وظیفہ لیتے تھے۔

خلیفہ کو اپنی پالیسی (اصول حکمرانی) کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ (صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبات) خلیفہ عامۃ المسلمین کے سامنے اپنے افعال و اعمال کا جواب دہ سمجھا جاتا تھا اور بار بار اسے جو ابہدی کرنی پڑتی (فاروق رضی اللہ عنہ و مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بابت ایسے بہت سے واقعات ہیں)

یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ انگلستان کی ہے، لیکن انگلستان کی پارلیمنٹ بھی خلافت اسلامیہ سے آٹھ نو صدیوں بعد کی ہے۔ آج دنیا اس نوعی و جمہوری طرز حکومت کی خوبیوں پر متفق ہے۔ اسلام کا یہ احسان جملہ اقوام پر ہے۔ شوری سے کوئی مقدس ہستی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأُمُورِ﴾ [البقرہ: 159]

”امور سلطنت میں آپ لوگوں سے مشورہ کر لیا کیجیے۔“

وہ نبی جو متبوع کل اور سید عالم، صاحب الکتاب، صاحب الشرع ہے، جس کا کوئی حکم اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسے مشورہ کا حکم دیا گیا تاکہ کوئی شخص بھی (تقدس اور کمال کی بنیاد پر) اس حکم سے مستثنیٰ نہ سمجھا جائے۔ عہد نبوت کے چند واقعات کا حوالہ درج ذیل ہے۔

- ① حدیبیہ سے مکہ کے لیے سفر کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت پر طے ہوا۔
- ② میدان احد کو جنگ کے لیے انتخاب کرنے کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور اسی اصول پر طے ہوا۔ رئیس المنافقین ابی کو اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اس کی رائے کے بمقابلہ کثرت آراء کوئی وقعت نہ کی گئی۔
- ③ جنگ آوران احزاب کی پیش کردہ شرائط کو سرداران انصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا اور انہی کی رائے پر فیصلہ ہوا۔
- ④ طائف کے محاصرہ اٹھائے جانے کو سرداران فوج کے سامنے پیش کیا گیا اور تب ہی یہ محاصرہ اٹھایا گیا جب وہ اس پر متفق ہو گئے۔
- ⑤ اسیران بدر سے سلوک کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت کے بعد ہی طے ہوا۔

۱۰ عدالت اعلیٰ محکمہ (قاضی القضاة) بالکل آزاد اور خود مختار ہوتا تھا اس پر سلطنت کا رعب یا سلطنت کا ذاتی دباؤ کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ آج آئینی حکومت کے جملہ بادشاہ اور حکمران اسی اصول پر کاربند ہیں اور انہی اصول کو سلطنت و حکمرانی کا بہترین طریق تسلیم کیا جاتا ہے۔

لہذا یہ اسلام کی خصوصیت سے ہے کہ اس نے جملہ اقوام عالم کو اس اصول سے روشناس کیا اور اس اصول کی برکات سے متنع بنایا۔

### فصل 13

#### اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے

عموماً دنیا میں تین چیزیں تمام مذاہب اور جملہ ممالک پر حکمران رہی ہیں کہ ان کے دائرہ حکومت سے نکلنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی۔

① نسل ② زبان ③ رنگت

① پہلے نسل جو حقوق برہمنوں کو ہندوستان میں (کھشتری، ویش، شودر، چنڈال لوگوں پر رہے ہیں) یا جو حقوق بنی اسرائیلیوں میں نبی لاوی کے لیے خاص ہیں یا جو حقوق سلطنت اولاد یعقوب علیہ السلام میں بنی یہوداہ کے لیے مختص رہے ہیں۔ عرب میں قریش کو دیگر قبائل پر جو تفوق رہا ہے وہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔

② ہر ایک زبان کو اپنی حکومت کی تائید سے جو برتری دنیا میں بمقابلہ الٹ دیکھ رہی ہے مسکرت کا غلبہ پر اکت اور تامل وغیرہ زبانوں پر عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر، لٹین کا غلبہ یورپ کی اور زبانوں پر، انگریزی کا اس وقت غلبہ ان سب زبانوں پر جو برطانوی جھنڈے کے تلے آباد ہیں۔ فارسی کا غلبہ اس وقت کا جب ہندوستان و کابل و خراسان و ترکستان میں یہی زبان حکمرانوں کی زبان تھی۔ عربی زبان کی فوقیت دنیا کی سب زبانوں پر اس وقت جب کہ عرب اپنے مقابلہ میں سب کو عجیبی (گوٹکے) کہا کرتے تھے، اپنے ادوار میں رہا ہے اور اسی اتحاد و زبان یا اختلاف زبان پر حقوق انسانیت کی تقسیم ہوتی رہی ہے۔

③ سرخ رنگ یا زرد رنگ یا مسکی یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ انسانوں کے حقوق و مناصب میں ہمیشہ سے جو امتیازات رہے ہیں اور ہر ایک حکمران قوم نے اپنی رنگت کے سوا دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو جو سلوک کیے ہیں، تاریخ عالم ان واقعات پر اب تک لہو کے آنسو بہا رہی ہے۔

اسلام نے جو اللہ احد کا واحد دین ہے، ان ہر امتیازات کی دیواروں کو مٹایا، پست و بلند کو ہموار سطح پر کھڑا کیا اور دنیا کے سب ملکوں اور سب قوموں کی شیرازہ بندی کے لیے صرف دین واحد کو پیش کیا۔

۱ امتیاز و نسل کے متعلق فرمایا:

﴿ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ، ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴾ [سجده: 7-8]

”انسان اولین بشر کوٹی سے پیدا کیا اور پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا۔“

مختصر افراد انسانی کو بتایا گیا ہے کہ نہ تو وہ خود نسلی امتیاز کا حق دار ہے اور نہ سب انسانوں کے باوا جان ہی تھے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ﴾ [الحجرات: 13]

”سب انسانوں میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سے سب سے بڑھا ہوا ہے۔“

3,2۔ زبان اور رنگ کا فیصلہ بھی فرمایا اور فیصلہ بھی کیسا عجیب ﴿وَاعْتَلَفَ الْأَلْسِنَاتُ وَالْوَأْيَانُ﴾ [الروم: 23]

”بھانت بھانت کی بولیاں (زبانیں) اور جدا جدا رنگ، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نشان ہیں۔“ لیجئے اب تو کسی کو بھی اپنی زبان اور رنگ کے متعلق کچھ جھگڑانہ رہے گا۔

ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلاف نسل ہے، نہ اختلاف زبان ہے، نہ اختلاف رنگ ہے، بلکہ اس کی بنیاد الہ شناسی پر ہے اور ہر شخص کو اس بارہ میں بخوبی آزادی ہے کہ وہ قرب و درخون الہی کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو جائے۔ یہ خصوصیت یقیناً اسلام ہی کو حاصل ہے۔

### فصل 14

#### اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے

زرتشت بزرگوار جہاں پیدا ہوئے تھے اور جہاں سے انھوں نے پند و انداز شروع کیا تھا۔

بدھ گوتم جہاں پیدا ہوئے تھے، جہاں انھوں نے سخت ریاضت برداشت کی تھی، جہاں انھوں نے اپنے اصول پر پہلی تقریر کی تھی۔ وہ وادی اور میدان جہاں ریشیوں نے وید کی شریوں کے درشن پائے تھے، وہ مصر اور مصر سے فلسطین تک کی راہ اور خود فلسطین جس سے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون علیہ السلام کے معجزات و فتوحات کا تعلق ہے جو داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کے مستقر خلافت تھے، جہاں اسہا اٹھ عشر نے حکومت کی تھی۔

وہ پہاڑ اور دشت جہاں پارس ناتھ جی کی سنگتیں بیٹھیں۔

غرض مذہب قدیم کے جملہ معدن و مخزن اغیار کی حکومت میں ہیں اور ان مقامات پر تو ان مذہب کا اصلی نشان بالکل نابود اور بے نشان ہو چکا ہے اور دیگر مذہب اور دیگر اقوام نے بھی ان مقامات میں سکونت اور حقوق تمدن میں ان کے برابر کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے، اور اس اصلی مذہب کو اس جگہ کوئی خاص تفوق اور امتیاز قطعاً حاصل نہیں۔

اصطخر اور بلخ، خیپال کی ترائی اور بنارس آریہ ورت (پنجاب و یوپی کا حصہ کثیر) ابو، الموزہ رچکن ناتھ جی، اور ست نرائن گنگا و جٹنا وغیرہ وغیرہ سب پر نظر ڈال جاؤ تا کہ ہمارے خیال کی صحت و وقعت بخوبی واضح ہو جائے۔

اس عبرت آموز سبق کو یاد رکھتے ہوئے پوری پوری واقفیت اور خبرت کے ساتھ آپ مجاز کو بھی دیکھیں کہ ہر ایک وہ مقام جس کو کوئی تاریخی یا مذہبی نسبت باوی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے آج تک مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہے اور آغا اسلام سے لے کر آج تک ملک کے اس تاریخی مقام پر کبھی کسی غیر مذہب کا قبضہ و تسلط نہیں ہوا۔

قبضہ غیر کا اثر لازمی طور پر اور نامعلوم طریق سے ہر ایک ملک کی زبان اور رسوم اور ماثر اور مذہب پر ہوا کرتا ہے۔

ہم کو معلوم ہے کہ پارسیوں کے پاس ان کے پاک نوشتے موجود نہیں رہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر سکندر مقدونی کا قبضہ ایران پر نہ

ہوا ہوتا اور طوائف الملوکی نیز خانہ جنگی نے ایران کو ایران نہ کر دیا ہوتا گوارڈ شیر بابکان جیسا دانش آموز بادشاہ اپنے پاس نوشتوں کی فراہمی سے (تین صدی قبل از اسلام) مایوس نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مصر پر کلیا پیٹر کے عہد سلطنت روما کا قبضہ نہ ہوا ہوتا تو مصر قدیم کے کتب خانہ جات کبھی تباہ نہ ہوتے۔  
اور اگر بت پرست سلطنت روما کے بعد عیسائی سلطنت قسطنطینیہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو گیا ہوتا تو اسکندریہ کا مشہور کتب خانہ ہرگز ہر گز آتش تعصب سے خاکستر نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مہاتما بدھ نے زبان سنسکرت کی تعلیم پر پابندی کے متعلق تاکیدی احکام جاری نہ کیے ہوتے اور راجہ اشوک اور اس کے جانشینوں نے سختی کے ساتھ سنسکرت اپدیشوں اور کتابوں کو فنا کرنے میں طاقت صرف نہ کی ہوتی تو آج دنیا پرست وید کی اصلی زبان مفقود نہ ہو جاتی۔

اور اگر قدیم رشیوں کے نوشتوں کو گم یا مسخ کرنے کے متعلق کوئی زبردست کارروائی اس مرنجاں مرنج اصول والوں نے نہ کی ہوتی تو آج ہندو دھرم کی کتابوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ مہابھارت جیسی کتاب میں جس ہزار (20000) اشلوک غیر اصلی ہیں۔ منوسمرتی جیسی کتاب میں بھی موضوعات اس طرح سے شامل ہو گئے ہیں کہ شمولیت موضوعات کے علم کے بعد بھی فاضل پنڈتوں اور رشی دیا نند جیسے شائقین کو بھی یہ بتانا بالکل محال ہو گیا کہ کون کون سی عبادت وضعی وغیر اصلی ہے۔

ان نقصانات کی طرف اشارہ ہم نے ضمناً اس دلیل کے تحت میں کیا ہے کہ کسی ملک پر قبضہ اغیار کے تسلط کے اثرات کیا کیا ہوتے ہیں۔

اسلام کو دیکھیے کہ مکہ و مدینہ اور اس کے حوالی و اطراف اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول پاک ﷺ کے قدم اقدس پہنچے سرتاسر مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ وہاں کی وہی زبان ہے جو پیارے مکی مدنی ﷺ کی تھی، وہاں کا وہی تمدن ہے جو مقدس رسول ﷺ کا تھا۔ وہی کتاب ہے جو نبی الہمی کی تھی۔

قرآن مجید میں اسلام کو اس شجرہ طییب سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی جز قائم ہو اور جس کی شاخیں آسمان کی فضا میں پوری بلندی اور پوری فراخی سے پھیلی ہوئی ہوں۔

ہر ایک دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ ﴿أَصْلُهَا نَابِتٌ وَفَرَعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ [ابراہیم: 24] کی صورت و حالت آج تک اسلام ہی پر صادق و ثابت ہے اور یہ امر بھی خصائص اسلام میں سے ہے  
اس آیت کی کچھ تفسیر اس کتاب کے باب خصائص قرآن مجید میں دوسری جلد درج ہے

### اسلام ہی دین تمدن ہے

فطرت انسانی کا راز جاننے والا، حاجات انسانی کے انجام کی راہ بتانے والا تسلیم کرے گا کہ انسان مدنی الطبع ہے۔  
لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مختلف ادیان نے کیوں کر مدنییت کو روحانیت کا مقابل بنایا اور تمدن کو روحانیت کا دشمن ٹھہرایا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ گوتم اپنی نوجوان بیوی اور نوزائیدہ بچہ کو سوتا ہوا چھوڑ کر رات کو بھاگ جاتا ہے اور جنگلوں میں رہ کر سخت سے سخت ریاضتوں کا تحمل بناتا ہے تو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اسی بیداروں نے انسان کا مدنی الطبع ہونا معلوم کر لیا تھا۔

جب ہم وید بیاس جی کو آبادی سے نفور اور ماوراء پندر سے دور رہتا ہوا دیکھتے ہیں تو کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے واجہات تمدن کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

ہم جب انجیل میں وہ مکالمہ پڑھتے ہیں، جس میں اللہ کی راہ میں خاصی بننے کا ذکر ہے تو کیا خیال کر سکتے ہیں کہ انھوں نے آدم و حوا علیہما السلام کے جوڑے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

جب ہم روما کے آسمانی گرجا کے سایہ میں لاکھوں منک اور زن کو فرائض نسلی سے بیزار دیکھتے ہیں تو کیا تصور کر سکتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے حکم ”انسان اپنی بیوی سے جوڑے گا“ کی صحیح تفسیر کی ہے۔

جب آریہ ورت کے جنگلوں، پہاڑوں کے غاروں کو ہستان کی چوٹیوں پر ایسے گریستوں کو دیکھتے ہیں۔ جن کی عمر کے آخر حصہ میں منوسرتی نے گھروں سے باہر بننے کا حکم دیا ہے اور جو اپنی خوداک حاصل کرنے کے لیے غیر معین اور غیر معلوم وسائل پر بھروسہ رکھنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں جو ضعیفی و پیری اور لاچارگی و مجبوری کی عمر میں اپنا کوئی رفیق و غم گسار قریب قریب نہیں پاتے تو کیا اقرار دے سکتے ہیں کہ اس حکم کے وقت تمدن کی حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

جب ہم رشیوں، جوگیوں، منیاسیوں، منیوں، ہیراگیوں کے گروہوں کو بستیوں سے پرے پرے دھونی لگائے جنس لگانے، آسن جمائے دیکھتے ہیں تو کیا یقین کر سکتے ہیں کہ انسانیت کا یہی اصلی معیار ہے۔

جب ہم پتنگڑوں لڑکیوں (دیوداسیوں) کو ایک پتھر کی صورت کے ساتھ بیاہی ہوئی دیکھتے ہیں اور قطع نسل انسانی کی تدبیر کو اس مقدس لباس میں جلوہ گر پاتے ہیں۔

تو کیا باور کر سکتے ہیں کہ ان مقلدین نے آبادی عالم کا سبب بڑا گرد پافٹ کر لیا تھا۔ میرے دوستو! یہ سب گرشے ایسی تعلیم کے ہیں جس نے نہ انسان کو سمجھا اور نہ طبع انسانی کا فلسفہ معلوم کیا اور نہ اس پر عمل کرنے کو کچھ اہمیت دی۔

ایک اسلام ہے جو ان اوہام کو دور کر دیتا ہے، جملہ ظنون کو خاک نشین بنا دیتا ہے۔ تمام ناروا رسم اور جو روہن خفا دور کر دیتا ہے، جو مذہبیت اور انسانیت کو ترقی کے محل میں سوار کر دیتا ہے۔ جو بجلی کی منفی و مثبت طاقتوں کو مجتمع کر کے تمدن کا گھر صاف و سفید روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام بتاتا ہے کہ ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا﴾ ترک تمدن محض بدعت ہے۔

## عورتوں کے حقوق

اسلام ہی عورتوں کو تمدن میں برابر کی جگہ دیتا ہے اور ان کے مساویانہ حقوق کو بحال کرتا ہے۔

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيَّهِنَّ﴾ [البقرہ: 228]

”عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔“



### بچوں کے حقوق

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ [بنی اسرائیل: 31]  
 ”جنگ دستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مارا کرو۔“

### والدین کے حقوق

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ [بنی اسرائیل: 23]  
 ”ماں باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو۔“

### حکومت کے حقوق

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: 59]  
 ”اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور اپنے امیروں کی فرمانبرداری کرو۔“

### اقسام تعاون

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ [المائدہ: 2]  
 ”نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔“

### عدم تعاون

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: 2]  
 ”گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔“

### ایمانی معاہدات کا حکم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ [المائدہ: 1]  
 ”اے ایمان والو! سب قراردادوں کو پورا کیا کرو۔“

### عداوت قومی کے ہو جانے کی حالت میں عدل کا لزوم اور بے انصافی کی نہی

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نَقَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا إِيحْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ [المائدہ: 8]  
 ”کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو اس خیال پر کھینچ کر لے جائے کہ تم ان سے عدل نہ کرو، ہاں عدل ہی کرو، ایسا کرتا ہی خدا ترسی کے قریب تر ہے اور تم کو حکم ہے کہ خدا ترسی پر قائم رہو۔“

### معاہد غیر مسلم اور مسلم غیر معاہد میں معاہد غیر مسلم کی رعایت اور ٹیوٹرل رہنے کی ہدایت

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوُوا وَنَصَرُوا﴾

أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴿۱﴾ [الأنفال: 72]

① جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے انھوں نے راجح میں جہاد کیا۔

② جنھوں نے ان لوگوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی۔

یہ دونوں ایک دوسرے گروہ کی ولایت کا حق رکھتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَالِكُمْ مِنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا﴾ [الأنفال: 72]

③ جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، تم کو ان کی ولایت سے کچھ بھی نہیں۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر آئیں۔

فساد اور بے امنی کی برائی

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ﴾ [البقرہ: 205]

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ﴾ [التقصم: 7]

”اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔“

”وہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔“

خلافت راشدہ کی علامت

﴿وَلَمَّا كَسَبْتَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ [التقصم: 7]

”خوف جاتا رہے گا اور امن اس کی جگہ سنبھال لے گا۔“

حقوق کی ادائیگی کی تاکید

﴿قَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ، وَالْمَسْكِينِ﴾ [الرہم: 38]

”قربت داروں اور مساکین کا حق ادا کیا کرو۔“

عباد الرحمن کے صفات حسنہ حقوق تمدن کے متعلق

① ﴿وَعِبَادَ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ [الفرقان: 63]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو دنیا میں فروتنی کے ساتھ رہتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان کو سلامتی

کی دعا دیتے ہیں۔“

② ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان: 67]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی اور تنگ دلی نہیں کرتے، بلکہ درمیانی راہ پر قائم رہتے ہیں۔“

③ ﴿وَلَا يَزْنُونَ﴾ [الفرقان: 68]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے۔“

④ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ [الفرقان: 72]

”رحمن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔“

سچی شہادت کے ادا کرنے کی فرضیت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾

دارا بن دوارب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اس کی آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روٹنگ بہت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنالے۔ قابل غور بات ہے کہ جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، کے الفاظ دارا نے اپنی زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کہیں صفائی سے ادا کیے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہر ایک تھک اور حجاب کو دارا کی طبیعت و زبان سے اٹھا دیا تھا۔ [1]

ایران میں مژدکیہ مذہب اس لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات اہد یہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔ [2] مژدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے، ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

ہنڈت و یا ہندوستانی نے اپنی کتاب ستیا رتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کاشی جی جی پوترجک میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی گھیرا مشہور ہے، موجود ہے، اور ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے، نکلے سورج کی شعاعیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں، جن کی تھلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اس کے پجاری ہیں۔ وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی شرم و حیا کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سندر شہد سناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع انظر مؤرخ بتلائے کہ اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتوں سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے۔

سلطنت روما کے بعضی تھمیزوں کے دل ہلا دیتے والے نھارے، سنگ دلی اور گرگ طلعی کے پورے جیسے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر قبوض بالواسطہ عطا کیے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں بنی لاوی نے بھی نذر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں خاص حقوق اپنے لیے ٹھہرا لیے تھے۔ پطرس اعظم کے جانشین پوپ رومانے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے مرگ و مرگ میں مردہ کی جان و تکمیل دینے کی جس شکتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا۔ ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ سامریہ کی بنی لاوی سے علیحدگی پر ٹولنٹ کی رومن کیستولک سے یزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کی اصلاحات کا زمانہ اشاعت

دارا بن ودارب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اس کی آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روٹنگ بہت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنالے۔ قابل غور بات ہے کہ جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، کے الفاظ دارا نے اپنی زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کہیں صفائی سے ادا کیے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہر ایک تھک اور حجاب کو دارا کی طبیعت و زبان سے اٹھا دیا تھا۔ [1]

ایران میں مژدکیہ مذہب اس لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات اہد یہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔ [2] مژدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے، ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

ہنڈت و یا ہندوستانی نے اپنی کتاب ستیا رتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کاشی جی جی پوترجک میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی گھیرا مشہور ہے، موجود ہے، اور ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے، نکلے سورج کی شعاعیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں، جن کی تھلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اس کے پجاری ہیں۔ وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی شرم و حیا کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سندر شہد سنا تے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع انظر مؤرخ تھلے کے اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتوں سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے۔

سلطنت روما کے بعضی تھمیزوں کے دل ہلا دیتے والے ٹھارے، سنگ دلی اور گرگ طلعی کے پورے جیسے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر قبوض بالواسطہ عطا کیے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں بنی لاوی نے بھی مذکر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں خاص حقوق اپنے لیے ٹھہرا لیے تھے۔ پطرس اعظم کے جانشین پوپ رومانے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے مرگ و مرگ میں مردہ کی جان و تھکیل دینے کی جس شگفتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا۔ ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ سامریہ کی بنی لاوی سے علیحدگی پر ٹولنٹ کی رومن کیتھولک سے یزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کی اصلاحات کا زمانہ اشاعت

اسلام سے پیشتر کا تھا۔ کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس آزادی کے حاصل سے پیشتر اسلام کو علمی اور عملی کارنامے ان کی آنکھوں اور دلوں کے سامنے نہ تھے۔

ان حقائق پر غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام نے یورپ اور ایشیا میں ترقی اذہان اور آزادی احساس اور تیز نفع و ضرر کے فیوض بالواسطہ سب کو پہنچائے ہیں۔

سولہ (100) بیویوں والے بادشاہ کو اکلوتا کہنے والے یہودی، ایک ہزار (1000) خواتین والے بادشاہ کو اللہ جیسا دل رکھنے والا بتانے والے اسرائیل، سولہ ہزار (16000) سکھیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے والے کرشن جیو کو سولہ سنگار کہنے والے ہندو، نشانہ بازی میں جیتی ہوئی درو پدی، ایک عورت کو پانچ پانڈوؤں کی جائز بیوی بتانے والے آریہ ورتی غور کریں کہ آج تعدد ازواج کے متعلق ان کے خیالات کس قدر ہموار ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی شخص اس کی بوجہ عیسائیت کی تعلیم کو یا عیسائیوں کے عملی نمونہ کو قرار دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، عیسائیت کی تعلیم تعدد ازواج کے بارہ میں خاموش ہے اور ان کا عملی نمونہ اس آئینی قانون کا نتیجہ ہے، جو اسلامی حکم سے بہت بعد میں نافذ کیا گیا اور شہنشاہے خون والے یورپ نژاد کے لیے صرف ایک ہی بیوی پر محدود رہنا لازم ٹھہرایا گیا۔ تاریخ میں تلاش کرو کہ اس قانون کے نفاذ سے بہت پیشتر قرآن مجید کے الفاظ *هَوَ اِحْدَاہُ ہر ایک سمجھنے والے کے دل میں ایسی قانون سازی کی تحریک پیدا کر رہے تھے۔*

ان نظائر سے تمدن کو اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام نے جملہ اقوام کو بالواسطہ کس قدر برکات عطا کی ہیں۔ شراب سے بھرے ہوئے جام جم پر فخر کرنے والے اور ساغر ہوش ربا کو جام جہاں نمائتے والے ایرانی، دیوتاؤں اور دیویوں کی بھینٹ میں مدھ چڑھانے والے آریہ ورتی۔

مسح علیہ السلام کے اولین کارنامہ پانی کے مشکوں کو نم ہائے شراب بنا دینے کا واقعہ فخر و مہابات کے ساتھ سنانے والے عیسائی۔  
سادہ پانی کے استعمال سے منع کرنے والے اور پانی میں تھوڑی سی شراب کو اترا شامل کرنے والے پولوسی۔  
میدان ہائے جنگ کو بادہ آتھین سے گرمانے والے اطالین اور عرب اور افریقی۔  
کلو پیڑا کے ایک پیگ پر فرائض سپہ سالاری کو چھوڑ دینے والے رومی۔

کیا اسلام کے اس فیض سے انکار کر سکتے ہیں جو حرمت شراب کی صورت میں اس نے جملہ اقوام و ادیان پر عام کیا، نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسلام ہی نے شراب کو "ام الخبائث" کا لقب دیا۔ اسلام ہی نے اسے روحانیت کا دشمن بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شرارت انگیز و عداوت خیز بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شیطان ابلیس اور راحشس (اہرمین) کا ثمل بتایا۔  
جنگ عظیم 1914ء تا 1918ء میں انگلستان اور روس اور امریکہ کو یکے بعد دیگرے مجبوراً اسے ترک کرنا پڑا کیا یہ سب اسلام کے بالواسطہ فیوض نہیں۔

بھارت اعظم کی اولاد میں مہاراجگی کو خاص کرنے والے اور اسی دھن میں روچھپتر کی خون آشام زمین پر سارے ہندوستان کو کاٹ کر رکھ دینے والے (آریہ ورتی)۔

کیان ایران کو شایان خسروی بتانے والے اور اسی لیے تاتار اور یونان اور بائبل کی حکومتوں کو فنا کرنے والے (پاری)۔  
خاندان "چو" کو فرزند ان آسمانی کہنے والے اور دنیا کو ایک ٹکٹ رعایا اور ان کے دیوتاؤں سے بھی اوپر ہو کر سیاہ و سفید کرنے

یورپ پر تفوق اور غلبہ کا استحقاق جتانے والے اور خاندان کو نوع انسانی پر فرماں دہی کا چارٹر رکھنے والے (فرنج)۔  
 غور کریں کہ اسلام کے حکم ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: 159] اور ﴿أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشورى: 38] نے دنیا کو کس آئینی حکومت کا جمال دکھایا، ان کو تحفظ نوعی و جنسی اور تعاون  
 افراوی و قومی سے آگاہ بنایا۔

کہتے ہیں کہ انگلستان کی پارلیمنٹ دنیا کی سب پارلیمنٹوں سے قدیم تر ہے اور اسی لیے وہ "اماں پارلیمنٹ" کے لقب سے  
 پکاری جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے، لیکن کیا اس کی قدامت قرآن مجید کے اس حکم محکم سے بھی قدیم تر ہے؟  
 اور اگر نہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہرگز نہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کی تمام جمہوری اور آئینی حکومتیں اسلام ہی کے فیوض سے  
 مستفیض اور اس کے خوان کرم کے نمک خوار ہیں۔

برہما، بھش، ہمیش کا ترشول بلند کرنے والے	(آریہ ورتی)
خدا، عقل کل و نفس کلی کی حکومت ماننے والے	(افلاطونی)
باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس کہنے والے	(انگلش چرچ)
باپ خدا، بیٹا خدا، جان (مسیحی) ماننے والے	(رہین چرچ)
باپ خدا، بیٹا خدا، مریم کو اتانیم کہنے والے	(قدیم یونانی)
پر ماتا، آتما اور پرانو کو قدیم جاننے والے	(آریہ)

دنیا پر موجود تھے اور اپنی اپنی تہذیب کے پھیلائے میں منہمک تھے۔ آج یہ سب لوگ مسئلہ توحید کی برتری کے اقراری ہیں اور  
 عقیدہ توحید پر فخر کرتے ہیں اور اپنی اپنی تہذیب کو بھی سلوک طریق الی التوحید بتانے میں دلائل اور براہین سے کام لے رہے ہیں۔  
 مسلمان اپنے ان نوعی بھائیوں کی ان ترقیات کو خوشی اور اطمینان سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے انصاف و حق پسندی پر امید لگائے ہوئے  
 ہیں کہ یہ سب لوگ ضرور ایک دن اسلام کے اس فیضان بالواسطہ کا اقرار کریں گے اور اس حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد وہ اسلام کے  
 فیوض و برکات و انوار سے بلا واسطہ مستفیض ہونے کے لیے تنگ خیالات کے کمرہ کے دروازوں کو کھول دیں گے۔ ان کے دل اپنے اندر  
 کشائش اور انبساط اور ان کی روح اپنے لیے سرور و نشاط پائے گی اور وہ سب اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف بھی کرنے لگیں گے۔

### فصل 17

اسلام ہی نے ہدایت الہیہ کو ربوبیت خالقہ کی طرح کل عالم کے لیے عام بنایا

بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وہی ربانی کا شرف صرف سبط یعقوب علیہ السلام کے لیے خاص ہے، دنیا کی کسی دوسری قوم کو یہ شرف عطا نہیں ہوا۔  
 ایران والوں کا دعویٰ ہے کہ سروش آسمانی کی آواز صرف ایرج ہی کی نژاد تک پہنچائی گئی اور زرتشت و جاماسپ ہی کے  
 خانوادے اس برزگی کے تاجدار ہوئے اور سب ملک اس عزت سے دور دور ہیں۔

آر یہ ورت کا دعویٰ ہے کہ آکاس بانی نے صرف گنگا و جمن کی وادیوں میں رہنے والوں کو درشن دیے اور دنیا کی سب اقوام اس سے محروم ہیں۔

چین والوں کو دعویٰ ہے کہ اسی ملک کے رہنے والے فرزند آسمانی ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور کسی کو اس مشرق اقصیٰ کی روشنی حاصل نہیں۔

یہ دعاوی ہر چند کہ شاندار ہیں اور کسی ایک قوم کی عظمت کو نمایاں کرنے میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں لیکن ان دعاؤں کا نتیجہ کل دنیا کے مقابلہ میں کیا تھا۔

نتیجہ اول یہ ہوا کہ ایک قوم نے اپنے سامنے دوسری قوم کو جھٹلایا اور دوسروں کی صداقتوں کو بھی بطلان بتایا۔ جب اسرائیل نے صرف بنی اسرائیل کے لیے وحی ربانی کو خاص بتلایا ہے تو وہ دنیا کے مذاہب کو کاذب ٹھہراتا ہے۔ اور جب کوئی پارسی نژاد ایرج ہی کے اس دعویٰ کا مظہر ہے تو وہ کل عالم کو (جس میں بنی اسرائیل بھی شامل ہیں) دروغ گو ظاہر کرتا ہے۔ اور جب کوئی آریا ورتی و سنان دھرمی اپنی بات کو دہراتا ہے تو جہاں جہانیاں کو (جس میں اسرائیل و پارسی بھی شامل ہیں) ست کہتا ہے۔

اور جب کوئی چینی کا نظیہ شمس کی تعلیم کو آسمانی کہہ کر دیگر اہلئے جنس کو اس شرف سے مجبور تجویز کرتا ہے تو وہ ہر ایک ملک کو جس کے اندر (ہندوستانی، ایرانی، کلدانی و اسرائیلی بھی شامل ہیں) سیاہ و تاریک بتاتا ہے۔ لہذا کوئی مذہب ایسا باقی نہیں رہتا، جس کی دوسرے مذہب نے تصدیق بھی کی ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں محفوظ رہتی جسے دوسری اقوام کی زبان نے صادق کہا ہو۔

اور جب ہر ایک قوم نے جملہ اقوام کو داغ لگایا تو اب اس کا بھی کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ خود بیخ سکے۔ ان لوگوں نے ساری فضا میں کونلہ پھیلا دیا اور پھر یہ تصور کر لیا کہ اس سے اوروں ہی کے دامن آلودہ ہوں گے۔

ان مشہور مذاہب نے اپنے ان دعاوی کے بعد پھر اپنے رقبہ کو اور زیادہ تنگ تر کرنا شروع کیا۔ اسرائیلیوں نے کاہن ہونے کا منصب صرف اولاد ہارون علیہ السلام کے لیے خاص کر دیا اور سنان دھرمیوں نے یہودیہ و ہردوار و کانشی کے پانڈوں کو سرگ و مرگ کا خزانچی بنایا۔ رومن کیتھولک نے سلطنت آسمانی کی کنجیاں پوپ کے ہاتھ میں دے دیں، کیوں کہ وہ اس گرجا کا صدر نشین ہے جسے پطرس نے تیار کیا تھا اور پطرس وہ ہے جسے آسمانی بادشاہت کا کلی اختیار مسیح علیہ السلام نے دے دیا تھا۔

نتیجہ دوم یہ ہوا کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ نفرت ہو گئی اور ہر ایک نے اپنا اپنا چولہا چوکا الگ الگ کر لیا۔ محبت انسانی گم ہو گئی اور قوموں میں قوموں سے ہمیشہ کے لیے جدا جدا ہو گئیں۔

نتیجہ سوم یہ ہوا کہ ملکی خصوصیات اور قومی رسومات ہر ایک جگہ دینی اصول میں شامل ہو گئیں اور آہستہ آہستہ رسومات کے سامنے دینی اصول کمزور و ضعیف اور بے نشان و گم ہو گئے۔

اسلام ہی نے ان سب خرابیوں کو دور کیا، اسلام ہی نے ان جملہ اقوام کے سامنے ایک جدید علمی اکتشاف کیا کہ

﴿وَإِنَّ مِنْ أُمَّةٍ أَلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [الأنعام: 24]

”یعنی ہر ایک ہستی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا، برے افعال کے برے نتائج سمجھانے والا ہو چکا ہے۔“  
اسے اسرائیلیو! تم کیوں ہندوؤں کے بزرگوں کی تحقیر کرتے ہو اور اسے ہندوؤ! تم کیوں اسرائیلیوں کے انبیاء کی تکذیب کرتے ہو۔ اے ایرانیو! تمہارا کیا حق ہے کہ اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے دعاوی کا بطلان کرو۔

اے چینیو! تمہارا کیا منصب ہے کہ ان تمام شاندار اقوام کے علم اور تہذیب اور تمدن سے آنکھیں موند کر سورج کی روشنی کو جھٹلاؤ۔  
اب مل جاؤ اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو اور ہر ایک ملک کے پیشوا و بادی و داعی کی تعظیم کرتے ہوئے اس ناموس قدرت کو بھی دیکھو، جس نے تمام عالم کو متحد و متفق کرنے کے لیے بحر روم کے متصل ایک مقام کا انتخاب کیا جہاں سے مسندن دنیا کی ہر جگہ میں تبلیغ یا سانی کی جاسکتی تھی اور جہاں ٹھہر کر بحر و بر کے وسائل آمد و رفت سے بخوبی کام لیا جاسکتا ہے۔

قدرت نے اس تحریک کی پانچ ہزار (5000) سال سے بنیاد قائم کی اور ایک ایسی قوم کو تیار کیا جس نے بے آب و گیاہ میدانوں میں رہ کر، جس نے آ باد و شاداب قطععات سے الگ ہو کر، جس نے نفائس مادی میں سے صرف سدر حق پر اکتفا کر کے حفاظت معبد کو اپنا مقصود بنایا اور اسی کی در بانی کو اپنے لیے افتخار شای سمجھا، حتیٰ کہ وہی سید عالم ﷺ بھی پیدا کیا اور وہی سرور کائنات ظاہر ہو گیا جس نے اختلاف کو اختلاف سے اور نفاق و افتراق کو اتفاق سے بدل دیا، وہ کیسا زمانہ تھا اس وقت کی دو بڑی قوموں کی یہ حالت زار ربانی الفاظ میں یوں ظاہر کی گئی ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ﴾ [البقرہ: 113]

”یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں۔“

﴿ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ﴾ [البقرہ: 113]

”نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں اور وہ کتاب بھی پڑھا کرتے ہیں۔“

آیت ﴿ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ﴾ کا تعلق نصاریٰ سے بھی ہے، جو یہودیوں کی کتاب کو عہد نامہ قدیم اور ہولی بائبل کہہ کر تسلیم کرتے ہیں اور بایں ہمہ یہودیوں کی بابت یہ مبالغہ ہے کہ ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔

نیز اس کا تعلق یہودیوں سے بھی ہے جو انجیل میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی مصدق ہے اور بایں ہمہ انجیل سے انکاری بھی ہیں۔

بہر حال ہر دو فریق (دند نجران اور علمائے یثرب (یہود)) نے ان فقرات کو دہرایا اور اپنی اپنی نکل مزاجی اور لاعلمی کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنا پڑا۔

اللہ فیصلہ یہ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ، وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ

وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَسِيذُنَ كَثِيرًا مِنْهُمْ مِمَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴾ [المائدہ: 67-68]

[المائدہ: 67-68]



”اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچا دیجیے، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تم کو ان لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ کہہ دیجیے کہ اے یہود! تم دونوں کچھ بھی (کسی بنیاد پر بھی) نہیں ہو، جب تک تورات اور انجیل پر اور اس کتاب پر جو تمہارے رب نے تمہارے لیے نازل کی قائم نہیں ہو جاوے گی۔“

”ہاں! ان میں سے بہت کی حالت یہ ہے کہ اللہ کے اتارے ہوئے احکام سے وہ کفر اور سرکشی میں زیادہ ترقی کر جاتے ہیں۔ ان کافروں کے گروہ پر آپ افسوس بھی نہ کریں۔“

یہود اور نصاریٰ کی تعداد اس وقت مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھی، دو اور سو کی نسبت اس وقت ان میں ہوگی۔ یہود زرو مال والے تھے، تجارت والے تھے، سارے عرب پر ان کا اقتدار تھا۔ مسلمان اور بت پرست ان کے مقروض تھے۔ نصاریٰ فوج، طاقت اور حکومت والے تھے۔ ہر دو کے خلاف ایک ایسا متفقہ فیصلہ سنانا جو ان کی دینی حیثیت کو بالکل لاشے بنا دینے والا تھا، آسان نہ تھا، لہذا آیات کے شروع میں نبی ﷺ کو خاص طور پر آمادہ کیا گیا ہے اور بطور پیش گوئی یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس فیصلہ کے بعد خواہ یہود کتنا ہی ترائیں اور نصاریٰ کتنا ہی بسنائیں مگر وہ آپ کو کسی طرح کا گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ عصمت الہی ہمیشہ آپ کو ان کے آزار سے بچائے گی۔

فیصلہ یہ ہے کہ یہود کو نصاریٰ کے بالمقابل اپنا تعصب اور نصاریٰ کو یہود کے بالمقابل اپنا کینہ و انتقام چھوڑ دینا چاہیے اور ہر دو کو توراہ و انجیل کا اتباع کرنا چاہیے۔

جو دلیل نصاریٰ کے ہاتھ میں یہودیوں کو دین مسیحی کی دعوت دینے کی بابت ہے وہ اس لیے صحیح ہے کہ نصاریٰ ان کی کتاب اور ان کے نبی (موسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

لہذا یہی دلیل مسلمانوں کے ہاتھ میں بالمقابلہ نصاریٰ اور یہود (ہر دو) حاصل ہے، کیوں کہ مسلمان دونوں کتابوں اور کتاب لانے والوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

نصاریٰ یہود کے سامنے مسیح علیہ السلام کی بابت پیش گوئیاں توراہ سے نکالتے ہیں اور انھیں ملزم ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان، یہود اور نصاریٰ دونوں کے سامنے سیدنا مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں بائبل سے پیش کرتے ہیں اور ہر دو حجت الہی کا اتمام کرتے ہیں۔ اب خلاصہ معلوم ہو گیا کہ جب یہود اس لیے مغضوب ہیں کہ انھوں نے تعلیم مسیح علیہ السلام سے انکار کیا، جب کہ مسیح تعلیم تورات کو تسلیم کرتے ہیں تو نصاریٰ بھی اس لیے ضال ہیں کہ وہ شریعت موسوی کے منکر ہیں، جس کی تصدیق مسیح علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اندریں حالات یہ دونوں اس لیے بے بنیاد اور لاشے ہیں کہ وہ اس کتاب اور نبی کے منکر ہیں جس کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام کی پانچویں کتاب کے باب 15 تا 18 میں موجود ہے۔ نیز جس کی خبر انجیل یوحنا باب 16 کی آیات 11 تا 16 میں موجود ہے۔

الغرض یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام جہان کا معبود صرف ایک اللہ کو بتاتا ہے اور تمام جہان کا پروردگار صرف ایک رب کو ظاہر کرتا ہے۔

اور تمام عالم کے سامنے صرف ایک دین اسلام کو پیش کر کے جملہ اقوام و ادیان اور ممالک کو اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوض کا یکساں

وہ کسی بزرگ کا مذہب نہیں، وہ کسی سابقہ مذہب کا مبطل نہیں ہے، بلکہ سب کو سب کے مقبول اصول کے تحت میں لا کر متحد بنانے والا اور ربوبیت خالقہ کی طرح سب سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کاملہ کو منوانے والا ہے۔  
مبارک ہے اسلام جس نے جملہ اقوام کو متحد و موافق بنانے کے لیے سب کی طرف (اپنا ہاتھ بڑھایا اور مبارک ہیں وہ تو میں جنہوں نے مقدس داعی کے الفاظ پر لبیک کہہ کر محبت عام کو اپنا مسلک بنایا۔

### فصل 18

## اسلام ہی دین البر (نیکی کا مذہب) ہے

قدیم یونان اور جدید یورپ کے فلاسفروں نے مذہب انسانی پر غور و خوض کرنے کے بعد بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مذہب صحیح کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہونی چاہیے

① نیکی ② صداقت ③ حسن

مجھے اپنے عنوان کی مناسبت سے صرف نیکی کی بابت اس مقام پر تحریر کرنا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ [البقرة: 177]

”یہ ہی نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو۔ نیکی تو ان لوگوں کی ہے (1) جو اللہ پر اور قیامت پر، ملائکہ پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر یقین رکھتے ہیں (2) جو اپنی ضرورت ہوتے ہوئے بھی قریبوں کو یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو، آزادی غلاموں میں اپنا مال دیتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، عہد کر کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور جنگ و بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں، یہی تو صادق لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں۔“

﴿أَنْ تَبَرَّوهُمْ وَتَقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [المائدہ: 8]

”غیر مذہب والوں سے بھی نیکی کرو اور پورا پورا انصاف کرو، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِمَّنْ اتَّقَىٰ﴾ [البقرة: 189] ”نیکی تو خدا ترسی ہے۔“

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ [المائدہ: 2]

”نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔“

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ﴾ [الانعام: 73]

”ہم نے سب نبیوں کے پاس نیکیوں کے کرنے کا حکم بھیجا۔“

﴿ إِنَّ الدِّينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ إِنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴾ [المؤمنون: 57-61]

”جو لوگ اپنے رب کی تعظیم کی نگہداشت ڈرتے ہوئے رکھتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کا نہیں بناتے، جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال سے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس بات کی دہشت رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی طرف جانا ہے، یہ ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف جلد جلد جانے والے ہیں، اور یہی ہیں جو نیکیوں کو حاصل کر لیں گے۔“

نبی کریم ﷺ نے انواع البر (نیکیوں کی اقسام) کے متعلق جو احکام دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہیں:

- ① عظمت الہی کا احساس اور اس احساس کے بعد تعظیم ملے ہوئے ادب کا اثر دل پر محسوس کرنا۔
  - ② احسانات الہی کی یادداشت اور اس یادداشت سے حیرت کا طاری ہو جانا اور طیران حیرانیت سے اثرات حیوانی کا کمزور پڑ جانا۔
  - ③ اقارب اور مسایہ، ایامی و یتیمی، اہل قریہ، اہل وطن کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔
- خندہ روئی سے ماننا، راہ میں کانٹے یا ٹھوکرا کا پتلا دینا، کنوئیس سے پانی نکال کر دینا، بھولے ہوئے کو رستہ بتا دینا، تاریکی کے وقت روشنی دکھا دینا، بوجھ اٹھوا دینا۔

دوسرے کو عزت کے ساتھ بلانا، نرم کلامی سے بات کرنا، یہ سب نیکیوں میں شمار کیے گئے ہیں۔ باپ کا اپنے بچے کو تعلیم دینا، صدقہ سے بہتر بتایا گیا ہے۔ ①

- ② اپنے کنبہ سے بھلائی، نیکی کرنے والے کو بھلا اور بہتر بتایا گیا ہے۔ ②
  - ③ یتیموں اور یتیموں کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے والے کو مستحق جنت بتایا گیا ہے۔ ③
  - ④ ایک مٹی کو عذاب دینے والے کے لیے دوزخ کا اور ایک مٹے کو پانی پلانے والے کے لیے مغفرت کا اعلام فرمایا گیا ہے۔ ④
- اور بالآخر طہیٰ مٹھی مٹھکندہ رطبہ انجور ⑤ کے ارشاد سے اس عنوان کو مکمل کر دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک جاندار جو تازہ جگر اپنے اندر رکھتا ہے (یعنی زندہ ہے) کے ساتھ بھلائی کرنا موجب اجر ہے۔ ان احکام سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دین البر ہے۔

## فصل 19

### اسلام دین التقویٰ (پارسائی کا مذہب) ہے

- ① پارسائی کو بر باد کرنے والی سب سے بڑھ کر شراب ہے، مگر پولوس نے (اتمطاؤس 5/32 میں) یہ حکم دیا ہے کہ: ”آگے کو تو صرف پانی نہ پیا کر، بلکہ اپنے ہاضمہ اور اکثر کمزوریوں کے واسطے تھوڑی سے (شراب) پی۔“

① ترمذی: 1996، 1997، 1998 ② ترمذی: 2081، سلسلہ الصحیحہ: 417 ③ ابوداؤد: 5147، ترمذی: 1916، ابن حبان: 445 ④ بخاری: 173، 3318، مسلم: 2242، 2244، ابن ماجہ: 4256، ابن حبان: 544، احمد: 261/2، بخاری: 2363، مسلم: 2244، ابوداؤد: 2550، ابن حبان: 544، ابن ماجہ: 3686، مسند احمد: 374/1، 375/2، موطا: 113/3

شراب پینے کا حکم اور سادہ پانی پینے کی نہی کا یورپ اور امریکہ پر کیا اثر ہوا کہ لفظ تھوڑی کی قید بالکل نہ رہی اور شراب ان تمام خرابیوں کی جزا ثابت ہوئی جسے قرآن پاک نے اور ارشادات نبوی ﷺ نے صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

② محکمہ حفظان صحت نے پولوس کی وجہ صحت کا بھی غلط اور باطل ہونا ثابت کر دیا ہے اور بتلادیا ہے کہ شراب کا برا اثر معدہ، جگر، دل، دماغ اور شش پر بدترین نتائج پیدا کرتا ہے۔ اعصابی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ جنگ عظیم 1914ء، 1918ء میں فوجیوں کی جسمانی طاقت بحال کرنے اور بڑھانے کے لیے شراب کی قطعاً ممانعت کی گئی تھی۔ اپنی فوج کے لیے کنگ جارج نے نمونہ بنا پناہ کیا اور زراروں نے ان کی پیروی کی۔ امریکہ نے شراب کی ساخت ملک میں بند کر دی اور خرید و فروخت پر بھی سخت بندشیں عائد کیں۔ علم اخلاق کے ماہرین کا بیان ہے کہ شراب کے استعمال سے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ عالمان اقتصادیات کا بیان ہے کہ فقر و فاقہ کا سبب اور تباہی مال کا باعث شراب ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا بیان ہے کہ جرائم سنگین، قتل، زنا بالجبر، راہزنی وغیرہ کا ارتکاب اکثر بدستی شراب کی حالت میں ہی ہوتا ہے۔

③ ہندوؤں میں بھی دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے شراب کا چڑھا دیا جاتا ہے۔ پھر جو چیز دیوی اور دیوتا کے خوش کرنے کا سبب ہو، اسے بیماری اور سیوک کیوں استعمال نہ کریں۔ بعض ہندو اقوام نے شراب میں تقدس پیدا کرنے کے لیے اس کا نام ”گنکا جل“ رکھ دیا۔

اسلام ہی وہ پہلا اور تہا مذہب ہے جس نے شراب کو جس بتلایا، عمل الشیطان اور ام النہایت اس کا نام رکھا۔ ایسے نشہ کی مقدار قلیل کو بھی جو مقدار کثیر میں پہنچ کر نشہ آور حرام بتایا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اسلام پارسائی کا مذہب ہے۔

اسلام میں زنا حرام ہے اور اس کی حرمت کو مضبوط و محکم کرنے کے لیے جو حکم دیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿وَلَا تَغْرُبُوا الزِّنَاتِ﴾ [بنی اسرائیل: 32] ”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔“

اس حکم سے ان اسباب اور وسائل کو بھی حرام کر دیا ہے جو زنا تک لے جانے والے ہیں۔ مردوں، عورتوں کا اختلاط اور نفسی و مذاق، ایک ہی مکان کے اندر غیر محرم مرد و زن کی بود و باش، دل ربائی اور حسن نمائی کے طریقے، نظر بازی وغیرہ۔

اس حرمت کو مضبوط کرنے کے لیے مَسَاءً مَسْبُورًا بھی فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا کہ جو کوئی زنا کرتا ہے وہ اپنے گھر تک زنا کے لیے مڑک بناتا ہے۔ وہ جس مڑک پر چل کر دوسروں کے پاس پہنچتا ہے اسی مڑک پر چل کر دوسرے اس کے گھر آ جاتے ہیں حکم دیا گیا:

﴿وَلَا مَسْجِدًا أَخَذَانِ﴾ [النساء: 25] ”کسی عورت کا کوئی مرد آستانہ ہونا چاہیے۔“

﴿وَلَا مَسْجِدًا أَخَذَانِ﴾ [المائدہ: 5] ”اور کسی مرد کی کوئی عورت آستانہ ہونی چاہیے۔“

اس پارسائی کو قائم رکھنے کے لیے تدبیر بھی بتائی اور اس کی تعمیل بھی فرض ٹھہرائی۔

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُونَ فُرُوجَهُمْ﴾ [النور: 30]

”مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔“

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ بَعْضُنَّ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ [النور: 31]

”عورتوں کو کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی نگہداشت رکھیں۔“

اس حکم کے بعد یہ بھی فرمایا گیا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ﴾ [الاعراف: 33]

”فحش کی کھلی چھپی سب قسموں کو میرے رب نے حرام کر دیا ہے۔“

حکم بالاکہ رو سے تو فواحش حرام ہوئے، ابتدائی مراتب میں جب کہ فحش کے اقدام کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ اسے اسلام نے لفظ ”انہم“ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی بابت بھی یہ حکم دیا ہے۔

﴿ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِنْتِمِ وَبَاطِنَهُ ﴾ [الانعام: 120]

”گناہ کا بیرونی اور اندرونی حصہ بھی بالکل چھوڑ دیا کرو۔“

تجب ہوتا ہے کہ شراب پینے والے مردوں، عورتوں کو فحش آمیز کھلی آزادی دینے والے عبادت گاہوں میں جا کر بھی آتش رخسار حسن سے آنکھیں سینکنے والے نمائش حسن کے پیرایہ میں نگلی تصویر کھچوانے والے اور مخلوط غسل خانوں میں نہانے والے کھلے پن گھنٹوں بھرینگے ایشان کرنے والے اسلام کی پارسائی کا اعتراف نہ کریں۔ شاید اس لیے کہ ایسا اعتراف خود اپنی عریانی کے اعتراف کے مترادف ہے۔

اگر اسلام کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ نفسانی جذبات کو ابھارا بھارا اپنی تعداد کو بڑھائے تو وہ شراب کی حرمت کا حکم کبھی نہ دیتا اور ایسا حکم نہ دینا، اس کے لیے کچھ موجب اعتراض بھی نہ ہوتا۔ کیوں کہ جو چیز جملہ ممالک میں مستعمل اور جملہ مذاہب میں روا تھی اس پر خموشی کبھی موجب اعتراض نہ ہو سکتی تھی اور زنا کی روک تھام کے لیے ایسے سخت قیود عائد نہ کرنا اور ان قیود کے حاکم نہ کرنے سے ان قوموں کا جو کورٹ شپ کو جائز سمجھتی ہیں یا جو اولاد لینے کی غرض سے بیابنا عورت کو اور اولاد دینے کی غرض سے بیابنا مرد کو عارضی جوڑنا لینے کی اجازت دیتے ہیں، کچھ اعتراض بھی نہ ہوتا، لیکن اسلام نے عصمت و پارسائی کا بلند ترین نمونہ پیش کیا ہے اور وہ فی الحقیقت پارسائی کا مذہب ہے۔

معتزلیں کے پاس اس کے خلاف دلیل صرف یہ ہے کہ اسلام نے ایک سے زیادہ عورت کو بھی بیوی بنا لینے کی اجازت دی ہے۔ مگر غور تو کرو کہ داؤد علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا (زبور- 1) کہنے والے اور اس کی سو (100) بیویوں اور سلیمان علیہ السلام کو اللہ کا سادل والا بنانے والے اس کی ایک ہزار (1000) بیویوں پر ابراہیم علیہ السلام کو خلیل الرحمن ماننے والے اس کی بیویوں اور لوط علیہ السلام پر کرشن جی مہاراج کو ادتار ماننے والے ان کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ (16108) سکھیوں پر اور ان کو ریفارمر اعظم ماننے والے زمانہ حال کے لیڈران کی آٹھ (8) مہارانیوں پر کوئی اعتراض زبان سے نہیں نکالتے، تو پھر ان کا کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر ایک سے زائد بیوی کرنے پر اعتراض کریں۔ ہم نے جن محترم ہستیوں کے نام لیے، ان کے مذہب میں ایک سے زائد بیوی کرنے کے لیے کوئی ایسی شرط موجود نہیں، جس کا فقدان ان کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کے لیے روک بن سکے۔ مگر اسلام میں شرط عدل موجود ہے۔

اور اس شرط کے فقدان پر (بلکہ صرف فقدان ہی پر نہیں) احتمال فقدان کی حالت پر بھی آقوا احدہ کا کارشاد موجود ہے، کیا کوئی مذہب ہے جو اپنی کتاب پاک میں آقوا احدہ کا ہم معنی لفظ نکال کر دکھادے؟ کوئی مذہب ہے جو مسیح یا موسیٰ یا کرشن ورام چندر کے منہ سے نکلی ہوئی بات آقوا احدہ کے ہم معنی ثابت کر دے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تب اس کو قرار کرنا چاہیے کہ یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے اور ایک بیوی والے جس قانون پر یورپ کو نخر ہے، وہ بھی قرآن مجید ہی کے ایک حکم کا خلاصہ اور ناقص خلاصہ ہے۔

## اسلام دین الصدق (سچائی کا مذہب) ہے

صدق کی تعریف علمائے اسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

- ① عمل اور علم کی موافقت باہمی کا نام صدق ہے۔
- ② دل اور زبان کی مطابقت کا نام صدق ہے۔
- ③ سر و اعلائیہ کے مساوی ہونے کا نام صدق ہے۔
- ④ اس راست بازی کو جس میں تباہی کا اندیشہ ہے، اس کذب سے بہتر سمجھنا جس میں رہائی کا گمان ہے صدق کہتے ہیں۔

گر راست سخن گوئی و در بند بمانی

پہ زان کہ در وقت دہداز بند رہائی

مندرجہ ذیل آیات و احادیث پاک پر غور کرو۔

صدق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے:

﴿قُلْ صَدَقَ اللَّهُ﴾ [آل عمران: 95] "اللہ نے تو سچ فرمایا ہے۔"

صدق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے اوصاف میں سے ہے:

﴿صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ [آب: 22] "اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا"

مریم صدیقہ رضی اللہ عنہا کا درجہ پہلے صدق برتر و بلند تھا:

﴿صَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا﴾ [التحریم: 12] "اس نے اللہ کے فرمودہ کو سچ سمجھا۔"

صحاب نبویہ رضی اللہ عنہم کا درجہ پہلے صدق ہے۔

﴿رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ [آب: 23]

"یہ وہ جو اس مرد ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیے ہیں وہی سچے کر رکھائے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی صدق کی تعلیم اور صدق کی تصدیق میں ہے:

﴿الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ﴾ [الزمر: 33]

"نبی وہ ہے جو صدق لے کر آیا اور اس کی تصدیق بھی کی ہو۔"

صدق کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ موطا و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی میں موجود ہے:

إِنَّ الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى  
يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدْقًا وَإِنَّ الْكُذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ  
لَيَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكُذْبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذِبًا ①

”صدق نیکی کی راہ دکھلاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ انسان سچ بولنے لگتا ہے اور سچ کو عادت بناتا ہے حتیٰ کہ  
اللہ کے ہاں صدق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ گناہوں کی راہ دکھلاتا ہے اور گناہ و فحش کی راہ دکھاتے ہیں۔ انسان جھوٹ  
بولنے لگتا ہے اور جھوٹ کو عادت بنا لیتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں بھی جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“

① سنن نسائی میں ہے اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے کہ ابو الجور انے امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی بات  
سیکھی فرمایا: میں نے سیکھا اور یاد رکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

ذَعْ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ فَإِنَّ الصَّدَقَ الطَّعْمَانِيَّةَ وَالْكَذِبَ رِيئَةً ②

”جو چیز شک پیدا کرے اسے چھوڑ دے اور جس میں کوئی شک نہ ہو وہ لے لے کہ صدق تو طمانیت کا نام ہے اور کذب شک  
کو کہتے ہیں۔“

② اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے:

﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [الب: 119] ”اہل صدق کا ساتھ دو۔“

③ عربی زبان میں صدق کے مدارج علیا کے مطابق اس مصدر سے فاعل کے تین صیغے رہتے ہیں:

صَادِقٌ، صَدُوقٌ اور صَدِيقٌ اور صدیق وہ برترین درجہ ہے کہ انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم پر بھی اس خطاب کا استعمال ہوا۔

ابراہیم خلیل رضی اللہ عنہ کو ﴿إِنَّكَ كَانَتْ صِدْقًا نَبِيًّا﴾ (مریم) اور یوسف علیہ السلام کو بھی صدیق کے لقب سے روشناس کیا گیا۔

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا بتول رضی اللہ عنہا کو بھی سورہ مائدہ میں ﴿وَأَمَّا صِدْقًا﴾ فرمایا گیا، اور پھر سورہ نساء اور سورہ حدید میں امت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افراد و ممتاز کے لیے صدقیت کا درجہ تجویز کیا گیا۔

﴿أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ [المدید: 9]

”یہی لوگ تو صدیق اور شہید ہیں۔ اپنے رب کے پاس ہیں، ان کے لیے اجر بھی ہے اور نور بھی۔“

ان حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ صدق کے شان بلند کے اظہار میں اسلام نے کیسے کیسے اسلوب بدیع سے کلام فرمایا ہے۔

اور اس بیان سے عہد حاضرہ کے فلاسفوں کا وہ مطالبہ پورا ہو جاتا ہے کہ دین طبعی کے لیے صدق کا ہونا شرط ہے۔ الحمد للہ! کہ

اسلام اپنی خصوصیت کا اظہار چودہ صدیوں سے کر رہا ہے۔



① بخاری: 6094، مسلم: 2607، ابوداؤد: 4989، ترمذی: 1971، ابن حبان: 273، اصحمت لابن ابی الدنیا: 467، 442، احمد: 384/1، بیہقی: 273/10

② ترمذی: 2518، ابن حبان: 722، احمد: 200/1، مسند ابراہیم: 245/2، نسائی: 5711، مشرک حاکم: 13/2، معجم الصحاح: 137

## اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے

لوگوں نے صرف عورتوں کے محظوظ خال و ناز و انداز کا نام حسن رکھ چھوڑا ہے، لیکن یہ صرف کوتاہ نظری ہے اور صرف ایام شباب کا محدود مذاق ہے۔

پایں ہمدونیا کے مختلف ممالک کے باشندے ہیں جن کا مذاق اس بارہ میں بھی اس قدر مختلف ہے کہ حسن نسائی کی متفق علیہ تعریف بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔

روس کے شمال میں صاف شفاف آسمان جیسی نیلی آنکھیں غایت حسن سمجھی جاتی ہیں۔ اہل عرب ازرق چشم کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں۔ یورپ میں سنہری بالوں کی تعریف کی جاتی ہے اور ایشیا میں سیاہ ترین چوٹی کو حسن سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کو سفید رنگت پر ناز ہے، مگر حشیشوں کے نزدیک سیاہ رنگ کے سوا اور کسی کو حسین کہلانے کا حق ہی نہیں۔

جب ہم نے اس مضمون کا عنوان "دین الحسن والجمال" ثبت کیا تو اس سے یہ سمجھنا کہ اسلام بھی حسن نسائی کا سرایا نگار ہے، غلط اور قطعاً غلط ہے۔ ہاں اسلام حسن کا ایک بلند درجہ تجویز کرتا ہے اور جمال کو بہترین صنم قرار دیتا ہے، اسلام کی نگاہ میں یہ جہاں سر تا پا حسن کا پیکر ہے اور عالم کی ہر شے آئینہ دار جمال ہے۔

### انسانی حسن و جمال

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [التین: 4]

"ہم نے انسان (مردوزن) کو سب سے زیادہ خوشنما ڈھانچے پر پیدا کیا۔"

لفظ تقویم میں اندرونی و بیرونی ساخت دونوں شامل ہیں۔ عالمان علم تشریح جانتے ہیں کہ انسانی دماغ، انسانی قلب و دھڑک، احشاء و اعصاب کو دیگر حیوانات کے مقابلہ میں کس قدر برتری حاصل ہے، اس کے دانت اور معدہ میں کیوں کہ نباتاتی غذا اور حیوانی غذا کھانے والے حیوانات کی صفات جمع ہیں۔

### صورت کی خوشنمائی

﴿وَصَوَّرَكُمُ قَاحْسَنَ صُورَكُمُ﴾ [الانعام: 3]

"اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور ان کو کتنا اچھا بنایا۔"

عام اصناف انسان کو وہ رنگی ہو یا فرنگی دیگر حیوانات پر صفائی بشرہ، لعینت جلد، استقامت قد اور خوشنمائی حد کے بارہ میں جو خصوصیت حاصل ہے اس کا بیان قَاحْسَنَ صُورَكُمُ میں آ جاتا ہے۔

### بیوی کی صفات

﴿لَنَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلْ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ [الروم: 21]

"تا کہ اس سے آرام پاؤ اور آپس کی محبت اور پیار بھی تم کو عطا کیا۔"



یہی وہ بڑی خوبی ہے جو صنف نسوان کو ممتاز کرتی ہے۔  
 ﴿عُرُبًا أَتْرَابًا﴾ [النور: 37] ”شوہروں سے پیار کرنے والیاں اور ہم مذاق۔“  
 یہی وہ بڑی خوبی ہے جو صنف نسوان کو ممتاز کرتی ہے۔

### جمال مواشی و انعام

﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْبَعُونَ وَ حِينَ تَسْرَحُونَ﴾ [الحمل: 6]  
 ”مواشی جب صبح کو نکلے ہیں اور شام کو چر اگاہ سے واپس آتے ہیں تو ان میں تمہارا جمال ہے۔“  
 دودھ دینے والے، قلبہ رانی کرنے والے، پانی کھینچنے والے جانوروں کو لوگ دیکھتے ہیں۔ گاؤں سے باہر عموماً صبح و شام حیوان بھی جمع ہو جاتے ہیں اور ان کے مالک انسانی بھی اچھے جانوروں کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مالک کا چہرہ تعریفیں سن کر روشن ہو جاتا ہے۔ آیت میں اسی حالت کی جانب اشارہ ہے۔

### سواری کے جانور بھی زینت ہی ہیں

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَ زِينَةً﴾ [الحمل: 6]  
 ”گھوڑے، شجریں، گدھے، بار برداری اور سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور سب نسیب بھی ہیں۔“  
 ان جانوروں کا بار برداری اور سواری کا کام دینا تو عام طور پر مسلم ہی ہے، لیکن اسلام نے زینت کا لفظ ایڑا دکر کرنے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہر شے کی خوبصورتی پر بھی توجہ دلاتا اور اس کی قدر کرنا سکھاتا ہے۔

### جملہ اشیائے ارضی میں زینت و جمال ہونا

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [التكوير: 7]  
 ”جتنی چیزیں بھی زمین پر ہیں، ہم نے ان کو زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ انسانوں کا امتحان لیں کہ ان میں سے کون اچھے اعمال والا ہے۔“

ہر شے کا زمین کے لیے زینت و جمال ہونا اسلام ہی کی نگاہ سے معلوم ہوا ہے۔ زمین پر بچھا ہوا سبزہ، زمین کے لیے اپنی خوشنمائی سے زینت ہے اور آسمان کی طرف بلند ہونے والے درخت ان کو چھونے والی ڈالیاں، ان کی سایہ گستر شاخیں اپنے طور پر زمین کی رونق بن رہی ہیں، شوخ رنگ رکھنے والے پھول، بھانت بھانت کا مزہ دینے والے پھل، عجیب و غریب اشکال کے اوراق، مختلف تاثیرات و خواص رکھنے والے پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید خیمے کھڑے کرنے والی برف اور میدانوں کی چھیل زمین پر نرم نرم فرش بچھانے والی ریت، آبشاریں، غار، مرغزار اور جنگل وادی و ہامون آبادیاں اور ویرانے اپنی اپنی حالت، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تمام کرہ ارضی کے حسن کو بڑھانے والے جمال کو ترقی دینے والے ہیں۔

یہ سب زمین کا سنگار ہیں، یہ سب زمین کی زینت اور زیور ہیں، ان کی خوبصورتی کو دکھلانے والا یہی دین الاسلام ہے جو دین الحسن و الجمال ہے۔

آیات بالا میں صنعت ربانی کے حسن جمال کے بیان کے بعد ایک تقابلی بھی موجود ہے اور وہ بندہ کا حسن عمل ہے۔ وہ قدرت ربانیہ جس نے خود انسان کو صاحب الجمال پیدا کیا، جس نے ہر شے کو حسن و زینت کا خزینہ دار بنایا کیا اس کا یہ حق نہیں کہ وہ انسان سے بھی احسن اعمال کی توقع کرے؟ ہاں ضرور ہے۔

اگر کوئی شخص قصر سلطانی میں داخل ہوتا ہے، وہاں کی میز بہا اور قیمتی اشیاء کا ملاحظہ کرتا ہے، وہاں کی اعلیٰ زیبائش و آرائش کو دیکھتا ہے تو اس شخص سے اس کی قوت ضمیر سے یہی امید ہو سکتی ہے کہ وہ وہاں جا کر نہ نقصان کرے گا، نہ چیزوں کو بگاڑے گا، نہ شخص و خاشاک پھیلائے گا، یہی وہ توقع ہے جو انسان سے اس داور کی گاہ عالم میں کی گئی ہے۔

جب خود انسان بہترین جمال والا ہے اور جس کون و مکان میں وہ رہتا ہے، وہ بھی سراپا حسن و جمال ہے تو پھر انسان کا احسن اعمال کا پیش نہ کرنا اور دنیاوی حسد و اخروی حسد کا طالب نہ ہونا اس کی عقل و فہم سے بہت ہی بعید ہے۔

جملہ مخلوق کا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے حسین تر ہونا

﴿أَحْسَنَ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا﴾ [سجده: 7]

”ہر شے کو اس کی اپنی خلقت، اپنی بناوٹ میں بہت خوشنما اور بہت خوب بنایا ہے۔“

ہزاروں قسم کے پرندے ہیں، ہزاروں قسم کے پھول ہیں، ہزاروں قسم کے درخت ہیں، ہر قسم کے جاندار زمین کے اندر رہنے والے، پیٹ کے بل چلنے والے، پاؤں پر دوڑنے والے، سمندروں کے اندر رہنے والے موجود ہیں۔ اپنے اپنے رنگ، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے خواص، اپنی اپنی آواز، اپنے اپنے افعال میں اس قدر حسین و جمیل خوش منظر اور زیبا دیکر واقع ہوئے ہیں کہ چشم انتخاب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔

الف الف سلام و تحیة علی سید المرسلین و علی  
آلہ واصحابہ اجمعین

ﷺ





مَدَارِ الْمَدِينَةِ الْعِلْمِيَّةِ



# مَدَارِ الْمَدِينَةِ الْعِلْمِيَّةِ

قاضي محمد سليمان سلمان  
منظور لفظی و ترجمہ

MARKAZ  
**Al-Hrmain-ul-Islami**  
GULBAHARI COLONY, SATIANA ROAD, FAISALABAD-PAKISTAN.  
CONTACT: 0304 3010772